الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون

15

انوارِ ولایت

یعنی

سوانح شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی انور اللہ مرقدہ

حصہ اوّل

از ولادت تا وفات

مؤلف

احقر

چیدہ چیدہ عنوانات

اِنتساب

مَیں اِس کتاب کو سیّدالعارفین حضرت شیخ التفسیرؒ کی مُبارک صحبت کے اُن ملکوتی فیوض و برکات کی طرف منسوب کرتا ہُوں جن کی بدولت لاکھوں انسانوں کے دِل میں اِسلام کی برتری کا احساس پیدا ہُوا۔

اخگر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ

از رشحاتِ قلم حضرت مولانا قاری عبید اللہ انور صاحب جانشین حضرت اعلیٰ شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ

انوارِ ولایت

محترم ماسٹر لال دین صاحب اخگر نے حضرت ابّا جان رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح حیات لکھنے کی اجازت حضرت رحؒ کی زندگی میں ہی حاصل کر لی تھی۔ چنانچہ ابّا جانؒ کے ارشاد کے مطابق ماسٹر صاحب موصوف کو وہ مسودہ دیا گیا جس کو حضرت رحؒ نے بابو منظور سعید صاحب کو بنفسِ نفیس لکھوایا تھا۔ علاوہ ازیں ماسٹر صاحب نے حضرت رحؒ کی سیرت کے بہت سے مناسب اور متوقع عنوانات تحریر کر کے میری موجودگی میں حضرت رحؒ کے حضور میں پیش کئے تھے۔ جن کو سماعت فرمانے کے بعد آپؒ نے ان کو اپنے انداز میں سوانح حیات کی ترتیب و تالیف کی اجازت مرحمت فرمائی۔ ابھی یہ مہتم بالشان کام ابتدائی حالت میں ہی تھا جبکہ حضرت رحؒ عالمِ بقا کو کوچ فرما گئے۔ اِنّا للہ و اِنّا الیہ راجعون۔

ماسٹر صاحب نے بتوفیقِ ایزدی اپنے کام کو جاری رکھا۔ اور جو کچھ بھی اس ضمن میں تحریر فرمایا مجھ کو مختلف وقتوں میں سُناتے رہے۔ اگرچہ ابّا جان مرحوم کو ماسٹر موصوف کی مسلک شناسی اور اس کو سلامت روی کے ساتھ پیش کرنے کے متعلق مکمل یقین تھا۔ اور اُن کے اس اعتماد کی بنا پر مجھ کو بھی اُن کی تحریرات پر اس بات کا پُورا اعتماد تھا کہ حضرت کے سوانح حیات کو افراط و تفریط سے بچا کر ہی لکھیں گے۔ تاہم میں نے ماسٹر صاحب کی تمام عبارات من و عن سنی ہیں کیونکہ بعض اوقات بزرگانِ دین کے غیر محتاط لکھے ہوئے حالات پر "پیراں نمے پرند و مریداں مے پرانند" کا حقیقت آمیز طنز صادق آتا ہے۔ المختصر! حضرت کی زیرِ نظر سیرت کا مسودہ اپنی صحت کے اعتبار سے شکوک و شبہات سے بالاتر ہے۔ لہذا میں اس تصنیف کی تکمیل پر حضرت رحؒ کی تمام جماعت کی طرف سے جو لائق

نفوس پر مشتمل ہے۔ ماسٹر صاحب کی خدمت میں ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ نے اُن سے محض اپنے لطف و کرم سے یہ عظیم المرتبت دینی خدمت کی ہے۔ دُعا ہے۔ حق تعالےٰ اس کتاب کو مِلّتِ اسلامیہ کے لئے ذریعۂ ہدایت بنائے۔ تاکہ اس کے لکھنے کا مقصد پُورا ہو۔

اِس مُوقعہ پر مَیں ماسٹر موصوف کا تھوڑا سا تعارف کرا دینا بھی ضروری سمجھتا ہُوں۔ ان کو طالب علمی کے زمانے سے حضرتؒ کی ذاتِ گرامی سے والہانہ محبت چلی آتی ہے۔ ان کو پندرہ سال تک حضرتؒ کے ساتھ جلوت و خلوت میں خادمانہ حاضری کے مواقع نصیب ہُوتے ہیں چنانچہ جب حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ہفت روزہ خدّام الدین کا اجرا فرمایا۔ اور حضرت تمام طبع ہونے والے مضامین کو پڑھ کر اشاعت کی اجازت دیتے تھے تو اُن دنوں حضرتؒ ماسٹر صاحب کے مضامین اس قدر پسند فرمایا کرتے تھے کہ اپنی طرف سے عنوانات پیش کر کے ان سے مضامین لکھواتے تھے۔ اس سلسلے میں ماسٹر صاحب نے محسنہ کائنات کے عنوان سے مسلسل چھبیس قسطیں بھیجیں۔ تو اباجان مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ مَیں تنہائی میں جب محسنۂ کائنات کی کوئی قسط پڑھتا ہوں تو مجھ پر رقت طاری ہو جاتی ہے۔ لہٰذا کئی دفعہ نجی مجالس اور باقی احباب کے حلقوں میں ان کے مضامین کی تعریف و تحسین فرمایا کرتے تھے مَیں تو اس کو ماسٹر موصوف کی سعادت کا بہت بڑا نشان سمجھتا ہوں کہ ان کی دینی بصیرت کا تذکرہ زمانے کے ایک ممتاز ترین مفسرِ قرآن کی زبانِ مُبارک پر ہوتا تھا۔ چنانچہ ماسٹر صاحب کے مضامین کا یہ سلسلہ نہ صرف ہفت روزہ خدّام الدین کے صفحات پر ہی مقبولِ خاص و عام ہُوا۔ بلکہ کتابی شکل میں چھپ کر سینکڑوں گھرانوں کی اصلاح کا باعث بنا۔ اور اس کتاب پر سب سے پہلی تقریظ حضرتؒ نے اپنے دستِ اقدس سے تحریر فرمائی ہے۔ جو ہر اعتبار سے بے بدل ہے۔ دُعا ہے۔ اللہ تعالےٰ مُصنّف کو اس دینی خدمت کا اجر عطا فرمائے اور اس نوشتہ کو ان کی نجات کا ذریعہ بنائے۔ مکرر دُعا ہے۔ کہ پروردگارِ عالم ماسٹر صاحب کو اس کتاب کی دوسری جلد مخلصانہ تصنیف کرنے کی توفیق بخشے۔

احقر عبید اللہ انور

۱۷۔ شعبان ۱۳۹۴ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

مقدمہ

ہر کہ عاشق شد جمال ذات را
اوست سیّد جملہ موجودات را

مسلک کی حفاظت کا مسئلہ زیر بحث آیا۔ تو قطب الاقطاب۔ سیّد العارفین۔ مخدوم الاتقیاء حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے سوانح حیات ضبطِ تحریر میں لانے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ اُس عقیدت و ارادت کی محفل میں چند ایک باتیں اور بھی ہوئیں۔ اور احقر الانام نے حضرتِ والا جاہ کی خدمتِ اقدس میں عرض کیا کہ حضور! آپ کے حالاتِ زندگی کا مسوّدہ جو اب تک تیار ہوا ہے۔ وہ آپ کی حیاتِ پاک کے چند واقعات کا پتہ تو ضرور دیتا ہے۔ مگر اُن میں آپ کے صحیح مقامات کی پوری عکاسی موجود نہیں ہے۔ میری اس عرض کو سُن کر نہایت مدبّرانہ سنجیدگی سے فرمایا کہ مسوّدہ آپ کو مل چکا ہے۔ آپ اپنے طریق پر کام شروع کر دیں۔ اللہ تعالےٰ مدد فرمائے گا۔

حضرت اعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے سوانح حیات کے لکھنے کی اجازت حاصل ہوتے ہی احقر العباد کی طبیعت کا رُخ بتوفیق ایزدی ایک وادیِ پُر انوار کی طرف ملتفت ہو گیا۔ اور مندرجہ ذیل سوالات دماغ کی سطح پر اُبھرنے لگے۔

(ا) اولیاء کرام کے سوانح نگار کے فرائض کیا ہیں؟

(ب) عقیدت اور حقیقت کی متمیز حدود کا جائزہ کتنا ضروری ہے؟

(ج) واقعات کو پایۂ ثقاہت تک پہنچانے کے لئے کونسے وسائل و ذرائع کام میں

لائے جا سکتے ہیں؟

(د) عام حالاتِ زندگی کو حقیقت اور سادگی سے پیش کرنا کیوں ضروری ہے؟

(ح) فضائل و شمائلِ ولایت کو انوارِ نبوت سے کتنا تعلق ہے؟

المختصر اگر فرقِ مراتب نکلنی زندیقی ! کے پیشِ نظر ایک سوانح نگار کو اپنی طبع آزمائیوں کی کہاں تک اجازت ہے۔ یہ اور اسی طرح کے باقی چند خیالات تھے جن میں بندۂ ناچیز محوِ تفکر رہا۔ آخرکار احقر اس نتیجہ پر پہنچا کہ ولایت کے اوصاف وہی بیان کئے جائیں۔ جن کا منبع نبوّت و رسالت ہو۔ اور کتاب و سنّت اُن کی تائید و تصدیق بھی کریں۔

چند دنوں کے بعد اس عبدِ ضعیف نے اپنے آقائے روحانی کے سامنے آپ کی مبارک زندگی کے عنوانات اور ابواب چند صفحات پر نقل کر کے پیش کئے۔ حُسنِ اتفاق سے اُس وقت حضرتؒ کے فرزند نیک اختر حضرت مولانا عبید اللہ انور صاحب بھی حجرے میں تشریف فرما تھے۔ حضرتِ اعلیٰ نے نہایت خسروانہ التفات سے کمترین کی زبان سے تمام عنوانات و ابواب کی سماعت فرمائی۔ اور بعد ازاں چند عنوان اپنی زبانِ دُرّ بار سے بھی ارشاد فرمائے۔ جن کو احقر نے اُسی وقت نقل کر لیا۔ حضرتِ اقدس کی یہ اجازت توفیقِ الٰہی بن کر کمترین کے شاملِ حال رہی۔ لیکن نہایت افسوس سے عرض کیا جاتا ہے۔ کہ یہ گنہگار حضرتؒ کے سوانح حیات کو آپ کی زندگی میں ترتیب دے کر تصحیح و تصدیق کا شرف حاصل نہ کر سکا۔ اس میں تساہل کا بھی بڑا حصّہ ہے۔ مگر خدائے قدوس کی قسم! حضرتؒ کے اچانک سفرِ آخرت کا ہرگز گمان نہ تھا۔ بلکہ ہر ملاقات کے بعد ہزاروں ملاقاتوں کی اُمیدیں دل کو پیغامِ سکون بخشا کرتی تھیں۔ اب آپ کی وفات حسرت آیات کے بعد کچھ دن وفورِ غم کی وجہ سے سراسیمگی میں گزرے۔ اس کے بعد باسمہٖ تعالےٰ حضرتؒ کے سوانحِ حیات کی ترتیب و تالیف

کا کام شروع کر دیا۔ دُنیاوی مشاغل اور زندگی کے باقی افکار و حوادث نے اگرچہ دلجمعی کا موقعہ نہ دیا۔ لیکن بقول مولانا حالی مرحوم!

گو میں رہا رہینِ ستم ہائے روزگار
لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا

کے مصداق ان ایّام و شہور میں کتاب و سُنّت کے مطالعہ کے وقت۔ کتبِ سیَر اور اقبالیات پر غور و تدبّر کے سارے لمحات میں حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ کی جامع صفات زندگی کا تصوّر ایک ساعت کے لئے بھی دل و دماغ سے فراموش نہیں ہُوا۔

بندہ رسمی طور پر نہیں۔ بلکہ صحیح معنوں میں اعتراف کرتا ہے کہ حضرتِ اقدس جیسی بلند مرتبت ربّانی شخصیّت کے ظاہری و باطنی کمالات کے بیان کے لئے قلم اُٹھانا کمترین کی علمی۔ ذہنی۔ معلوماتی فنی اور رُوحانی استعداد سے بہت مشکل تھا۔ مگر دیکھا گیا ہے کہ ایسے خُدائی کاموں میں نصرتِ غیبی نے بعض اوقات احقر جیسے ناکاروں کی دستگیری فرمائی ہے۔ اور امورِ مہمہ کی تکمیل بعض بے سرو سامان انسانوں سے بھی کروائی ہے۔

تو قادر ہے، بدلتا ہے، خزاں کو نو بہاروں میں
تری قدرت سے غنچے مُسکراتے ریگ زاروں میں (اخگر)

احقر اس موقعہ پر اپنے محترم بھائی بابو منظور سعید صاحب کے عزمِ جلیل کی تعریف و تحسین کرنا بھی ضروری سمجھتا ہے۔ جنھوں نے آج سے کئی برس پہلے حضرت اقدسؒ کی مبارک صحبت میں بیٹھ کر آپ کے حالاتِ زندگی، آپ کی زبان سے سُن کر تحریر فرمائے اور وہ مسوّدہ تیار کیا۔ جس کا ذکر ابتدائے مقدمہ میں گزر چکا ہے۔ یہ واقعات حضرتؒ کے تیسرے سفرِ حج تک محدود تھے۔ اس کے بعد جو حالات لکھے گئے اُن کا اکثر تعلق جانشین حضرت شیخ التفسیر قاری عبید اللہ انور صاحب سے ہے۔ جہادِ کشمیر کا واقعہ مولانا محمد صابر

صاحب اور تحریکِ خاکساراں کے متعلق محترم المقام چوہدری عبدالرحمٰن صاحب مرحوم ایم اے۔ ایل ایل بی ریٹائرڈ اسسٹنٹ سکرٹری سابقہ پنجاب نے لکھوایا۔ چونکہ کمترین کو حضرت نوّر اللہ مرقدہٗ کا نواسہ داماد ہونے کا مشرف حاصل ہے۔ لہٰذا آپ کے چند معمولات و عادات شریفہ کے متعلق آپ کی بڑی صاحبزادی صاحبہ سے استفسار کر کے لکھا گیا۔ القصّہ! آپ کی زندگی کے تمام مندرجات نہایت حزم و احتیاط سے آپ کے اعزّہ و اقربا سے تصدیق کرا کر پیش کئے گئے ہیں۔ تمام حضرات جنھوں نے اس کارِ خیر میں احقر کی معاونت فرمائی ہے۔ دعا ہے کہ خدائے برتر و اعلیٰ ان سب کی مخلصانہ مساعی جمیلہ کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے۔

آج اُمّتِ مسلمہ کے سامنے عموماً اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے لاکھوں مریدین کے سامنے خصوصاً آپ کی حیاتِ طیّبہ کا وہ حصّہ پیش کیا جا رہا ہے۔ جس کا تعلق فقط آپ کی ولادت باسعادت سے لے کر آپ کی وفات حسرت آیات کے واقعات سے ہے۔ باقی آپ کے علمی و عملی فضائل و شمائل۔ کشف و کرامات۔ فیوض و برکات کی وسعت۔ روحانی مقاماتِ ارفع اور دیگر انوارِ ولایت کا تذکرہ انشاءاللہ العزیز جلد دوم میں کیا جائے گا۔ ناظرینِ کتاب ہذا سے التماس ہے کہ وہ اس احقرالانام کے حق میں دُعا کریں۔ کہ پروردگارِ عالم اپنے لطف و کرم سے اس کو دوسری جلد کی ترتیب و تصنیف کی ہمّت مرحمت فرمائے۔ تاکہ عقیدت کیش حضرات کو انتظار کی مزید زحمت نہ اٹھانا پڑے۔

وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ۔ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ

وجہِ تالیف

مہذب اقوام میں یہ دستور عہدِ قدیم سے چلا آتا ہے۔ کہ وہ اپنے ملک کے زعمائے ملّت اور محبانِ قوم و مذہب کے واقعاتِ زندگی کسی نہ کسی صورت میں محفوظ و مصوّن رکھتی آئی ہیں۔ کتب سِیر۔ منظوم کارنامے۔ ہیروز (Heroes) کے سلسلۂ حسب و نسب کا تحفّظ۔ کتبے۔ مجسمے اور سالانہ تقریبات کا منانا اسی ایک سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ اور فلسفۂ تاریخ کے ماہرین کو اس امر پہ اتّفاقِ کُلّی ہے۔ کہ عہدِ حاضر اپنے ماضی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اور زمانۂ مستقبل کے مکمّل تار و پود دورِ حاضر کی فضاؤں میں نشو و نما پاتے ہیں۔ علاوہ ازیں اقوامِ عالم نے اجتماعی و انفرادی زندگی میں دورِ انحطاط کو ہمیشہ نفرت کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ اور دورِ ارتقاء کو سنہری زمانے سے تعبیر کیا ہے۔ اور ہر زمانے میں ایسے افراد ضرور عالمِ وجود میں آتے ہیں۔ جو اپنے مقتداؤں کے اخلاق و کردار۔ عادات و اطوار بلکہ ہر فعلِ حیات میں اُن کی پیروی کرنا فلاحِ دارین یقین کرتے ہیں۔ ممکن ہے ایسے لوگ کبھی شمس و قمر کی صورتیں بھول جائیں۔ مگر وہ اپنے محبوب رہنماؤں کے حُسنِ عمل کا تصوّر ایک لمحے کے لئے بھی فراموش نہیں کر سکتے۔

آج ہمارے سامنے حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ کی مبارک زندگی کا مرقع ہے۔ یہ وُہ زندگی ہے۔ جس کی وسعتوں میں عالمانہ تبحّر۔ فقیہانہ تفکّر۔ مفسرانہ تدبّر۔ خطیبانہ حُسنِ تکلّم۔ قلندرانہ فقرِ غیور۔ مرسلانہ متانت اور مجاہدانہ تہوّر موجود ہے۔ لہٰذا اس کی حفاظت کا مسئلہ ایک مقدس فریضہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ ایسی جامع صفات ہستیاں صدیوں کے انتظار کے بعد عالمِ شہود میں جلوہ گری کرتی ہیں۔ جن لوگوں نے حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ کو قریب ہو کر دیکھا ہے۔ اُن کو یقین ہے کہ آپ کی

زندگی کا خمیر جلال و جمال۔ خسروی و درویشی اور علم و عمل سے تیار کیا گیا تھا، آپ کی حیاتِ مبارکہ کتاب و سُنّت کی بڑی حد تک عملی تفسیر تھی۔ لہٰذا اس کے تمام گوشوں پر روشنی ڈالنا طالبانِ حق کی رہنمائی کے سرمایہ کو فراہم کرنا ہے۔ احقر نے بتوفیقِ ایزدی اس اہم امر کی تکمیل کا کام شروع کر دیا ہے۔ اور خداتے قدیر نے اپنے لطف و کرم سے اس کا اکثر حصّہ پُورا کروا لیا ہے۔ بندۂ حقیر کو پُورا پُورا اعتراف ہے۔ کہ اس کتاب میں کئی قسم کی فروگزاشتیں موجود ہیں۔ بایں ہمہ خداتے اکبر سے التجا ہے۔ کہ وہ اس عقیدت بھری پیشکش کو مسلمانوں کی نظروں میں مقبول بنائے۔ اور یہ کتاب اُس کی رحمت سے کمترین کے لئے توشۂ آخرت ثابت ہو۔ ؎

حاصلِ عمر نثارِ سے ہر یارے کردم
شادم از زندگیِ خویش کہ کارے کردم

راخگر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہٖ محمد وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین

مولد

جلالاں نامی قصبہ ضلع گوجرانوالہ میں ۲ رمضان المبارک ۱۳۰۴ھ کو جمعۃ الاولیٰ کے دن ایک متدین گھرانے میں ایک بچہ پیدا ہوا۔ جس کا اسم گرامی احمد علی رکھا گیا۔ یہ قصبہ ریلوے اسٹیشن گکھڑ سے چار میل مشرق میں واقع ہے۔ مشیت ایزدی نے اس قصبے کو کس صاحب کمالات اور منبع سعادات کی ولادت سے نوازا۔ اس وقت کی ایک زبان بھی ایسی نہ تھی جو اس حقیقت کا اظہار کر سکے۔ اور اس وقت کی ایک آنکھ بھی ایسی نہ تھی جو اس مہر ولایت کے طلوع پر خلق خدا کو آگاہی بخشے۔ لیکن فرشتگان قضا و قدر اس بستی کے ہر کوچہ و بازار میں پکار پکار کر کہہ رہے تھے ؏

آمداں یارے کہ ما مے خواستیم

کس کو خبر تھی کہ یہ بچہ جو آج ایک گمنام قصبے کے ایک غریب گھرانے میں جنم لے رہا ہے۔ کسی دن آسمان ولایت پر آفتاب عالمتاب بن کر چمکے گا۔ اس کے علوم و معارف کے بحور بے کنار ہوں گے۔ اس کے فیوض و برکات کی سوتیں زمزم و کوثر کی آئینہ دار بنیں گی۔ اور یہ مشرق سے طلوع کرنے والا نیر ولایت مغرب کی وادیوں میں بھی ضیا پاشیاں کرے گا۔ جیسا کہ علامہ علاؤ الدین صدیقی صدر شعبہ اسلامیات پنجاب یونیورسٹی کی شہادت ہے۔ میں نے مغربی ممالک کی سیر و سیاحت کے دوران میں اس حقیقت کو ہزار تعجب سے جگہ بجگہ دیکھا ہے کہ سید العارفین، عالم ربانی حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ کے ارجمند شاگردوں، عقیدتمندوں یا خوشہ چینوں میں سے کسی نہ کسی

مردِ حق نے قرآن پاک کے درس و تدریس اور نشر و اشاعت کو اپنا لائحہ عمل بنا رکھا ہے۔"
اور اسی طرح ہمارے محترم بابو منظور سعید صاحب جنھوں نے حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ کی زبانِ مبارک سے آپ کے سوانح حیات سن کر نقل فرماتے ہیں۔ اپنی بیاض کی ابتدا میں رقمطراز ہیں:۔

"چنانچہ میرا اپنا واقعہ ہے کہ اپریل ۱۹۴۲ء میں جب میں دہلی ریلوے اسٹیشن سے علی گنج صفدر جنگ کی طرف پیدل جا رہا تھا تو ایک آدمی رستے میں ملا باتوں باتوں میں ہماری ایک دوسرے سے شناسائی ہو گئی۔ جب اس شخص کو معلوم ہوا کہ میں لاہور سے آیا ہوں تو اس نے مجھ کو بتایا۔ کہ ہم ایران میں حضرت مولانا احمد علی صاحب کو مفسر قرآن کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ کیا آپ ان کو جانتے ہیں؟ میں نے ان کو حضرت والا شان کے متعلق کافی واقفیت دلائی۔ لیکن میں خود حیران تھا کہ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی علمی شہرت بین الاقوامی حیثیت رکھتی ہے۔

حضرت اقدس کے والدین ماجدین

قادرِ مطلق سیپ کے سینے میں گوہرِ غلطاں کی پرورش کا سامان اور کالے کالے پہاڑوں میں جواہرات کے وفاین رکھ دے، تو اس کی مشیّت ہے۔ کسی نے اسی حقیقت کی طرف یہاں اشارہ کیا ہے۔ ع

تو جو چاہے تو اٹھے سینۂ صحرا سے حباب

تاریخی شواہد ملاحظہ ہوں۔ وہ برگزیدہ ہستی جس کو روزِ ازل کے صحیفوں میں جدّ انبیاء قرار دیا گیا تھا۔ جس کی خدا پرستیاں اس کو مقامِ خلّت تک اٹھا کر لے جانے والی تھیں جو حضرت ذبیح اللہ کا باپ بنایا جا رہا تھا اور جس کے مبارک ہاتھوں سے کائنات کے دار الامن کی تعمیر کروانا منظور تھی۔ جب عالم کتم سے عالم شہود میں جلوہ گر ہوا تو گرد و پیش

کی ساری دُنیا بتوں سے پٹی پڑی تھی۔ غیر تو غیر باپ کو شاہی بتکدے کا انچارج دیکھا اور کالڈیا کے بازاروں میں ان پتھر کے خداؤں کے بے شمار ڈھیر لگے ہوتے تھے۔

اللہ! اللہ۔ ایسے ظہورات تمام ادوار میں نظر آتے۔ اور اسی حکمت الٰہیہ کی یہ بھی ایک کڑی ہے۔ کہ فرعون مصر کے شبستانِ شاہی میں حضرت آسیہ جیسی حورِ شمائل۔ ملک سیرت مومنہ و صدیقہ زندگی کے دن بسر کررہی ہے۔ اور قادرِ مطلق کے حضور میں سربسجود دعا کرتی ہے۔

اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِیْ عِنْدَكَ بَیْتًا فِی الْجَنَّةِ وَنَجِّنِیْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۔ (جب نہایت الحاح وزاری سے عرض کیا۔ اے میرے پروردگار جنت میں اپنے جوارِ رحمت میں میرے لئے ایک گھر بنادے۔ مجھ کو فرعون کی ہمنشینی اس کی مصاحبت اور ظالم قوم کی موجودگی سے نجات عطا فرما)

اس جگہ پر ایسی مثالوں کا پیش کرنا طوالت کا باعث ہوگا۔ لہٰذا ہم اپنے مقصد کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ خدائے قدیر و خبیر اپنے اسرار و غوامض کو خود ہی جانتا ہے کہ کس چیز کی نشوونما کہاں کرانا چاہتا ہے۔ اور اس کے لئے کیسے اسباب درکار ہوتے ہیں۔

حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت باسعادت میں اسباب و علل کے چہرے پر کوئی نقاب نہ تھا۔ اور ماحول میں ایسے آثار نہیں پائے جاتے تھے جس سے آپ کا بعد میں سید الاولیاء ہونا خارجی موثرات کے برخلاف حیرت و استعجاب سے دیکھا جاتا بلکہ یہاں تو خالق ارض و سمانے کچھ ایسے حسنِ اتفاقات کو اکٹھا کردیا تھا کہ آپ ہر لحاظ سے نجیب الطرفین تھے۔ آپ کے والدین حُسنِ سیرت کی ایک زندہ جاوید تصویر تھے۔ شریعتِ طاہرہ کے احکام کی پابندی اُن کی سرشت میں سمائی ہوئی تھی۔ خصوصاً صوم وصلوٰۃ کا ذوق و انہماک اُن کے خمیر میں داخل تھا۔ اللہ! اللہ۔ پاک باز اور

نیکو فطرت والدین جب کسی بچے کو اپنی عارفانہ نگاہوں اور نصف شب کی دعاؤں میں پرورش دیتے ہیں تو اُس بچے کی زندگی اپنے ماحول میں ایک روحانی انقلاب بپا کر سکتی ہے۔ کیونکہ اُس کے حسنِ کردار سے افراد کی نجات کا مسئلہ وابستہ ہوتا ہے۔

نیک والدین کی فطرتِ سلیمہ کا اثر

نیک ماؤں کی لوریاں اور ملک سیرت باپوں کی نگاہیں نیکی کی ذہنی قوتوں کی حفاظت کرتی ہیں۔ اور ہر زمانے میں خواہ لاکھوں میں ایک ہی سہی ایسے مردِ حق آگاہ عالمِ وجود میں ضرور تشریف لاتے رہتے ہیں۔ جن کے لئے مادرِ گیتی کو بجا طور پر فخر کرنے کا حق حاصل رہا ہے۔

آگ اُس کی پھونک دیتی ہے برنا و پیر کو
لاکھوں میں ایک بھی ہو اگر صاحبِ یقین
ہوتا ہے کوہ و دشت میں پیدا کبھی کبھی
وہ مرد جس کی آنکھ خزف کو کرے نگیں (اقبال مرحوم)

ہر کلیہ میں شاذ ہوتا ہے مشیّتِ ایزدی کے پوشیدہ احوال کو خدائے لطیف ہی جانتا ہے۔ آذر نے سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کو لوریاں دی ہوں۔ تو خالق کی مرضی اور اگر حضرت کلیم اللہ کو فرعون کے گھر میں رہنے کا انتظام کیا گیا تو قدرتِ الٰہی کے کرشمے اور اسی طرح ولایت کے انوار نے بھی بعض اوقات کفر و الحاد کی وادیوں میں جلوہ گری کی ہے۔ لیکن نیک ماؤں کی آغوش میں انبیاء اور اولیاء پرورش پاتے رہے ہیں یہ قول اپنی صداقت پر خود ہی شاہد ہے۔ کہ اگر فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی گود نہ ہوتی۔ تو حسین رضی اللہ عنہ حسین نہ ہوتا۔ حضرت فریدالدین شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ ماجدہ کا بیان ہے کہ میں نے اپنے بچے فرید کو بے وضو کبھی دودھ نہیں پلایا تھا۔ بہر صورت کسی بچے کا شریف النفس والدین کے ہاں

پرورش پانا۔ اُس کی تخلیقی سعادت کا نشان ہے۔

تائیدِ ایزدی کا ظہور

حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ کے والد محترم کا نام نامی شیخ حبیب اللہ تھا۔ اور آپ سلسلۂ چشتیہ میں بیعت تھے۔ ہمارے حضرت مرحوم اپنے والدین کی امیدوں کا ثمر اوّلین تھے۔ اِس مقام پر تائیدِ خداوندی نے ایک نیا راستہ نکالا حضرتؒ کے والدین نے دینِ حقّہ کی خدمت کے جذبہ سے سرشار ہو کر اپنے ثمر اوّلین کی ولادت سے پیشتر حضرت مریم علیہا السلام کے والدین کی طرح آپ کو کتاب وسُنّت کی خدمات کے لئے وقف (محرّر) کر دیا تھا۔ خداوندِ عالم کو یہ نذرانہ اس قدر پسند آیا۔ اور پیش کرنے والوں نے اس قدر صدق و اخلاص سے پیش کیا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا مطالعہ کرنے والو پر یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ آپ نے اپنی زندگی کا شاید ہی کوئی لمحہ غفلت میں گزارا ہو احقر تو سلفیہ کہا کرتا تھا۔ کہ حضرت والاجاہ کے روزانہ پروگرام پر عمل کرنا ہماری سہل انگار زندگی سے کوسوں دُور ہے۔

خیر! آپ کے خوش نصیب والدین نے حضرت مریم علیہا السلام کے والدین کی طرح حسرت سے نہیں۔ بلکہ انتہائی مسرت سے آپ کی پیدائش پر اپنی تمناؤں کو پُورا ہوتے دیکھا۔ اور فرطِ احسان مندی سے جھومتے ہوتے آپ کا نام احمد علیؒ تجویز فرمایا۔ والدین کے پاکیزہ ارادے سے پتہ چلتا ہے کہ اُنھوں نے اس وقف شدہ (محرّر) نومولود کی پرورش کے ایام میں کس قدر زیادہ رضائے الٰہی کے حصول کو پیشِ نظر رکھا ہوگا۔ والدِ مکرم کو ذوقِ عبادت کے ساتھ ساتھ اپنی روزی کے پاکیزہ ہونے کی فکر ہر وقت دامنگیر رہتی ہوگی۔ اور ادھر والدہ محترمہ کو اس نذرانہ الٰہی کی حسن تربیت کے لئے شبانہ روز تسبیح و تہلیل کا استغراق لازماً میسر ہوگا تاکہ رزقِ حلال کی برکت اور جذبۂ عبادت کا کیف نورِ ایمان

بن کر ہونہار بچّے کی رگ رگ میں سما جائے۔ ؎

علم و حکمت زاید از نانِ حلال
عشق و رقت آید از نانِ حلال (مولانا رومؒ)

لمحہ استغراقیہ

خداوندِ عالم! تیری عطا کردہ قوتوں سے موجودات کا جائزہ اور مشاہدہ تو ہوتا رہتا ہے۔ مگر تیری حکمتوں کے پُراسرار گوشوں پر نظر نہیں پڑتی۔ ہم نے مانا۔ کہ حضرت لاہوریؒ کے والدین کے خلوص میں ایک الہامی جھلک اور ایک قدسی الاصل ولولہ موجود تھا۔ مگر اُن کو بھی کیا خبر تھی کہ یہ بچّہ ایک دن مخدومِ جہانیاں بنے گا۔ پیکرِ عصمت والدہ مکرمہ عام ماؤں کی طرح مشفقانہ لوریاں دیتیں۔ سینے سے لگاتیں۔ رخسار و جبیں اور دست و بازو پر بوسے دیتیں۔ اور ہر وقت پروانہ وار جاں نثاری کرتیں۔ اُدھر پدرِ مشفق اپنے نونہال کے ہر ڈال ہر پات کو دیکھ کر خوش ہوتے۔ لیکن اگر اُن کو ملہمِ غیبی اُنہی ایّام میں مطلع کر دیتا۔ کہ آپ کا نُورِ بصر ایک موقعہ پر شیخ العرب والعجم بنایا جائے گا۔ اور دُنیا کے بڑے بڑے صاحبانِ جاہ و ثروت۔ حاملانِ علوم و معارف اور سالکانِ راہِ ہدایت اس کی پیشوائی کو ذریعۂ نجات یقین کریں گے تو لازماً وہ مبارک گدڑی اپنی بوسیدہ تاروں کے ساتھ جس میں حضرت اقدس کو لٹایا جاتا تھا، وہ پنگوڑا جس میں آپ رانیؒ عبد اللہ کہتے ہوئے بیدار ہوتے تھے۔ اور محوِ استراحت رہتے تھے۔ وہ چارپائی جس پر آپ اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ شیر خوارگی کے ایّام بسر کرتے تھے اور جس کے بازوؤں کو اپنے ننھّے ہاتھوں سے تھامتے ہوئے اپنے معصوم قدموں سے چلنا سیکھتے تھے۔ آج تک وہ تمام چیزیں محفوظ و مصئون رہتیں۔ اور ہزار برکت کا باعث سمجھی جاتیں۔ پروردگارِ عالم کی قسم وہ عفیفہ خوش اختر تھی جس نے دایہ کے فرائض ادا کئے۔ وہ ہاتھ مُینِ سعادت کے حامل تھے۔ جنھوں نے قرابت داری اور ہمسائیگی کے لحاظ سے لوریاں دیں۔ کس کو خبر تھی کہ

اُس چھوٹے سے دالان کے ذرّوں کو کس کے قدم اور زانو بابرکت بنا رہے تھے۔ کون اپنے ننھے ننھے معصوم ہاتھوں سے گھر کے برتنوں کو چھوتا تھا۔ بکھرے ہوئے کھلونے چھوٹے چھوٹے جوتے۔ کرتے موسم سرما کی ٹوپیاں اور یہ عصمت مسکراہٹیں کس کی پرورش کا حصہ بنی ہوتی تھیں۔ آپ کے افراد خانہ نے کیا سمجھ کر تیماداریاں کیں۔ اُن کو کون بتاتا کہ آپ میں کا ہر ایک بلند بخت ہے۔ آپ میں کا ہر ایک سعید ہے۔ کیونکہ آپ کے حوالے ایک ایسے گوہر یکتا کی حفاظت کی ذمہ داری ہے جس کا ہمسر لاکھوں میں بھی نہیں ہوگا۔ ہم اُس ماں کو کس منہ سے مبارکباد کہیں جس کی گود میں قطب الاقطاب ہُمک رہا ہو۔ وہ بچہ جس کے سینے میں اسماعیلی قلب و نظر ہوں۔ اُن کے باپ کی سعادت کا کیا کہنا۔ الٰہی! انبیاء کرام کی سعادتوں کا تذکرہ تو قرآن عزیز میں موجود ہے۔ جیسے سیدنا عیسٰی علیہ السلام کی زبان پر تبرّکاً کلام یوں جاری ہوا تھا۔ وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا (مجھ پر اُس دن بھی سلامتی کی بارش ہوتی جس دن میں پیدا ہوا۔ وہ دن بھی برکتوں کا حامل ہوگا جب میں مروں گا۔ اور وہ دن بھی سعادتوں سے ہمکنار ہوگا جب میں زندہ اُٹھایا جاؤں گا) کیا برکات سماویہ اولیاء کرام کو بھی حیات و ممات پر میسّر آتی ہیں؟ کیا انبیاء کرام کی نبوّت کی وساطت سے اولیاء اُمت بھی تیری نوازشات قدسی سے نوازے جاتے ہیں؟ لیکن جب ہم دیکھتے ہیں کہ اولیاء کرام کی زندگیاں بھی ہزاروں بلکہ لاکھوں انوار کا مرکز ہوتی ہیں اگرچہ اُن کی زبان پر وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنتُ نہیں ہوتا۔ تو ہم محسوس کرتے ہیں بلکہ یقین کرتے ہیں کہ یہ صلحائے اُمت صحیح معنوں میں انبیاء کرام کے وارث ہیں۔ کیونکہ اُن کی موجودگی میں اقوام پر برکات کا نزول ہوتا ہے۔ اور دین حقّہ اپنی صحیح صورت میں زندہ رہتا ہے۔

حضرتؒ کے حقیقی بھائی

حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ کے تین حقیقی بھائی ہیں۔ حافظ محمد علی صاحب یاغستان

میں قیام پذیر تھے - اور کئی سال تک وہیں رہے - اور اب قضائے الہٰی سے فوت ہو چکے ہیں۔
اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیہِ رَاجِعون - مولوی عزیز احمد صاحب کراچی میں رہتے ہیں - ان سب حضرات سے چھوٹے
حکیم رشید احمد صاحب ہیں - جو زبدۃ الحکماء کی اعزازی ڈگری سے سرفراز ہیں - اور طبیہ کالج لاہور
جو انجمن حمایت اسلام کے زیر اہتمام چل رہا ہے میں بطور پروفیسر کام کرتے رہے ہیں - اور
آج کل معتمد ہیں - اور حضرت اعلیٰ کی زندگی میں درس قرآن مجید میں تشریف لایا کرتے تھے۔
طبیعت کا تقاضا ہے کہ یہاں اپنا مشاہدہ بھی عرض کر دوں - کہ درس قرآن مجید کے بعد
عقیدتمند لوگ حضرتؒ سے مصافحہ کرتے اور چلے جاتے - حکیم صاحب خاموش بیٹھے رہتے -
اور مناسب وقت پا کر حضرت اقدس کے ہاتھوں پر بوسہ دیتے اور بعض اوقات آنسو بھی بہاتے -
یہ منظر دیکھ کر احقر کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو اُبل پڑتے - اور خیال آتا - کہ الہٰی ! دنیا میں
اب تک اُخوتِ اسلامی کا یہ نقشہ موجود ہے - کہ ایک بھائی اپنے بڑے بھائی کے ہاتھوں
پر بوسہ دے رہا ہے - جبکہ اس زمانے میں یہ منظر لاکھوں میں بھی نظر نہیں آتا ہے - بلکہ
حرص و آز - شکوک و شبہات - اغوائے شیطانی - عداوت - بغض - حسد - کبر و نخوت اور جاہلانہ
ہٹ دھرمی رشتہ داروں میں اس قدر گھر کر گئی ہے کہ شاید ہی کوئی خوش نصیب برادری ہوگی
جس کے افراد ایک دوسرے کے وقار کا خیال رکھتے ہوں یا ایک دوسرے سے حسنِ مروّت
سے پیش آتے ہوں ؟

ابتدائی تعلیم

ہم اُن شفقتوں کے بیان کرنے سے قاصر ہیں جن کا اظہار حضرتؒ کے والدین نے
آپ کی ابتدائی پرورش میں کیا - اُس ماحول کا نقشہ بھی ہماری دسترس سے باہر ہے جس میں
آپ نے شیر خوارگی کی نورانی گھڑیاں گزاریں - عادت اللہ اور سنت اللہ پر غور کر کے ہم اتنا ضرور
کہہ سکتے ہیں - اور اس بیان میں لذّت محسوس کرتے ہیں کہ صالحین کی پیدائش و رحلت عام لوگوں

سے جُداگانہ ہوتی ہے۔ باکمال حضرات کی زندگی کا ایک لمحہ بھی فیوض و برکات سے خالی نہیں ہوتا۔ خواہ وہ شیر خوارگی کے ملکوتی ایّام ہوں یا شیخوخیت کی پیغمبرانہ ساعتیں۔ یہ لوگ تو دُنیا میں سعادتوں کے ساتھ آتے ہیں۔ اور سعادتوں کے جلو میں ہی عالمِ جاودانی کی راہ لیتے ہیں۔

ہم حضرت لاہوریؒ کی ابتدائی تعلیم کے متعلق عرض کرنے بیٹھے ہیں۔ آپ نے جب اپنی والدہ ماجدہ کی آغوشِ شفقت کو چھوڑا۔ تو ناظرہ قرآن مجید پڑھنے کے لئے اپنی عصمت مآب والدہ ماجدہ کے سامنے ہی زانوئے تلمّذ تہ کیا۔ وہ بچّے جن کی پرورش کے لئے پروردگارِ عالم کے لطفِ خاص نے گھر کے ماحول کو اسلامی بنا رکھا ہو، اُن کی قسمت کی بلندیوں کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔ والدہ کی تعلیم بھولے پن کے دنوں میں فردوسی نعمتوں کی طرح دل و دماغ میں نور افشانیاں کرتی ہے۔ کیونکہ والدہ سے بڑھ کر تربیت و حفاظت کا جذبہ اور کہیں نہیں ہوتا۔ حضرت علّامہ اقبال مرحوم نے اپنی معرکتہ الآرا کتاب "جاوید نامہ" کے آخیر میں "خطاب بہ جاوید" کے عنوان سے یہ نظم لکھی ہے۔ جس کے دو تین اشعار کا اس موقعہ پر نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

فرماتے ہیں ؎

مادرت درسِ نخستیں باتو داد　　غنچۂ تو از نسیمِ اُو کشاد

از نسیمِ اُو ترا ایں رنگ و بُو　　اے متاعِ ما بہائے تو ازو

دولتِ جاوید ازو اندوختی　　از لبِ او لا اِلٰہ آموختی

ترجمہ:- (۱) تیری والدہ نے سب سے پہلے تجھ کو سبق دیا۔ تیرے دل کا غنچہ اس کی نسیمِ سحری سے پھول بنا۔

(۲) اُسی کی لوریوں سے تیری پرورش کی تکمیل ہُوئی۔ اے ہمارے گھر کی دولت تُو نے اپنی والدہ کی آغوش میں یہ دولت حاصل کی۔

(۳) والدہ کی صحبت میں تو نے لازوال دولت حاصل کر لی۔ اور اسی کے شفقت آثار لبوں سے تو نے کلمۂ توحید سنا۔

اقبال مرحوم جیسا یکتائے روزگار فلسفی اس حقیقت کا اعتراف کر رہا ہے۔ کہ انسانی تربیت و تعلیم میں درسِ اوّلین کا شرف مادرِ مشفق کو حاصل ہوتا ہے۔ اور بچہ اپنی وہبی استعداد کی برکت سے اپنی والدہ سے پڑھا ہوا سبق ہمیشہ یاد رکھتا ہے۔

خیر! حضرت لاہوریؒ ابھی اپنی والدہ ماجدہ سے پڑھ ہی رہے تھے کہ آپ کو ایک مدرسہ میں داخل کرا دیا گیا۔ اُس وقت آپ کی عمر پانچ سال کی تھی۔ یہ مدرسہ قصبہ جلالپور سے تقریباً ایک میل کے فاصلے پر تھا۔ اور وہ جگہ کوٹ سعد اللہ کے نام سے مشہور تھی۔ حضرت قدّس سرّہٗ اپنے ہم مکتب طلبہ کے ہمراہ کوٹ سعد اللہ میں پڑھنے کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔ آپ نے تیسری جماعت تک اُس جگہ تعلیم حاصل کی۔

خوش نصیب ہم مکتب

سب رقیبوں سے ہیں ناخوش، پر زنانِ مصر سے
ہے زلیخا خوش، کہ محوِ ماہِ کنعاں ہو گئیں — مرزا غالب

مرزا غالب دہلوی فرماتے ہیں۔ کہ تمام لوگ اپنے رقیبوں سے حاسدانہ رویہ رکھتے ہیں۔ مگر مائی زلیخا اُن عورتوں پر دل و جان سے خوش ہے۔ جو جمالِ یوسفؑ کو دیکھ کر ہوش و خرد کھو بیٹھی تھیں۔ ہم بھی اس موقعہ پر حضرت مولانا و سیّدنا کی محبت میں سرشار ہو کر اُن کمسن طالب علموں کو ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہیں۔ جو آپ کے ہم مکتب ہونے کا شرف رکھتے تھے۔ وہ کتنی مہینے آپ کے ہمراہ معصومیت کی گھڑیاں گزارتے رہے۔ وہ آپ کے ساتھ پیاری پیاری کھیلوں میں محظوظ ہوتے رہے۔ ہم اُن اساتذۂ کرام کی خدمتِ اقدس میں ہزار ادب سے مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ جن کی نگاہوں نے اس بلند مرتبت جوہر کو راہِ تعلیم

میں مدد دی۔ آج کون ہے جو اُس بے لوث زندگی کی تصویر ہمارے سامنے پیش کرے۔ اور بتائے کہ حضرتؒ کے ابتدائی مربّی آپ کے فرزندانہ اسلوب و اطوار سے کتنے متاثر تھے۔ اور وہ بچہؒ جو سنِ رُشد کو پہنچ کر نصف صدی تک معلم قرآن بن کر پیغامِ ہدایت پیش کرنے والا تھا۔ بچپن میں کس قدر زیادہ پسندیدہ اخلاق سے مُزّین تھا؟ ہم تو پورے وثوق سے کہہ سکتے ہیں۔ کہ اُس وقت بھی آپ کی زندگی اپنے ہم مکتب بھائیوں کے لئے قابلِ تقلید حیثیت رکھتی ہو گی۔

قیام گاہ کی تبدیلی

حضرت اعلیٰ کے پدر بزرگوار شیخ حبیب اللہ مرحوم تجارتی کاروبار کرتے تھے۔ آپ کا کاروبار بابو نامی چک کے ایک قریبی گاؤں میں تھا۔ یہ گاؤں قصبہ جلال ہستے ڈیڑھ میل کے فاصلے پر ہے۔ لہٰذا آپ نے اپنے کاروبار کی سہولت کے پیشِ نظر قصبہ جلال کی بجائے چک نمبر میں رہائش اختیار کر لی۔ اور اپنے اہل و عیال کو وہاں ہی لے گئے۔ اس جگہ آپ کو دوبارہ سکول میں داخل کیا گیا۔ آپ کا موجودہ سکول قصبہ تلونڈی کھجور والی ضلع گوجرانوالہ میں تھا۔ آپ نے پانچویں جماعت تک وہیں تعلیم حاصل کی۔

مکتب سے مسجد کی راہ

وُہ خوش اختر نونہال جس کی پیدائش سے اُس کے والدین نے دینِ متین کی خدمت کے لئے وقف کر رکھا تھا۔ اُس کو سکول میں بھیجنے کا مقصد صرف اُردو میں نوشت و خواند کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ لہٰذا اب وقت آ گیا۔ کہ اللہ عزّ اسمہٗ کے ساتھ کیا ہوا وعدہ اپنی پوری نیاز مندیوں کے ساتھ ایفا کیا جاتا۔ اب حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے والدین نے آپ کو شہر گوجرانوالہ میں ایک درویش صفت بزرگ حضرت مولانا عبد الحقؒ کے پاس بھیج دیا۔ مولانا

موصوف آپؒ کے والد محترم کے مخلص ترین احباب میں سے تھے۔ حضرت لاہوری اپنے اُستادِ اوّل سے انتہا درجے کی محبّت کرتے تھے۔ یہ آپ کی خداداد حُسنِ خرد اور آپ کے فرزندانہ انقیاد کا نتیجہ تھا۔ کہ حضرت مولانا عبدالحق مرحوم آپ کو اپنے صاجزادوں کی طرح شفقت بھری نگاہوں سے دیکھا کرتے تھے۔ نفسیاتی نقطۂ نظر سے یہ امر اس قدر پیچیدہ نہیں ہے۔ کیونکہ بچپن ہی سے خالق اکبر نے آپ کو ایسے وہبی اوصاف سے متّصف کیا تھا۔ جن کی وساطت سے آپ کو مستقبل میں مسندِ رشد و ہدایت عطا ہونے والی تھی۔ اور آپ کی خاموش۔ مؤثّر اور پیغمبرانہ صحبت سے ہزاروں بلکہ لاکھوں کو درسِ ہدیٰ ملنے والا تھا۔ ہم تو اس موقعہ پر حضرتِ اقدسؒ کے عہدِ طفلی کی اُس معصوم داستانِ حیات پر چشم تصوّر سے نگاہ ڈالنا چاہتے ہیں جبکہ آپ مدرسے سے نکل کر ایک نیک سیرت عالمِ ربّانی کی درسگاہ میں تشریف لے گئے۔ آپ کی عمر اُس وقت دس سال کی تھی۔ فطرت کے درخشاں عطیات جو خدائے برتر نے آپ کے دل و دماغ میں ودیعت فرماتے تھے۔ اُن کی نشو و نما کے دن تھے۔ آپ اپنے طالب علمانہ سادہ لباس میں چھوٹے سے قدو قامت کے ساتھ جب اپنے اتالیق کے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ اور حضرت مولانا عبدالحقؒ کے دو صاجزادے محمد اسمٰعیل اور محمد ابراہیم آپ کے ہم مکتب ہونگے۔ تو اُس وقت کی بھولی بھالی عادات۔ اسباق کو یاد کرنے کا انہماک۔ خدمتِ اُستاد کا جذبہ۔ دس سالہ طالب علم کی فطری صلاحیتوں کا ظہور۔ اُستاد کی جوہر شناس نگاہوں کا جائزہ اور جوہرِ قابل کی تربیّت کے قدسی ماحول کو کس کی نظریں بھانپ رہی تھیں۔ جو آج ہم اپنے احباب کے سامنے پیش کریں۔ اُس زندگی کا صحیح عکس کہاں سے حاصل کریں۔ جبکہ قطبِ دوراں بننے والی ہستی کے ہاتھ میں فارسی کی ایک دو بوسیدہ کتابیں تھیں۔ ہاں حضرت لاہوریؒ کا یہ ارشاد کہ میرے اُستادِ مشفق مجھ کو اپنے بچّوں کی طرح اپنے گھر پر رکھا کرتے تھے۔ اُس زندگی کی ایک جامع مگر مختصر تصویر ضرور پیش کرتا ہے۔ ہر جگہ ایسا ہی ہوا ہے۔ اگر ہم خود اپنی اولاد میں بھی فرمانبرداری کے آثار نہ پائیں۔ تو اُن سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔ اور اگر شاگردوں میں سے کسی میں خدمت کا مادہ دیکھیں۔ تو اُس سے محبّت سے پیش آتے ہیں۔ لہٰذا اسی طرح حضرتؒ والا کی خدائی قوتوں

نے عین کمسنی میں بھی آپ کی دستگیری فرمائی۔ اور آپ کے لئے آپ کے والدِ رُوحانی کی آغوش کو ہمیشہ کھلا رکھا۔ حضرت مولانا عبدالحق اپنے ہونہار رُوحانی فرزند کو اپنا تیسرا بیٹا خیال فرماتے تھے۔ اور یہ سعید گھڑیاں اس طرح گزرتی گئیں۔ آپ آٹھویں دن اپنے والدین کو ملنے کے لئے گھر واپس آیا کرتے تھے۔

امامِ انقلاب حضرت مولانا عبید اللہ سندھی کے حضور میں

ہمارے آقائے رُوحانی نے گوجرانوالہ میں ابھی چند مہینے ہی گزارے تھے کہ حضرت مولانا عبید اللہ سندھی وہاں تشریف لاتے۔ آپ کے والد محترم شیخ حبیب اللہ حضرت مولانا سندھی کے قریبی رشتہ دار تھے۔ لہٰذا آپ کے والد ماجد نے آپ کو حضرت سندھی کے سپرد کر دیا۔ اور یہ الفاظ فرمائے۔ "کہ ہم نے یہ لڑکا دینِ اسلام کی خدمت کے لئے وقف کر رکھا ہے" اب آپ کو حضرت سندھی نے اپنی شاگردی میں قبول فرما لیا۔

توقف

دورِ حاضرہ کے سب سے بڑے مفکر علامہ ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم نے فرنگی تہذیب و تمدن اور تعلیم و تربیت کے زہریلے اثرات کا یوں ذکر کیا ہے

گلا تو گھونٹ دیا اہلِ مدرسہ نے تیرا
کہاں سے آئے صدا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ

ہر بچہ فطرتاً اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ لیکن وہ بچہ جس کا جنم کسی مسلمان گھرانے میں ہو اُس کے کان میں یقیناً پہلے دن ہی کلمۂ شہادت کی آواز آتی ہے۔ چند سالوں کے بعد اسلام کی بعض ابتدائی چیزیں اور بھی اخذ کر لیتا ہے۔ مگر جب وہ سکول میں جاتا ہے اور وہاں سے کالج کی راہ لیتا ہے۔ تو بے دینی کے اثرات آہستہ آہستہ اُس کی رُوح کو مکدّر کر دیتے ہیں حتیٰ کہ

دینِ اسلام کے حقائق سے وہ کلیتہً بیگانہ ہو جاتا ہے۔

شکایت ہے مجھے یارب خداوندانِ مکتب سے
کہ دیتے ہیں سبق شاہیں بچوں کو خاک بازی کا

اِن اشعار میں اِس حقیقت کو اُجاگر کیا گیا ہے۔ کہ تربیت سے خُداداد صلاحیتوں پر غیر شعوری طور پر اثر پڑتا ہے۔ اور بچّے میں اثر پذیری کا مادہ نمایاں طور پر موجود ہوتا ہے۔ چنانچہ وُہ بُرے ماحول میں بُرا اور اچھے ماحول میں اکثر اوقات اچھا ہو جاتا ہے۔ ہم کو اس مسئلہ کے پیشِ نظر حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی ابتدائی زندگی پر غور کرنا ہے۔

حضرت سندھیؒ جو اپنے وقت کے امامِ انقلاب تھے اور اُنھوں نے اسلام سے باقی اوصاف کے علاوہ انگریز دشمنی کا جذبہ بدرجہ اتم حاصل کیا ہُوا تھا۔ اُن کے حلقہ اثر میں رہ کر ایک ہونہار بچہ کیا کچھ نہیں بن جاتا۔ باپ کی بیباکانہ زندگی اگر کسی بچّے کو مجاہد بننے میں مدد دیتی ہے۔ تو اس طرح حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ کی انگریز دشمنی نے ہمارے مربّی و محسن کو ایّامِ تربیت سے لے کر تازیست انگریزوں سے اس قدر نفور کر دیا تھا۔ اور انگریزی تہذیب سے اس درجہ دُور کر دیا تھا۔ کہ جس کی مثال ڈھونڈھے سے نہیں ملتی ہے۔ امامِ انقلابؒ کے مکتب کا درسِ حرّیت حضرت لاہوریؒ کی زندگی کا ایک ہمہ گیر جذبہ بن گیا۔ اور ہم نے دیکھا کہ وُہ مسندِ رشد و ہدایت پر بیٹھے بیٹھے عین پیرانہ سالی میں بھی جب انگریزی تہذیب کے خلاف زبان کھولتے تھے تو یوں معلوم ہوتا تھا کہ کوئی خالدِ وقت یا فاروقِ دوراں ہے۔ جو تمام دُنیا کی ابلیسی طاقتوں کو چیلنج دے رہا ہے۔ وہ لوگ جن کو آپ کے ساتھ صحبت کا شرف حاصل ہُوا۔ اُن سے آپ کی حریت نواز فطرت، خطر پسند طبیعت، بیباک جذبہ صداقت اور شانِ غیورانہ للّٰہیت کی کیفیت کا حال پوچھیے تو وہ آپ کا ذکرِ خیر سن کر بھی نہایت حسرت سے آبدیدہ ہو کر پکار اٹھیں گے۔

مردِ حُرّ محکم ز وردِ لا تخف
ما بمیداں سر بجیب او سر بکف

مردِ حُر چوں اُشتراں بارے بُرد
مردِ حُر بارے بُرد خارے بُرد
ما کلیسا دوست - ما مسجد فروش
او ز دستِ مصطفےٰ پیمانہ نوش (اقبال مرحوم)

ہم انشاء اللہ کسی اور موقعہ پر اس موضوع پر چند واقعات حوالۂ قلم کریں گے۔ اب مندرجہ بالا اشعار کا ترجمہ لکھتے ہیں۔

(۱) جذبۂ حُریّت سے سرشار انسان غیر اللہ سے خائف نہیں ہوتا۔ ہم مصائب میں گھبرا جاتے ہیں۔ لیکن وہ ہر وقت سرفروشی کے لئے تیار رہتا ہے۔

(۲) جیسے لق و دق صحرا میں اُونٹ بوجھ اُٹھا کر بے آب و گیاہ سفر کی صعوبتیں برداشت کرتا ہے۔ اسی طرح آزاد انسان ملک و دین کی خدمت کے لئے ہر قسم کی قربانی پیش کرنے کو مستعد رہتا ہے۔

(۳) ہم غیروں کی تہذیب کے دلدادہ ہیں۔ اور اپنی تہذیب سے نفور ہیں لیکن اُس کی خوش نصیبی کا کیا کہنا۔ وہ اپنی زندگی کو اسوۂ نبویؐ کے تابع کر چکا ہے۔ لہٰذا کامرانی ہر موقعہ پر اُس کے قدم چُومتی ہے۔

حضرت لاہوریؒ حضرتِ اعلیٰ مولانا غلام محمد رحمہ اللہ کے حضور میں

ایں سعادت بزورِ بازو نیست تا نبخشد خدائے بخشندہ

نبوّت و رسالت ایک عطیۂ الٰہی ہے۔ اس کمال کے حصول میں کسبیات کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ مگر خود انبیاء کرام کی زندگی کا تعلق کسبیّات سے ہوتا ہے۔ معجزات قدرتِ ایزدی ہیں۔ مگر پیغمبرِ خُدا کا ہر سانس بفضلہٖ تعالےٰ معجزہ سے کم نہیں ہوتا۔ گویا اس زندگی کا ہر لمحہ قدرتِ خداوندی پر ایک حُجّت و دلیل کے مترادف ہے۔ قدرت کی قوّتِ فعّال نے نبوّت و

رسالت کو ظاہر کیا۔ تو نبوّت و رسالت کی عزمتوں نے قلوب و ارواح کے ریگستانوں کو لالہ زاروں سے بدل دیا۔ کفر و الحاد کی تاریکیاں کافور ہو گئیں۔ اور اللہ تعالےٰ کی بستیوں پر نور توحید جلوہ گری کرنے لگا۔ اسی طرح اور عین اسی طرح ولایت کی تفویض کے لئے بھی خداوند عالم ہی جانتا ہے۔ کہ کونسی برگزیدہ ہستی اس نعمت عظمٰی کے قابل ہے۔ اور خلق خدا کو اس کی رہنمائی میں کیا کچھ عطا ہونیوالا ہے۔ اگرچہ مذکورہ بالا افضال روحانیہ اور اکرام قدسیہ خدا تعالےٰ کی رحمت واسعہ سے متعلق ہیں لیکن اس نے قرآن عزیز میں چند قوانین و سنن کا ذکر کیا ہے۔ اور ساتھ ہی اعلان فرمایا ہے۔ کہ وَلَن تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيلًا (سنّت اللہ میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ وہ ہمیشہ ایک ہی طریق پر جاری و ساری ہے)

ارشاد خداوندی ہے۔ اور اس پر غور کرنے سے اس امر کی وضاحت ہوتی ہے کہ انبیاء کرام کی اولاد میں اگر عبادت الٰہی میں تساہل اور لذات دنیوی کی پیروی کا مرض پیدا ہو جائے۔ تو اُن کا انجام کس قدر ہلاکت ہوتا ہے۔ فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا (پھر اُن کی جگہ ناخلف آئے۔ اُنہوں نے نمازوں کو ضائع کیا۔ اور خواہشات نفسانی کے پیچھے پڑ گئے۔ جس کے نتیجے میں اُن کو جہنم کے نالہ غیّ میں ڈالا جائے گا)

یہ وہ پاداش ہے جس کا تعلق انسان کی اپنی بداعمالیوں سے ہے۔ حسب و نسب کے فیوضات اس موقعہ پر سودمند نہیں ہوتے۔ اور ان کی قسمت کی وضاحت اس مصرعہ میں موجود ہے۔ ع

وہ جن کو ڈوبنا ہے، ڈوب جاتے ہیں سفینوں میں

سیّدنا نوح علیہ السلام کی رسالت کے انوار ساڑھے نو سو برس تک چمکے۔ اور اُن کی پیغمبرانہ وجاہت سے جن کو متاثر ہونا تھا۔ ہوئے۔ مگر آپ کی اہلیہ اور بیٹا آپ کی برسوں کی مشفقانہ تبلیغ سے متمتع نہ ہو سکے۔ اور انجام کار عذاب الٰہی کی طوفانی موجوں نے اُن کو یوں ڈبو دیا۔

کہ جہنم کے قعروں میں جا کر سر نکالا۔ منصب رسالت کے اعزاز ہوں کہ ولایت کے اکرام ہوں، سب کا تعلق فضلِ خداوندی سے ہے۔ وہ جب کسی کا انتخاب کرتا ہے تو اس کو اپنے الطاف خسروانہ کا ظہور مقصود ہوتا ہے۔ سیدنا آدم علیہ السلام۔ نوح علیہ السلام۔ آل ابراہیم اور آل عمران کے متعلق قرآنِ عزیز کا اعلان سُنیے۔ یہ اجتبائی مجد و شرف اور یہ اصطفائی عظمت و فضیلت محض خدائے ذوالمنن کی دین نہیں ہے تو اور کیا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰٓی اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰھِیْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ○

سورہ آل عمران رکوع ۱۱ پارہ ۳

(بیشک پروردگار عالم نے حضرت آدم اور نوح علیہما السلام اور آل ابراہیم اور آل عمران کو تمام مخلوقات میں سے زیادہ پسند فرمایا) یہ نبوت و رسالت کے وہبی انعامات کا تذکرہ تھا۔ اب قرآن حکیم کی روشنی میں ولایت کبریٰ کی انتخابی شان ملاحظہ ہو۔ وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِکَۃُ یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰکِ وَطَھَّرَکِ وَاصْطَفٰکِ عَلٰی نِسَآءِ الْعٰلَمِیْنَ ○ (اور جب فرشتوں نے حضرت مریم کو مخاطب کر کے کہا۔ بیشک اللہ تعالےٰ نے تیرا انتخاب کر لیا ہے تجھ کو پاکیزہ فطرت بنایا ہے۔ اور تمام جہانوں کی عورتوں سے تجھ کو زیادہ پسندیدہ صفات کا حامل بنایا ہے) آیاتِ بالا اس حقیقت پہ شاہد ہیں کہ خالق اکبر جب ولایتِ کبریٰ کی نعمتوں کی تقسیم فرماتا ہے تو نبوت و رسالت کی طرح یہاں بھی اپنی ہی قدرتِ کاملہ کا ظہور مقصود ہوتا ہے

اب مذکورہ بالا قرآنی نظائر کے پیشِ نظر ہم حضرت لاہوریؒ نور اللہ مرقدہٗ کی رُوحانی تربیت کے ابتدائی مدارج پہ غور کرتے ہیں۔ تو بے ساختہ یہ آیت زبان پر آتی ہے۔ کہ اِنَّ اللّٰہَ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ (اللہ تعالےٰ جس کو چاہے بلا حساب رزق عطا فرماتا ہے) ہم تو ہمہ اللہ تعالےٰ کی عنایاتِ خفیہ پر جب نگاہ کرتے ہیں تو احسانمندی کے نشے میں جھومنے لگتے ہیں حضرت اقدس کا لڑکپن میں ہی ایک عارف باللہ کی صحبت میں جانا تائید غیبی نہیں تو اور کیا ہے؟ امام الاتقیاء حضرت مولانا غلام محمد رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے شعیبؑ تھے۔

جن کی صحبت میں اس وقت کے موحنی کو اپنے تربیت کے ایّام بسر کرنے ضروری تھے تاکہ مستقبل میں اس کو کلیمی کا خلعتِ فاخرہ پہنایا جا سکے۔

ہمارے مربی حضرت شیخ التفسیر حضرت اعلیٰ پیر کامل ہادیِ دوراں پیکرِ حسن عمل سیدنا غلام محمد دین پوری کے مکتبِ معرفت میں کیا گئے۔ انہوں نے تو وہاں ہدایت و معرفت کا ایک دائمی سرچشمہ پا لیا۔ گویا آج ضَرَبَ یَضْرِبُ ضَرْبًا کے ساتھ ولایت کا پہلا سبق بھی پڑھا۔ آج عالمِ سفلی کے مسافر کو وثیابک فَطَھِّر کا حکم ملا۔ تاکہ عالمِ علوی کی تیاری میں مصروف ہو جائے۔ لہٰذا وہ جوہر قابل جس نے شکمِ مادر سے معصومیت کا ورثہ پایا تھا۔ مجاہدہ کی کٹھالی میں چند دن رہ کر اور بالآخر کندن بن کر ایسا دمکنے لگا کہ جس جس کی نگاہ پڑی پکار اٹھا۔ بارک اللہ! سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کی ولایت پر بنی اسرائیل کی نبوت کا گمان غالب ہو رہا ہے۔ کیوں نہ ہوتا؟ جوہر میں فطری صلاحیت موجود تھی۔ اور جوہری کے مشاق ہاتھوں نے اس کو اس قدر چمکا دیا تھا کہ ہوش و خرد کے پیمانے اس کی جانچ پڑتال سے قاصر تھے۔

دمِ عارف نسیمِ صبحدم ہے
اسی سے ریشۂ معنیٰ میں نم ہے
اگر کوئی شعیبؑ آئے میسّر
شبانی سے کلیمی دو قدم ہے (اقبالؒ مرحوم)

دراصل عالمِ اسباب کے مالک نے اس نظام کو اس طرح چلایا۔ کہ حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ ان دنوں مرکزِ ہدایت امروٹ شریف ضلع سکھر میں قیام پذیر تھے۔ وہ حضرت لاہوریؒ کو اپنی معیت میں لے کر سندھ روانہ ہو گئے۔ راستے میں بہاول پور سے گذرنا ضروری تھا۔ ریلوے اسٹیشن خان پور سے تقریباً دو میل کے فاصلے پر دین پور شریف ایک چھوٹی سی بستی ہے۔ اس بستی میں حضرت سندھی کے خضرِ طریقت حضرت مولانا غلام محمد رحمۃ اللہ علیہ

رہائش پذیر تھے۔ یہ بستی دراصل حضرت ممدوح کی مسجد کی وجہ سے ہی مشہور تھی۔ کیونکہ حضرت اعلیٰؒ کی قیام گاہ کے سوا وہاں کوئی چیز بھی قابلِ ذکر نہیں تھی۔ حضرت سندھیؒ اپنے شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی قدم بوسی کا شرف حاصل کرنے کے لئے دین پور شریف حاضر ہوتے۔ اور وہاں دو دن ٹھہرے۔ حضرت لاہوریؒ جو طفلِ مکتب کی صورت میں ہمراہ تھے۔ آج زندگی کے ایک نئے میدان میں قدم رکھ رہے تھے۔ آپ کی زندگی کا ستارہ بلندی پر تھا۔ حضرت سندھیؒ نے آپ کو حضرت اعلیٰ کے حضور میں بیعت کے لئے پیش کیا۔ تو جنیدِ دوراں نے آپ کو اپنے حلقۂ رشد و ہدایت میں داخل فرما لیا۔ اُس ساعت کی برکات کا کیا کہنا؟ زمانے بھر کی بے بدل ہستی ایک بچے کو عارفانہ نگاہوں سے جانچ رہی ہے۔ اور اپنی آغوشِ ولایت میں جگہ دے رہی ہے۔

ع تیری غلامی کے صدقے ہزار آزادی

بعد ازاں حضرت سندھی رحمۃ اللہ علیہ آپ کو امروٹ شریف لے گئے۔ حضرت سندھیؒ کے اہل و عیال بھی وہاں تھے۔ کیونکہ اُس جگہ کوئی دینی درس گاہ نہیں تھی لہٰذا حضرت سندھیؒ نے خود ہی حضرت لاہوریؒ کو فارسی اور صرف و نحو کی تعلیم دینا شروع کر دیا۔

امروٹ شریف میں حضرت سندھیؒ کے قیام کے وجوہات

امروٹ شریف ضلع سکھر صوبہ سندھ میں اُن دنوں عالمِ اجل، عارفِ اکمل، مجاہدِ کبیر، مستجاب الدعوات حضرت تاج محمود رحمۃ اللہ علیہ جلوہ افروز تھے۔ آپ ہر وقت جذبۂ جہاد سے سرشار رہتے تھے۔ آپ سرخیلِ اولیائے کرام بھی تھے۔ اور غازی جانباز بھی تھے۔ آپ کا تعارف علامہ اقبال مرحوم کے ان اشعار سے قدرے کروایا جا سکتا ہے ؎

آنکہ بخشد بے یقیناں را یقیں — آنکہ لرزد از سجودِ او زمیں
آنکہ زیرِ تیغ گوید لَا اِلٰہ — آنکہ از خونش بروید لَا اِلٰہ

ترجمہ: (جن کی صحبت ناقصوں کو دولتِ یقین عطا کرتی ہے۔ جس کے مخلصانہ سجود سے

زمین میں کپکپی پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ تیغ ستم کے نیچے بھی کلمۂ توحید پیش کرتا ہے۔ اور یہ وہ مجاہد ہے جس کے خون کے ٹپکنے سے بھی لاالہ الا اللہ کی کھیتی سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے) یا یوں سمجھئے کہ سیدنا تاج محمود امروٹی مرحوم کے متعلق بہزار عقیدت سے یہ کہا جا سکتا ہے۔

خاکی و از نوریاں پاکیزہ تر
از مقام فقر و شاہی باخبر
بندۂ حق وارث پیغمبراں
او نگنجد در جہانِ دیگراں

آپ جب تک جئے۔ مجاہد فی سبیل اللہ بن کر جئے۔ آپ کے شیخ طریقت حضرت حافظ محمد صدیقؒ تھے۔ جو بھرچونڈی سے متعلق تھے۔ بھرچونڈی شریف کراچی ریلوے اسٹیشن خیرپور دھرکی سے قریباً دو میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے بچپن میں حضرت حافظ محمد صدیق مرحوم کے دستِ اقدس پر بیعت کی تھی۔ اور انہی کے ہاتھوں پر اسلام بھی قبول کیا تھا۔ اور اس کے بعد دارالعلوم دیوبند میں دینی تعلیم حاصل کرنے کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ آخر جب آپ (حضرت سندھیؒ) مدرسہ دیوبند سے سند فراغت لے کر واپس پہنچے۔ تو بھرچونڈی میں حاضر ہونے سے دس گیارہ دن پہلے بایزیدِ دوراںؒ حضرت حافظ محمد صدیق رحمۃ اللہ علیہ داعیِ اجل کو لبیک کہہ چکے تھے۔ اِنّا للہ وَ اِنّا الیہ راجعون۔

اب حضرت مولانا تاج محمود نور اللہ مرقدہٗ نے حضرت سندھی کی علمی قابلیت۔ للّٰہیت اور مخلصانہ جذبۂ خدمتِ دین دیکھا۔ اور علاوہ ازیں ان کو اپنے شیخ کامل (حضرت حافظ محمد صدیق رحمۃ اللہ علیہ) کے متعلقین میں سے خیال فرما کر دعوت دی۔ کہ وہ امروٹ شریف کو اپنی مستقل قیامگاہ بنائیں۔ حضرت سندھیؒ نے حضرت امروٹی کے اس ارشاد کو بسر و چشم قبول کیا۔ اور امروٹ شریف میں رہائش پذیر ہو گئے۔

حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ کی شادی خانہ آبادی

شاہا نظر کرم کی جس ذرہ پہ ذری ہو
وہ آسماں پہ جاکر خورشید خاوری ہو

مولانا سندھیؒ کی علمی استعداد اور عملی کمالات نے حضرت امروٹی مرحوم کی عارفانہ نگاہوں سے اس قدر فیوض و برکات حاصل کئے۔ کہ خود ان کی نظروں میں محبوب بن گئے۔ چنانچہ حضرت امروٹیؒ نے اپنی پدرانہ شفقت سے حضرت سندھیؒ کو دامادی کا شرف عطا فرمایا۔ اور آپ کی زندگی کے تمام مصارف کی ذمہ داری بھی خود لے لی۔

نوٹ! حضرت سندھیؒ کے ان حالات کا تذکرہ (مذکورہ بالا تذکرہ) حضرت مولانا لاہوریؒ کو اپنے ہمراہ سندھ لے جانے سے پہلے کا ہے۔

دین پوری سالک کا راہ قطبیت پر پہلا قدم

حضرت لاہوریؒ کی عمر تقریباً دس سال تھی۔ جب آپ حضرت سندھیؒ کی معیت میں امروٹ شریف پہنچے۔ حضرت لاہوری بطور طالب علم پانچ سال تک امروٹ شریف میں رہے۔ حضرت سندھیؒ کی وساطت نے حضرت امروٹیؒ کی عارفانہ نگاہوں کو حضرت لاہوریؒ کی تربیت کی طرف منعطف کر دیا۔ اگرچہ آپ کی خورد و نوش کا انتظام حضرت سندھیؒ کے گھر میں تھا مگر پھر بھی حضرت امروٹیؒ مرحوم نے لنگر کے منتظم اور حرم سرا کی خادمہ کو تاکیداً فرما دیا تھا۔ کہ ہمارے عزیز احمد علی کو جب چیز کی ضرورت ہو مطالبہ پر فوراً پیش کی جائے۔

ہم تو مائل بہ کرم ہیں، کوئی سائل ہی نہیں
راہ دکھلائیں کسے؟ راہرو منزل ہی نہیں
تربیت عام تو ہے، جوہر قابل ہی نہیں
جس سے تعمیر ہو، آدم کی یہ وہ گل ہی نہیں

کوئی قابل ہو، تو ہم شان کئی دیتے ہیں
ڈھونڈھنے والوں کو دُنیا بھی نئی دیتے ہیں

حضرت امروٹی رحمۃ اللہ علیہ کی مربیانہ کرم فرمائیوں نے وہی کیا۔ جس کے اصل نقشے حضرت زیدؓ کی مبارک کمسنی میں نظر آتے ہیں۔ حضرت زیدؓ نے امام الانبیاء صلّی اللہ علیہ وسلّم کی صحبت میں رہ کر رافت و رحمت کا وُہ منظر دیکھا تھا۔ اور آپ کی رُوح پاک نے عشق و محبّت کا وہ سرور حاصل کیا تھا کہ جب آپ کے والد اور ماموں نے حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر واپسی کا مطالبہ کیا۔ تو حضورِ پُر نُور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت زیدؓ کو اختیار دے دیا۔ کہ وہ جانا چاہیں تو میری طرف سے اجازت ہے۔ لیکن ساتھ ہی حضرت زیدؓ کو مخاطب کر کے یہ بھی فرما دیا۔ کہ زیدؓ! میرا بھی خیال رہے۔" تاریخ اسلام شاہد ہے۔ اور دَورِ نبویؐ میں عشقِ رسول اللہ کا یہ نمایاں واقعہ ہے۔ کہ حضور اکرمؐ کی شفقت کے آفتاب نے خون کے رشتے کے چراغوں کی روشنی کو یکسر مات کر دیا۔ اور حضرت زیدؓ اپنے باپ اور ماموں کو پہچان کر بلا تامّل پکار اُٹھے۔ کہ اے آقائے انس و جاں! میں جانتا ہوں۔ کہ یہ میرا باپ ہے۔ اور یہ میرا ماموں ہے۔ مگر آپ کی رفاقت میں میری رُوح کو جن فردوسی بہاروں سے آشنائی حاصل ہوتی ہے۔ میں اُن کے کانٹوں کو خون کے رشتے کی بہاروں کے پھولوں پر ترجیح دیتا ہوں۔ میرے مربی و محسن! میں آپ کے قدوم میمنت لزوم کو چھوڑ کر اپنے باپ اور ماموں کے ہمراہ جانے کے لئے تیار نہیں ہوں اور نہیں ہوں گا۔ ساجن سے جدا ہو کر جینا کوئی جینا ہے؟

سبحان اللہ! حضرت زیدؓ نے کمسنی میں ہی نبوّت کے انوار کو قریب سے دیکھا۔ اشرف الانبیاء صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے دروازے کے سوکھے ٹکڑوں کو والدین کے گھر کی نعمتوں پر ترجیح دی۔ عیش چند روزہ کو چھوڑا۔ اور ابدی سرور میں محو ہو گئے۔ اُس وقت سرکار دو عالم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت زیدؓ کو سینے سے لگایا۔ اور آسمان سے آواز آئی۔ اے زیدؓ!

کی محمدؐ سے وفا تُو نے تو ہم تیرے ہیں ۔۔۔ یہ جہاں چیز ہے کیا، لوح و قلم تیرے ہیں

سیدالکونینؐ کے لاکھوں صحابہؓ کرام ہیں۔ مگر ایک حضرت زیدؓ ہیں جن کا نام قرآنِ عزیز کے قدسی اوراق میں کندہ نظر آتا ہے۔ اور قیامت تک ارب ہا قاریوں کی زبان پر جاری وساری رہے گا۔ معلوم ہُوا کہ جس کی شان میں "وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ" آیا ہے۔ اُس کے غلاموں کو بھی اس ابدی سعادت میں حصّہ دیا جاتا ہے۔

شفقت کی نگاہیں دلوں میں محبت کے جذبات پیدا کر سکتی ہیں۔ اور اللہ والوں کی مخلصانہ مروّت تو انبیاء کرام کی شفقت کے مشابہ ہوتی ہے۔ اور یہی وہ چیز ہے جس کے حاصل ہونے کے بعد انسان والہانہ پکار اُٹھتا ہے۔

سب کچھ خُدا سے مانگ لیا تجھ کو مانگ کر
اُٹھتے نہیں ہیں ہاتھ میرے اس دُعا کے بعد

حضرت انس رضی اللہ تعالٰے عنہ نے رحمۃ اللعالمین صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی نورانی صحبت میں دس سال گزارے۔ اور تادمِ واپسیں محبت کی اُن قدسی گھڑیوں کو فراموش نہ کر سکے

ع کیسا وہ خواب تھا۔ کہ ابھی تک ہوں خواب میں

حقیقت تو یہ ہے کہ پیغمبروں کی شفقت ماں کی ممتا سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ اور اولیاء کرام کی محبت بھری صحبت میں خُدائے قدوس کی قسم وُہ سرور ہے کہ جس کے بیان کے لئے مجھ احقر الانام کے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ احقر نے پندرہ سال تک سیّدی وآقائی حضرت شیخ التفسیر کے ولایت آثار بُشریٰ کی زیارت کی ہے۔ مگر آج اُن کی جدائی میں زندگی بے رُوح ہو کر رہ گئی ہے۔ اور فقط میری ہی یہ حالت نہیں ہے۔ بلکہ لاکھوں بیتاب رُوحیں آپ کی فرقت میں تڑپ رہی ہیں۔ ہائے واحسرتا! وامصیبتا!

دل وہ کیا جس کو نہیں تیری تمنائے وصال
آنکھ وہ کیا؟ جس کو تیری دید کی حسرت نہیں ذوقؔ

خیر! ہم تو بیان کر رہے تھے۔ کہ حضرت لاہوریؒ مرحوم اپنے والد رُوحانی کے سایۂ عاطفت

میں ایّامِ طفولیّت بسر کرتے تھے۔ تو اُنہی حُجروں میں فرشتگانِ قضا و قدر آپ کے لئے قطبیّت کا خلعت مرصّع تیار کر رہے تھے۔ دُنیا والو! یقین کیجئے۔ کہ اللہ والوں کی سرسری التفات سے بھی دلوں کی سُونی بستیاں پھر سے آباد ہو جاتی ہیں۔

پرورش دل کی اگر مدّنظر ہے تجھ کو
مردِ مومن کی نگاہِ غلط انداز ہے۔ بس
اقبالؔ مرحوم

حضرت شیخ التفسیرؒ بار بار اپنی محفلوں میں فرمایا کرتے تھے کہ میری بیعت کے بعد میرے روحانی مربّی چالیس سال تک زندہ رہے اور جب میں حضرت امروٹیؒ کی بارگاہ ولایت میں حاضر ہوتا، تو آپ بے حد مسرور ہوتے۔ اور بار بار خیر و عافیت پوچھا کرتے تھے اور نہایت درجے کی شفقت فرمایا کرتے تھے۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میرے دو مربّی تھے میں جس کے پاس جاتا تھا۔ وہ ہر بار میرے کاسۂ گدائی میں کچھ نہ کچھ ڈال دیتا تھا۔ اور وہ لوگ جو اس کوچہ کے راہ نورد ہیں۔ اُن کا تو یہ بھی کہنا ہے۔ ؎

دل میں سما گئی ہیں، قیامت کی شوخیاں
دو چار دن رہا تھا کسی کی نگاہ میں

حضرتؒ عین پیرانہ سالی میں بھی جب اپنے حضراتِ طریقت کا ذکر فرماتے تو یوں معلوم ہوتا جیسے کسی خوش نصیب کو جنّتِ فردوس کے داخلے کی بشارت مل رہی ہے۔

تاثیرِ محبّت

ع ناقصاں را پیر کامل۔ کاملاں را رہنما!

حضرت قدّس سرہٗ کی حیاتِ طیّبہ لاکھوں نفوس کی فدائیت کا مرکز بنی ہوئی تھی۔ اور ایسی جاذب شخصیتوں کا وجود قدرت کی حکیمانہ کارروائیوں کا نتیجہ ہوتا ہے۔ ہم نے سابقہ سطور کے لکھنے سے پہلے "دین پوری سالک کا راہِ قطبیّت پر پہلا قدم" عنوان قائم کیا ہے۔

ہم کو اس موقعہ پر ایک شُبہ کا ازالہ کرنا ہے۔ تا کہ کوئی کم ظرف اس کتاب کی کسی پیش کردہ حقیقت پر یہ کہہ کر ناک بھویں نہ چڑھائے کہ بعض مقامات پر مصنّف نے صرف فرطِ عقیدت سے کام لیا ہے۔ حضرت لاہوریؒ کا دس سال کی قلیل عمر میں حضرت امرویؒ کی خدمت میں رہ کر رُوحانی طور پر مستفیض ہونا غیر ممکن ہے۔ کیونکہ عمر کے اس (STAGE) درجے پر شعور میں پختگی نہیں ہوتی۔ عالیجاہ! مکّہ معظّمہ کے آس بھرے ہوئے گروہ میں جب ایک پتلی پتلی ٹانگوں والے دس سالہ لڑکے نے کھڑے ہو کر اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِؐ کہا تھا۔ تو آقائے انس و جاں صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے چچا ابو طالب کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ آج کے بعد اس بچّے (علیؓ) سے مشورہ لے کر کام کیا کیجئے۔ جس کے نتیجے میں حاضرین نے قہقہہ مارا کہ قوم کے بزرگ ایک کمسن لڑکے کے مشورے پر چلا کریں۔ یہ کہاں کی دانشمندی ہے۔ مگر ان کور باطنوں کو کیا خبر تھی کہ سیّدؐ اولادِ آدم اُسی یکتائے روزگار لڑکے کے حق میں مستقبل قریب میں فرمانے والے تھے۔ کہ "میں علم کا شہر ہوں اور علیؓ اُس کا دروازہ ہیں۔"

حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی نگاہوں نے کسی کو فقیہہ۔ کسی کو محدّث۔ کسی کو خطیب۔ کسی کو حبر الامت۔ کسی کو امین الامت اور کسی کو سیف اللہ بنا دیا تھا۔ کمسن بچے علوم و معارف کے حصول میں اور ضعیف و ناتواں بوڑھے جذبہ جہاد سے سرشار ہو کر میدان میں آجاتے تھے۔ حضرت امام حسنؓ اور سیّد الساداتؓ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایات منقول ہیں۔ حالانکہ ان دونوں صاحبزادگان کی عمر یں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت سات اور چھ سال کے لگ بھگ تھیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے بچپن میں قرآن پاک حفظ کیا۔ اور جب تیرہ سال کے ہوئے تو رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم دُنیا سے کوچ فرما گئے۔ لیکن حضرت ابن عباسؓ کا قرآن فہمی میں اس قدر بلند مرتبہ تھا کہ آپ امام تفسیر تھے۔ اصحابہ کرام کے حالات اور باقی صالحین اُمت کی سیرتوں میں سینکڑوں ایسی مثالیں مل سکتی ہیں۔ کہ ان

لوگوں نے کمسنی میں ہی علمی اور عملی کمالات حاصل کر لئے۔ لہٰذا تاریخی شواہد کی روشنی میں حضرت لاہوریؒ کا ایک شمس العارفین کی صحبت میں رہ کر کسبِ فیض کرنا بعید از قیاس نہیں ہے بلکہ سابقہ ہزاروں واقعات کی ایک کڑی ہے۔ اب اس موضوع کے پیشِ نظر ایک چھوٹا سا واقعہ اس جگہ نقل کرنا طوالت کا باعث نہیں ہوگا حضرت لاہوریؒ کی زندگی ہزاروں رحمتوں کی آئینہ دار تھی۔ آپ کی زندگی کے تمام لمحات انوار و فیوض سے معمور تھے۔ احقر تو اپنے احساسات کے متعلق جانتا ہے، کہ جب حجرہ مبارک میں باریابی کا شرف نصیب ہوتا۔ تو باہر نکلتے ہوتے۔ دل میں ایک حسرت رہ جاتی۔ کہ مجھ گنہگار نے اپنے محسن و مربّی پر اپنی جان کو کیوں قربان نہ کر دیا۔ میں تو لذّت چشیدہ تھا۔ مگر میرا کمسن بچّہ امین الدین جس کی عمر اُس وقت تقریباً سات سال کی ہوگی۔ ایک دن حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے حُجرے میں حضرتؒ کی عدم موجودگی میں مجھ سے کچھ کہنے لگا۔ کہ ابّا جی۔ بابا جی تو ہم کو اپنی جان سے بھی زیادہ پیارے ہیں۔ مَیں نے ارادۃً سکوت اختیار کیا۔ تو امین الدین دوبارہ کہنے لگا۔ کہ "ابّا جی! بابا جی تو ہم کو اپنی جان سے بھی زیادہ پیارے ہیں" اب مَیں نے اس کی تائید میں کہا۔ کہ ہاں بیٹا! بابا جی ہم کو تو اپنی جان سے بھی زیادہ پیارے ہیں۔

انبیاء کرام اور اولیاء کرام کے حلقۂ اثر کے متعلق گفتگو ہو رہی ہے۔ ان مبارک ہستیوں کی صحبت میں سحرِ حلال قلوب و ارواح کو مسحور کرتا ہے۔ ہر کہ و مہ اور ہر مرد و زن بلکہ وحوش و طیور پر بھی ان لوگوں کا اثر ہوتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق میں استنِ حنانہ کا رونا جس کو مولانا رومؒ نے اس شعر میں پیش کیا ہے۔ ہمارے دعوے کی تائید میں ایک بے مثل ثبوت ہے۔ ؎

استنِ حنانہ از ہجرِ رسولؐ
نالہ مے زد ہمچو مردانِ عقول

آپ نے حجۃ الوداع پر ذبح کرنے کے لئے چھُری پکڑی تھی۔ تو اُونٹ گردنیں

بڑھا بڑھا کر اپنی متاعِ جان کو پیش کر رہے تھے۔

حضرت امام شعرانیؒ فرماتے ہیں۔ کہ جب حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ بیمار ہوئے۔ تو بہت سے جانور آپ کی عیادت کے لئے دروازے اور گلیوں میں جمع ہو گئے۔

حضرت سندھیؒ کی امروٹ شریف سے روانگی

حضرت لاہوریؒ امروٹ شریف کے قیام میں حضرت سندھیؒ سے فارسی عربی صرف، نحو اور منطق کی کتابیں پڑھا کرتے تھے۔

حضرت امروٹیؒ کے زیر تربیت اللہ اللہ کرنے والوں کی جماعت تھی۔ اُن کی زندگی اور اصحابِ صُفّہ کی زندگی میں بڑی حد تک مشابہت پائی جاتی تھی۔ لنگر میں جو کچھ اللہ تعالےٰ بھیج دیتا تھا وہی اُن لوگوں کی شبانہ روز خوراک ہوتی تھی۔ بعض اوقات دونوں وقت فاقہ ہوتا تھا۔ اور بعض اوقات سوکھی روٹیاں چبائی جاتی تھیں۔ احقر نے حضرت لاہوریؒ کی زبانِ مبارک سے خود سُنا تھا۔ کہ بعض دفعہ ستوؤں کی قسم کی خوراک ہوتی تھی۔ جس سے ستارے بھی نظر آتے تھے۔ اور اُس کا نام تارا پلاؤ ہوتا تھا۔ بارک اللہ! یہ متوکّلین کی جماعت ایک قطب الاقطاب کی سرپرستی میں تمام کائنات سے منہ موڑ کر تسلیم و رضا کے ابواب یاد کر رہی تھی۔ یہ دینِ حنیف کے شہسوار ہیں۔ جو کہ ہر زمانے میں کائنات کے کسی نہ کسی گوشے میں اسی طرح پرورش پاتے ہیں۔ اور عالم تکوینیات کی کاروائی میں بھی باذن اللہ ان کو دخل ہوتا ہے

بر درِ میکدہ آں مردِ قلندر باشند
کہ ستانند و دہند تاجِ شہنشاہی را

پانی پت کے ایک ظالم عامل کے متعلق وہاں کے ایک قلندر نے حاکمِ وقت کو لکھا تھا۔

باز گیر آں عاملِ بد گوہرے
ورنہ دادم ملکِ تو با دیگرے

تکوینیات میں اولیاء اللہ کے تصرفات کو ماننے سے پہلے یقین کامل ہونا چاہیئے کہ فاعلِ حقیقی پروردگارِ عالم ہے۔ از بہی

نقشہ تھا جس کی تفسیر جنگ بدر میں واضح و معلوم صورت میں نظر آتی ہے۔ رشک قدسیاں اصحاب بدر تمام کائنات سے برگزیدہ سپاہ ہے۔ مگر خالق دو جہاں نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا ہے۔ فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ (پس تم نے ان کو قتل نہیں کیا ہے۔ بلکہ خداوند عالم نے ان کو قتل کیا ہے) اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا ہے۔ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (اور تو نے مٹھی نہیں پھینکی تھی۔ جب تو نے پھینکی تھی۔ بلکہ اللہ تعالےٰ نے پھینکی تھی) یہ ہے امور تکوینیات میں انبیاء اور اولیاء کے تصرفات کی حقیقت اور اللہ تعالےٰ کے فاعل حقیقی ہونے کی وضاحت کا مسئلہ! اگرچہ ظاہر بین نگاہوں کے سامنے صحابہ کرام کے ہاتھوں میں تیر و تفنگ اور شمشیر و سنان تھے۔ مگر خود صحابہ کرام کا بیان ہے کہ ہم ابھی دشمن پر وار بھی نہیں کرتے تھے کہ ان کے لاشے زمین پر تڑپنے لگتے تھے۔ اور حضور پر نور شافع یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کی بھی یہی تعبیر ہے۔ کہ آپ نے زمین سے ایک مٹھی خاک کی اٹھا کر دشمنوں کی طرف پھینکی لیکن اس کے ذروں کا تمام کفار کی آنکھوں میں پہنچ جانا قدرت پروردگار کی کرشمہ سازی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالےٰ صحابہ کرامؓ کے فعل قتل اور سید الاولین والآخرین صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی رمی کو اپنی طرف منسوب فرما رہا ہے۔ کہ اے گروہ قدسیاں! ہاتھ تمہارے اٹھتے تھے۔ لیکن ان میں طاقت ہماری کارفرما تھی

اور اے نبی رحمت! خاک کی مٹھی آپ نے پھینکی تھی۔ مگر کفار کی آنکھوں میں پہنچانے کا اہتمام ہم کر رہے تھے۔ اس مسئلہ کی توضیح کے پیش نظر یہ واقعہ پیش کرنا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے تعمیر کعبۃ اللہ کے بعد سیدنا خلیل اللہ علیہ السلام کو اعلان حج کا حکم ملا۔ تو سیدنا خلیل اللہ علیہ السلام نے عرض کیا۔ کہ اے بار الٰہ! میری آواز تو لوگوں تک نہیں پہنچے گی۔ جواب ملا۔ علیک الاذان وعلینا البلاغ (آواز دینا آپ کا کام ہے۔ اور پہنچا دینا ہمارا کام ہے) سابقہ سطور موقعہ کے اقتضاء سے لکھی گئیں۔ اب نفس مضمون کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔

حضرت امروٹی علیہ الرحمۃ کی سرپرستی میں جو جماعت پرورش پا رہی تھی اُس کو مدارس عربیہ کے طلباء سے کیا تعلق ہو سکتا تھا۔ لیکن حضرت علاّمہ عبید اللہ سندھیؒ ایک ایسا مدرسہ چلانا چاہتے تھے جس میں تمام علوم متداولہ کی تحصیل کا انتظام کیا جائے۔ چونکہ امروٹ شریف کا ماحول اس مدرسے کے لئے سازگار نہ تھا۔ لہٰذا آپ گوٹھ پیر جھنڈا ضلع حیدر آباد تشریف لے گئے۔

مدرسہ دار الارشاد

حضرت سندھیؒ نے گوٹھ پیر جھنڈا میں قدم رکھتے ہی دینی درسگاہ کی تعمیر و اساس کے لئے وہاں کے حالات کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ زہے قسمت۔ زہے نصیب! اُس وقت گوٹھ پیر جھنڈا میں حضرت مولانا رشد اللہؒ ایک متبحر عالم دین موجود تھے۔ اُنھوں نے علم حدیث کے چند اسباق حضرت سندھیؒ سے پڑھے تھے۔ لہٰذا حضرت سندھیؒ کے ارادے کی تکمیل میں مولانا موصوف کا وجود بے حد سود مند ثابت ہوا۔ چنانچہ ۱۳۱۹ھ میں گوٹھ پیر جھنڈا کے مقام پر مولانا رشد اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مریدوں سے چندہ لے کر مدرسۂ عربیہ کی بنیاد رکھی۔ علاوہ ازیں طلبہ کی ضروریات۔ اساتذہ کرام کی تنخواہوں کا خرچ اور باقی مصارف کی فراہمی میں بھی مولانا مذکور حضرت سندھیؒ کے ہر طرح ممد و معاون رہتے۔ ابتدا میں حضرت سندھیؒ اکیلے پیر جھنڈا میں تشریف لے گئے تھے۔ بعد ازاں حضرت لاہوریؒ کو بھی وہاں ہی بُلا بھیجا۔ وہاں پہنچ کر حضرتِ والا شانؒ نے اپنی حسن استعداد۔ شغف علم و فضل اور اساتذہ کرام کی خصوصی التفات سے بتوفیقِ ایزدی چھ سال کے عرصے میں تمام علوم مروّجہ و متداولہ میں پوری پوری دسترس حاصل کر لی۔

خُدا کے محبوب بندے

دُنیا اسباب و علل کا ایک عجیب مرقع ہے۔ پروردگار عالم کی کرم فرمائیاں ہر صاحب ذوق

کی ممتاز دستگیری فرماتی رہتی ہیں۔ خیر و شر کی راہوں پر ضمیر کا منادی ہر وقت پکار پکار کر ہم کو آگاہ کرتا رہتا ہے۔ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا (پس انسان کو بدی اور بدی سے بچ کر چلنے کی سمجھ عطا فرمائی) قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا۔ (جس نے اس کو پاکیزہ بنا لیا۔ وہ بامراد ہوا۔ اور جس نے اس نورانی شمع کو خاک میں ملا دیا۔ وہ خاب و خاسر ہوا) یہ نتائج کا مسئلہ تھا۔ کہ نیکی کے متلاشیوں کا انجام کیا ہوتا ہے۔ اور اُن کی منزل کتنی حسین و دلفریب ہوتی ہے۔ اور اُن کی ہر مقام پر میزبانی کے انتظامات اللہ تعالیٰ نے کر رکھے ہیں۔ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ۔ خدائے قدوس کے مہمانوں کی بشاشت اور رُوحانی انبساط کا کیا کہنا! خود احکم الحاکمین کا ارشاد ہے کہ اُن کے چہروں پر فرطِ مسرت سے نَضْرَةَ النَّعِيْمِ کا ظہورِ ملکوتی ہوگا۔ اور یہی لوگ ہیں جن کے لئے تختوں پر بیٹھنے۔ حور و غلمان کی خدمات اور فردوسی نعمتوں کے علاوہ دیدارِ الٰہی کے وعدے ہیں۔ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَه (بعض چہروں پر بہجت و فرحت کے انوار ہونگے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ نے اُن کی مساعی جمیلہ کو پسند فرمایا ہے۔ یہ وہ خوش نصیب لوگ ہیں جن کو احکم الحاکمین کی رحمتِ واسعہ اجرِ عظیم عطا فرما رہی ہے۔)

معتوب بندے

اور دوسری قسم کے افراد کا انجام اپنی بداعمالیوں کی پاداش میں نہایت دردناک ہوگا۔ جس کا تذکرہ قرآنِ حکیم نے جگہ بجگہ کیا ہے۔ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ بدکردار لوگوں کے چہروں پر ذلت کی سیاہی ہوگی۔ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ اُن کے چہروں پر انتہا درجے کی تھکاوٹ اور درماندگی کی نحوست چھا رہی ہوگی۔ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَه۔ ایک دہکتی ہوئی آگ میں اُن کو گرنا ہوگا۔ تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ اور اُن کو کھولتے ہوئے چشمے سے پانی پلایا جائے گا۔ (العیاذ باللہ) اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْنَا مِنْهُمْ!

ہر دو کا انجام

انسانی ضمیر مذکورہ بالا دو نوں جماعتوں کا انجام سُن کر سمجھ جاتی ہے۔ کہ نیکی کا بدلہ نیکی اور بدی کی سزا نہایت عبرتناک ہوگی۔ کیا وہ لوگ تمام کائنات ہستی کی بولنے والی اور نہ بولنے والی زبانوں کی تحسین و آفرین کے مستحق نہیں ہیں جن کی کوششوں کو خداوند عالم پسند فرماتے۔ اور اُن کے صلے میں اُن کو جنّت کا وارث بنائے۔ اس مبارک گروہ میں اوّلین حیثیت اُن لوگوں کو حاصل ہوگی جو انبیاء کرام کے علم وفضل کے صحیح معنوں میں وارث بنے۔ اور انہوں نے شریعت طاہرہ کی حکمتوں کو سمجھنے۔ اُن کی نشر و اشاعت کرنے اور اُن پر عمل کرنے میں اپنی زندگیاں گزاریں۔ رسولِ انس وجان محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ارشاد کا یہ مفہوم کتنا ارفع و اعلےٰ ہے۔ کہ طالب علم کے جہاں قدم پڑتے ہیں وہاں ملائکہ اپنے پر بچھاتے ہیں۔

فارغ ہونے والی پہلی جماعت

اب ہم حضرت لاہوریؒ قدس سرہٗ کی دستار بندی کا تذکرہ کرنے والے ہیں
حضرت مولانا سندھیؒ اپنے وقت میں ملتِ اسلامیہ کی یکتا و یگانہ شخصیت کے مالک تھے۔ اُن کے سینے میں قرآنی انقلاب کے ہزاروں چشمے اُبل رہے تھے۔ انسانی وجود میں یہ حریتِ فکر و عمل کا مجسّمہ تمام اسلامیانِ عالم کے لئے ایک عجیب پُر کیف الہامی پیغام رکھتا تھا۔ باطل کی طاغوتی طاقتوں کے مقابلے میں اُن کے دل میں شہیدوں جیسے جذبات موجزن رہتے تھے۔ اس جذب و اثر کا انسان اپنے ماحول سے نہیں۔ بلکہ ماحول کو اپنے انداز میں متاثر کئے بغیر نہیں رہتا۔ لہٰذا اُن طلبہ کی تعلیم و تربیت کا خود اندازہ فرمالیجئے۔ جن کی خوش بختی اُن کو امامِ انقلاب حضرت سندھیؒ کی نگرانی میں اپنے شام و سحر بسر کرنے کا موقع عطا کرتے

مدرسہ دارالارشاد سے فارغ ہونے والی پہلی جماعت میں صرف پانچ علماء شامل تھے اور اُن میں ایک کھدر پوش مجاہد کبیر۔ جلال و جمال کا جامع بلکہ بقول سید السادات حضرت امیر شریعت سید عطاءاللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ صحابہ کرام کے قافلے میں سے ایک پیچھے رہ جانے والا اسوۂ نبوی کا علمبردار بھی موجود تھا۔ جس کو مستقبل قریب میں شیخ التفسیر ہونے کے علاوہ قطبیت کے فرائض بھی انجام دینے تھے۔

یہ کون تھا؟

ہاں ہمارا آقا۔ ہمارا مولا۔ ہمارا ہادی۔ وسیلتنا فی الدارین۔ جو لاہور کے اُم القریٰ میں بیٹھ کر نصف صدی تک دینِ حقہ کی خدمت کرتا رہا۔ اور اپنے آپ کو سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے کا غلام بتاتا رہا۔ اللہ اللہ خلقِ خدا سے بے نیاز۔ خالق کا محتاج۔ حلم و بردباری کا پیکر۔ صدق و صفا کا مجسمہ۔ پیغمبرانہ کردار کا حامل۔ داعیِ خیرات اور اپنی قوم کو پکار پکار کر کہنے والا یَا قَوْمِ لَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ مَالًا۔ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللہِ (اے میری قوم رُشد و ہدایت کے پرچار کے صلے میں میں تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا ہوں۔ میری مزدوری کا تعلق دروازۂ الٰہی سے ہے)۔

اِک شرع مسلمانی۔ اِک جذب مسلمانی
ہے جذب مسلمانی۔ سرِ فلک الافلاک
اے رہرو فرزانہ بے جذب مسلمانی
نے راہ عمل پیدا نے شاخ یقیں نمناک

دستار بندی کا عظیم الشان جلسہ

اور دوسرے حضرت مولانا ضیاء الدین تھے۔ جو کہ اپنے والدِ محترم کے بعد گوجرانوالہ جھنڈیر

میں مسندِ رُشد پر جلوہ فرما ہوئے۔ ان کے علاوہ تین اور خوش نصیب علماء کرام تھے۔ جن کے تذکرے کا یہ موقعہ نہیں ہے۔ اور نہ ہی اُن کے حالات پر ہم کو چنداں آگاہی ہوئی۔

چونکہ حضرت پیر رشد اللہ رحؒ اس وقت گوٹھ پیر جھنڈا میں گدی نشین تھے اور ان کے صاحبزادے مولانا ضیاء الدین اس فارغ ہونے والی جماعت میں شامل تھے۔ لہٰذا پیر مرحوم نے ایک عظیم الشان جلسے کا انتظام کیا مقصد یہ تھا کہ اصحابِ خیر و مُمِن کی شمولیت اور باقی سعید رُوحوں کے ورود و اجتماع سے دستار بندی کی تقریب کو ہر لحاظ سے بابرکت بنایا جائے۔

صدارت کے فرائض

الحمد للہ! کہ اس جلسے کی صدارت کے لئے حضرت سید المشائخ حسین ابن محسن انصاری یمنی ریاست بھوپال سے تشریف لائے۔ یہ وحید العصر بزرگ نواب صدیق حسن خاں والیِ بھوپال کے اُستادِ مکرم تھے۔ اور نواب موصوف کی استدعا پر ہی یمن سے ہجرت کر کے مع اہل و عیال بھوپال میں مستقل طور پر رہائش پذیر ہوتے تھے۔ چونکہ آپ عمر رسیدہ ہونے کی وجہ سے بہت زیادہ کمزور تھے۔ اس لئے آپ کو پالکی میں بٹھلا کر گوٹھ پیر جھنڈا میں لایا گیا۔ اور جلسے میں پانچ مذکورہ بالا فارغ التحصیل علماء کو سندِ فراغت دی گئی۔ جہاں تک حضرت لاہوری رحؒ کو اپنی مبارک یادداشت کا تعلق ہے۔ دستار بندی کی یہ مبارک تقریب ۱۳۲۷ھ کے آخر میں یا اسی سن کے شروع میں وقوع پذیر ہوئی۔

معلمی کا منصبِ جلیلہ

رب العالمین اپنے نظامِ ربوبیت کی حکیمانہ کارروائیوں کو خوب جانتا ہے۔ یہ امر اُسی ذاتِ بے مثل پر ہویدا ہے۔ کہ کونسا دانہ زمین کی تاریکیوں میں چند دن کی استراحت کے بعد سبحان اللہ۔ سبحان اللہ کہتا ہُوا بیداری کی آنکھ کھولے گا۔ اور کونسا دانہ ہمیشہ

کے لئے معدوم و فنا ہو جاتے گا۔ ابر نیساں برسے گا لیکن کونسے قطرے سطح زمین میں روپوش ہوں گے۔ کونسے سمندروں، دریاؤں اور پہاڑوں پر گریں گے۔ اور کون سے قطرات سیپیوں کے سینوں میں گوہرِ شاہوار بنینگے۔ اسی طرح اللہ تعالےٰ کا علم محیط ہی اس حقیقت سے باخبر ہے۔ کہ اولادِ آدم میں کس کی زندگی یمن و سعادت سے ہمکنار ہو گی اور کس بدبخت کا دامن بد اعمالیوں کے خارستان میں تار تار ہو کر رہ جاتے گا۔ اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ۔ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ۔

حضرت لاہوریؒ کی زندگی کے منازل اور مراحل اگرچہ طالب علمانہ مصائب اور غریب الوطنی کے تفکرات سے خالی نہیں تھے۔ لیکن آپ کی زندگی کے عام واقعات پر نظر ڈالنے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ قدرت کا دستِ کرم ہر موقعہ پر آپ کے فرقِ اقدس پر رہا اور رب العلمین کی شان پروردگاری نے ہر آن آپ کی دستگیری فرمائی۔ اب حضرت قدس اللہ روحہٗ ایک فارغ التحصیل عالمِ دین کی حیثیت سے حضرت سندھیؒ کے ارشاد کے مطابق مدرسہ دار الارشاد میں معلمی کے فرائض سرانجام دینے لگے۔ آپ نے جس انہماک اور قلبی طمانیت سے طالب علمی کے دن بسر فرمائے تھے۔ اسی استغراق اور کامیابی سے معلمی کے اوقات گزارنے شروع کئے۔ اس وقت آپ کو اسباق کی تیاری اُستادانہ اور مصلحانہ روش کی حفاظت۔ بزرگانہ سنجیدگی۔ سُنّتِ طاہرہ کی پابندی گویا خلیق و شفیق معلّم کے فرائض کی ادائیگی کا خیال بڑی حد تک دامنگیر رہتا تھا۔ تاکہ نوخیز طالب علموں کی شوخ و شنگ طبیعتوں کی اصلاح کا سامان مہیّا ہوتا رہے۔ اور مدرسہ کے ماحول میں رُوحانی انوار کی جھلک عام نظر آتے۔ حضرت مولانا سندھیؒ جیسے بیدار مغز۔ انقلاب آفرین قلب و رُوح کے حامل انسان کی تربیت میں پلا ہُوا نوجوان مجاہد حضرت اعلیٰ بشلی دورا مولانا غلام محمد رحمۃ اللہ علیہ جیسے ملک سیرت مقتدا کی صحبت میں انوارِ ہدایت حاصل کرنے والا سالکِ پاکباز اور مجاہدِ کبیر حضرت امروٹی کی تھوڑا نہ چتون کے اشاروں پر تجدانی

انشاء اللہ من الصابرین کہنے والا فرزندِ روحانی جس گروہ کا معلم و رہنما ہو۔ اور اس کی زندگی کا ہر شعبہ اُسوۂ نبویؐ کا پتہ دیتا ہو تو اُس مکتب کا ہر طالب علم جوشِ جہاد اور خدمتِ دین سے لازماً سرشار ہوگا۔ وہاں علم کے ساتھ ساتھ عمل کی تعلیم دی جاتی ہوگی لہٰذا ہم اُن طالب علموں کو ہزار خلوص سے ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہیں۔ جن کو عنایتِ الٰہی سے حضرتِ لاہوریؒ جیسا فرض شناس، خُدا پرست۔ عاشقِ رسولؐ اللہ اور تہذیبِ نوی سے نفور معلم میسر آتے۔

ہے وہی تیرے زمانے کا امامِ برحق
جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے
دے کے احساسِ زیاں تیرا لہو گرما دے
فقر کی سان چڑھا کر تجھے تلوار کرے
اقبال مرحوم

القصّہ! آپ نے مسلسل تین سال تک حضرت سندھیؒ کی سرپرستی میں مدرسہ مذکور میں معلمی کے فرائض سرانجام دیے۔

اللہ! اللہ! ہمارے آقا کی زندگی!

حقائقِ ابدی پر اساس ہے اِس کی
یہ زندگی ہے۔ نہیں ہے۔ طلسمِ افلاطوں
عناصر اس کے ہیں۔ رُوح القدس کا ذوقِ جمال
عجم کا حسنِ طبیعت۔ عرب کا سوزِ دروں

در اصل وہ اوصافِ حریّت جو آپ نے امامِ انقلابؒ کی صحبت میں حاصل کئے تھے اب اُن کو خلقِ خُدا میں تقسیم کرنے کے دن تھے۔

حضرت لاہوریؒ کی شادی

حضرت مولانا سندھیؒ جب آپ کو سندھ لے گئے۔ تو انھوں نے اپنی صاحبزادی کو آپ

سے منسوب کرنے کا ارادہ کر لیا۔ لہٰذا جب آپ مدرسہ دارالارشاد میں معلّمی کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ تو مولانا موصوف نے اپنی منسوبہ صاحبزادی کی شادی آپ سے کر دی۔

آپ کے برادرانِ حقیقی کا حال

فارغ التحصیل ہونے سے پانچ چھ سال پہلے آپ کے والدِ محترم شیخ حبیب اللہ صاحب نے داعیِ اجل کو لبیک کہا۔ اُس وقت آپ کے والدِ مرحوم چک بابو ضلع گوجرانوالہ میں تھے۔ اُنہوں نے اپنی زندگی ہی میں اپنے صاحبزادے حافظ محمد علی کو بھی گوٹھ پیر جھنڈا میں علومِ دینیہ کی تحصیل کے لیے بھیج دیا تھا۔ حافظ محمد علی رحمۃ اللہ علیہ کی عمر اُس وقت قریباً چھ سال تھی۔ حضرت سندھیؒ کی شفقت کا اندازہ کیجیے۔ کہ آپ نے اپنی چھوٹی صاحبزادی کی نسبت مولانا محمد علی سے کر دی۔ حالانکہ حضرت لاہوریؒ کے والدین کی طرف سے اس ضمن میں کوئی تحریک نہیں کی گئی تھی۔ مولانا محمد علی مرحوم کو پہلے حضرت سندھیؒ نے قرآنِ حکیم حفظ کروا دیا۔ اور بعد ازاں دینی تعلیم دینا شروع کیا۔ جب حضرت لاہوریؒ کے والد بزرگوار کا انتقال ہوا۔ تو چک بابو میں حضرت لاہوریؒ کے دو چھوٹے بھائی عزیز احمد اور رشید احمد اور آپ کی والدہ مکرمہ رہ گئی تھیں۔ لہٰذا حضرت ان سب کو اپنے ہمراہ گوٹھ پیر جھنڈا میں لے آئے تھے۔ محترم عزیز احمد کی عمر اُس وقت چار سال تھی اور رشید احمد صاحب کی عمر دو اڑھائی سال تھی۔ آپ کی شادی کا ذکر جو پہلے گزر چکا ہے۔ وہ دراصل اس موقعہ پر ہوئی۔ جبکہ آپ کے والدِ محترم کی فوتیدگی کے بعد باقی افرادِ خانہ گوٹھ پیر جھنڈا میں مقیم تھے۔

آپ کی اہلیہ محترمہ اور کمسن بچے کی وفات

زندگی مصائب و آلام کا ایک مُرقّع ہے۔ خداوند حکیم کی مخفی حکمتوں کو کوئی نہیں جان سکتا۔ آزمائش و ابتلا اگرچہ لاکھوں اسباق اپنے پہلو میں لئے ہوتے آتی ہیں اور انسانی دل و دماغ کی

ہزاروں خوابیدہ قوتیں ان کے گھناؤنے ماحول میں بیدار ہوتی ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ نے مصیبتوں کو صبر و استقلال سے برداشت کرنے پر بیشمار نعمتوں کا وعدہ فرمایا ہے۔ بلکہ جہاں تک بھی فرمایا گیا ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصَّابِرِیْن (بلاشک و ریب اللہ تعالےٰ مصائب پر صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے) لیکن پھر بھی آبشار زندگی کے تیز بہاؤ میں جتنی روکاوٹیں آئیں گی اُن سے ٹکرا کر ضرور جھاگ پیدا ہوگی۔ جب رفتار میں ناہمواری لاحق ہوگی تو سیلِ رواں کے آئینہ سیّال میں کسی حد تک تکدّر نظر آئے گا۔ بھلا وہ کون انسان ہوگا جو خوشی کے موقعہ پر خوش اور غم کے وقت مغموم و محزون نہ ہو۔ سیّدنا یعقوب علیہ السلام صبر و حلم کا کوہِ گراں ہیں۔ صبرِ جمیل کا لفظ اُن کے پیغمبرانہ صبر کا آئینہ دار ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے۔ کہ واضع نے اُن کی قوّتِ صبر کی ترجمانی کے لئے یہ لفظ بنایا ہے۔ مگر آپ کے بیٹے جب آپ کو دھوکا دینے کا تہیّہ کر چکے۔ اور سیّدنا یوسف علیہ السلام کو سیر و شکار کے لئے اپنے ہمراہ لے جا کر کسی تاریک کنوئیں میں گرانے کا فیصلہ کر چکے۔ تو تمام مل کر حضرت یعقوب علیہ السلام کے سامنے آئے۔ اور اپنی خیر خواہی کا اعلان کرنے کے بعد کہنے لگے۔ اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَإِنَّا لَهُ لَحٰفِظُوْن (ابّا جی یوسفؑ کو ہمارے ساتھ بھیجئے۔ تاکہ خوب سیر ہو کر کھائے اور کھیلے۔ اور ہم تو ہر موقعہ پر اُس کی نگہبانی کرینگے) تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے اُن کی یہ پُر فریب فرمائش سُن کر فرمایا۔ قَالَ اِنِّیْ لَيَحْزُنُنِیْ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ (فرمایا۔ کہ مجھ کو محض اس تصوّر سے ہی وحشت ہو رہی ہے۔ کہ تم اس کو اپنے ہمراہ لے جاؤ۔ اور مَیں اس خیال سے بھی سہما جاتا ہوں۔ کہ یوسفؑ کو اکیلا دیکھ کر کوئی بھیڑیا کھا جائے۔ اور تم کو خبر تک نہ ہو)

اندازہ فرمائیے۔ کہ نبوّت کی طمانیت بخش نعمت کے باوجود حُزن و خوف کی ٹیس پیدا ہوتی ہے۔ اور آئندہ اس داستانِ خونچکاں کا ہر ورق نالۂ یعقوبؑ سے معمور نظر آتا ہے

سیّدالاوّلین والآخرین صلّی اللہ علیہ وسلّم کے لختِ جگر سیّدنا ابراہیم اپنی کمسنی میں عازمِ فردوس ہوتے۔ حضور پر نور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے نورِ بصر کو زانوئے رسالت پر رکھتے ہیں۔ ننّھے مسافر کے معصوم چہرے پر نظریں جمی ہُوئی ہیں۔ قلبِ مصطفٰے میں ایک ہوک سی اُٹھتی ہے۔ اور قدسی رُخساروں پر آنسو بہنے لگتے ہیں۔

آمدم بر سرِ مُدّعا

حضرت والا مرتبت ابھی اپنے والدِ محترم کی ابدی مفارقت پر کبیدہ خاطر ہی تھے۔ جبکہ غم واندوہ نے ایک اور رُوح فرسا صورت اختیار کر لی۔ آپ کی شادی کے تقریباً ایک سال بعد آپ کے ہاں ایک بچّہ پیدا ہُوا۔ جس کا نام حسن رکھا گیا۔ چنانچہ اس اس مبارک نومولود کے نام کی وجہ سے حضرتِ والا کی کنیت ابوالحسن ہے۔ مگر اللہ تعالےٰ کی مشیّت یہی تھی۔ کہ نووارد اپنے والدین کی آنکھوں کے سامنے صرف سات دن تک آغوشِ مادر میں جئے۔ اور بعدازاں اپنی ناشگفتگی کے دامن میں زندگی کی تمام بہاروں کو لپیٹے ہُوئے راہیِ ملکِ عدم ہو۔ اور اگلے دن ننّھے حسن کی مغمومہ ومہجورہ والدہ اپنے لختِ جگر کی تلاش میں وادیِ فردوس میں جا پہنچیں۔ اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیْہِ رَاجِعُون۔

پھُول تو کھِل کر بہار جانفزا دِکھلا گئے
حسرت اُن غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

اہلیہ کی موجودگی دینی وجاہت اور قلبی تسکین کا باعث ہوتی ہے۔ اور پھر وہ بیوی جس کی پرورش حضرت سندھی جیسے مجاہدِ کبیر کی پدرانہ نگاہوں کی مرہون ہو۔ اُس کی رفاقت یقیناً سرمایۂ افتخار تھی۔ لہٰذا حضرت لاہوریؒ کو اپنی اہلیہ مرحومہ کی توتیدگی پر عجیب قسم کے غموم وہموم سے دوچار ہونا پڑا۔ حضرت سندھیؒ کی دامادی کا شرف ختم ہُوا۔ اور ساتھ ہی بچّے کی وفات نے عینِ شباب میں باپ کے دل کو مجروح کر دیا۔ اب زندگی کا بنا بنایا کھیل بگڑا

اور مستقبل کی ایک نامعلوم تنہائی کا بھیانک تصوّر خوف و ہراس پیدا کرنے لگا۔ مگر حضرتِ اقدس کو باوجود ان حالات کے پروردگارِ عالم نے قلبِ ابراہیمی کے انوار دے رکھے تھے۔ تاکہ بیوی اور بچّے کی جُدائی میں بھی دینِ حقّہ کی خدمت میں کوئی فرق نہ آئے۔ لہٰذا آپ اپنے یتیم کمسن بھائیوں اور والدہ ماجدہ کے تمام اخراجات کے کفیل بن کر زندگی بسر کرنے لگے۔

حضرت سندھیؒ کی انقلاب آفریں زندگی پر ایک نظر

شانِ ربوبیّت بصورتِ رُشد و ہدایت

خالقِ فطرت نے اولادِ آدمؑ کی ہدایت کے لئے ایسے ایسے اسباب پیدا کئے ہیں۔ جن پر سرسری نگاہ ڈالنے سے بھی معرفتِ کردگار حاصل ہو سکتی ہے۔ بھلا وہ کونسی آنکھ ہے۔ جو وقتِ سحر صبح کے ستارے کو دیکھ کر سرشار نہیں ہو جاتی۔ وہ کونسا دل و دماغ ہے جو صحرا میں لالۂ خودرو کی عروسی صورت پر لٹّو نہیں ہوتا۔ اور وہ کونسا انسان ہے جو طیور کی نغمہ سنجیوں پر ایک لمحہ کے لئے توجّہ دے۔ اور اُس کے دل پر وجد کی کیفیّت طاری نہ ہو۔ قطرے میں دریا کا تموّج اور ذرّے میں صحرا کی وسعتیں دیکھنے والی آنکھ کسی موقعہ پر بھی محرومِ نظارہ نہیں رہ سکتی۔ کیونکہ چشمِ بینا کے لئے کتابِ فطرت کے تمام اوراق ہمیشہ کھلے رہتے ہیں۔ ہر صاحبِ بصیرت قُدرت کے نظاروں کو دیکھ کر بیساختہ پکار اُٹھتا ہے۔ ع

ذرّہ چاہے تو تھکا دے تجھے صحرا بن کر

اقبالؔ مرحوم نے فطرت کی فیّاضیوں کو ان الفاظ میں پیش کیا ہے ؎

نگاہ ہو۔ تو بہائے نظارہ کچھ بھی نہیں
کہ بیچتی نہیں۔ فطرت کمال و زیبائی

انسی طرح اور عین اسی طرح معرفت کی متلاشی روحوں کے لئے پروردگارِ عالم نے

ہر وقت ایک ایسی دُنیا آباد کر رکھی ہے۔ جو اُن کے ذوق کو تیز سے تیز تر کر دیتی ہے۔ ہادیانِ دین کی زندگیوں کا مطالعہ کرنے والے اس حقیقت سے باخبر ہیں کہ اُن کی چند روزہ حیات کا ہر لمحہ ہزاروں انقلاب کا حامل ہوتا ہے۔ اُن کی صحبت میں جاہل عالم۔ فاسق و فاجر پارسا اور ظالم رحم دل بن جاتے ہیں۔ خُدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت کا شوق دیوانگی بن کر دل میں سما جاتا ہے۔ اور اُدھر اُن کی حریت کا یہ عالم ہوتا ہے۔ کہ وہ قاہر سے قاہر طاقتوں سے بھی خائف نہیں ہوتے۔ وہ اس میدان خیر و شر میں شرور و فتن کا مقابلہ سینہ تان کر کرتے ہیں۔ وہ خطرناک لمحات کو نہایت استقلال سے گزارتے ہیں۔ وہ تاریک کھوہوں اور کچھاروں میں زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ مگر غلامی کے روشن قید خانوں میں رہنا پسند نہیں کرتے۔ ہاں ہاں وُہ پھولوں کو چھوڑ کر انگاروں پر ہاتھ ڈال سکتے ہیں۔ مگر اپنی زندگی کے بیباکانہ اصول ترک نہیں کرتے پروردگارِ عالم کی قسم! وُہ ہزاروں شیروں کی جُرأت اپنے سینے کے اندر رکھتے ہیں۔ اور آفات و آلام کی کوئی بھی ایسی صورت نہیں ہے جس سے اُن کی رُوح پر اغیار کا رعب طاری ہو سکے۔

مرد کی تخلیق ہے زور آزمانے کے لئے
گردشیں سرکش حوادث کی جھکانے کے لئے
مرد ہے۔ سیلاب کے اندر اکڑنے کے لئے
بحر کی بپھری ہوئی موجوں سے لڑنے کے لئے
دوڑتا ہو شعلہ خُو بجلی کا دامن تھامنے
مُسکراتا ہو۔ گرجتے بادلوں کے سامنے

اگرچہ احقر الانام اس وقت حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے متعلق کچھ عرض کرنیوالا تھا لیکن اُن کے نام کی برکت سے زبانِ قلم سے ایسے رشحات ٹپکنے لگے ہیں جن سے اُن کی مبارک زندگی کی تشریح و توضیح بھی ہو سکتی ہے۔ امامِ انقلاب حضرتِ سندھیؒ اپنے وقت کے منصورِ حلّاج تھے۔ جن کی زبان پر " انا الحق " کی پکار تا دمِ واپسیں عین تختہ دار پر بھی گونجتی رہی

خدائے قدوس کے علاوہ اُن کی گردن اور کسی کے آستانہ عظمت پر نہ جھکی۔اُن کی زندگی کا مطالعہ کرنے والوں نے اُن کی داستانِ حیات کو یوں الفاظ پیش کیا۔

ہری ہے۔شاخ تمنا ابھی جلی تو نہیں
جگر کی آگ دبی ہے۔ مگر بجھی تو نہیں
جفا کی تیغ سے گردن وفا شعاروں کی
کٹی ہے۔ برسرِ میداں۔ مگر جھکی تو نہیں

ہندوستان جیسے غلام آباد میں حضرت سندھیؒ ایسے مجاہد صحیح معنوں میں اللہ تعالےٰ کی رحمتوں کے علمبردار تھے۔ان کی فکر میں انقلاب تھا۔اُن کی نظر میں انقلاب تھا۔اُن کی زندگی لاکھوں انقلاب کی آئینہ دار تھی۔وہ اپنی انقلاب آفریں فطرت کی جولانیوں کے لئے چنداں سازگار ماحول کے محتاج نہیں تھے۔وہ ہر میدان میں مردانگی و شجاعت کی داد دیتے رہے۔ اور زمانے کے ہر اسنبدا کا مقابلہ کرتے رہے۔ ؎

موجوں سے جو کھیلنے والے ہیں۔ یہ بھی اشارا کرتے ہیں
طوفاں ہی ڈبویا کرتے ہیں۔طوفاں ہی اُبھارا کرتے ہیں

جمعیۃ الانصار کا قیام

حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ گوٹھ پیر جھنڈا ضلع حیدر آباد سندھ سے دوبارہ دیوبند تشریف لے گئے۔ وہاں پہنچ کر آپ نے جمعیۃ الانصار کی بنیاد ڈالی۔یہ ایک عالمگیر تحریک تھی۔جس کی وسعت سرزمین ہند سے آگے کشمیر۔افغانستان۔ایران۔ترکستان۔بخارا۔ عرب اور قسطنطنیہ کی حدود تک پہنچی ہوئی تھی مقصد یہ تھا۔کہ دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل علماء کی ایک ہمہ گیر تنظیم کی جائے۔اور اُن سب میں "مجاہدانہ ناموس وحدت فکری" پیدا کی جائے۔ وہ جہاں جہاں رہیں مرکز کی آواز کے مطابق اپنی زندگی کا رُخ بدلتے رہیں۔علماء حیر کا یہ سوادِ اعظم

کتاب وسُنّت کی اشاعت کے ساتھ ساتھ مغربی سامراج کی بیخ کنی میں ہمہ وقت کوشاں رہے۔ تمام اسلامی ممالک کو ایک مرکز پر اکٹھا ہونے کی دعوت دی جائے۔ یہ وہ عظیم الشان سکیم تھی جس کی تکمیل کے لئے حضرت سندھیؒ ہر وقت بیقرار رہتے تھے۔ آپ نے دارالعلوم دیوبند میں قدم رکھتے ہی اس تجویز کو پُورا کرنے کی مساعیٔ جمیلہ شروع کر دیں۔ مگر مدرسہ مذکور کے بعض ذمہ دار حضرات کو آپ کی تجویز کے بعض پہلوؤں سے اختلاف تھا۔ اور یہی وہ لوگ تھے جو درحقیقت دارالعلوم کے رُوحِ رواں تھے۔ لہٰذا آپ کو آخر کار دیوبند کو خیرباد کہنا پڑا۔ اس موقعہ پر قارئینِ کرام کو یاد رہے۔ کہ حضرت اعلیٰ شیخ الہند انوارِ جامعیت کے مظہر اتم مولانا محمود الحسنؒ حضرت سندھیؒ کے ہر طرح ہمنوا اور مؤید تھے۔

نظارۃ المعارف القرآنیہ دہلی

چہ شور است ایں کہ در آب و گل افتاد
زیک دل عشق را صد مشکل افتاد
قرارِ یک نفس برمن حرام است
بمن رحمے کہ کارم بادل افتاد

ترجمہ۔ (انسانی خمیر میں سوزِ دروں اور عملِ پیہم کا ایک بے پناہ جذبہ موجود ہے۔ اللہ! اللہ! دل کے لوتھڑے کو عشق سے لگاؤ ہے۔ جس کے سبب سے انسانی زندگی میں ہزاروں مشکلات پیدا ہو چکی ہیں۔ عشق کے سبب سے لمحہ بھر بھی چین نصیب نہیں ہے۔ خدائے کریم مجھ پر نظر ترحم فرمائے۔ کیونکہ میرا آفت پسند دل سے واسطہ پڑا ہے)

حضرت سندھیؒ کی بیتاب زندگی کا یہ فطری اقتضا تھا۔ کہ وہ حضرت عمرؓ کی طرح عین نماز میں بھی فوجیں تیار کرتے رہتے تھے۔ ہجرت اُن کا مشغلہ بن چکا تھا۔ وہ ارض اللہ کی برکات فراہم کرنے کے لئے اُس کے ہر گوشے کو اپنا وطنِ مالوف سمجھ کر چلے جاتے تھے۔

جب دیوبند شریف میں چند حضرات کی اختلاف رائے نے آپ کے مقاصد کو پورا ہونے نہ دیا۔ تو آپ اسی جذبہ سے سرشار ہو کر سرزمین دہلی میں چلے گئے۔ اور مسجد فتح پوری کے شمالی کمروں میں سے ایک مکان کرایہ پر لیا۔ اور وہاں نظارۃ المعارف القرآنیہ کی بنیاد رکھی۔ آپ نے اس جگہ علماء کرام اور گریجوایٹ حضرات کی ایک مخلوط جماعت تیار کی جن کو حالاتِ حاضرہ کے تقاضوں کے مطابق تبلیغی مشن چلانے کی تربیت دی جانے لگی۔ ابتدا میں اس جماعت میں پانچ علماء اور پانچ گریجوایٹ شامل تھے۔ جب یہ جماعت مجاہدانہ زندگی کی تعمیر نو کے اصول و آئین سیکھ رہی تھی۔ تو حضرت سندھیؒ نے حضرت لاہوریؒ کو دہلی میں اپنے پاس بُلا لیا۔ اور آپ کو بھی اس نادرۂ روزگار جماعت میں شامل فرمالیا۔

حضرت مولانا کا نواب شاہ میں قیام

یہ سطور آپ کی حیاتِ طیبہ کے واقعات میں ربط پیدا کرنے کے لئے حوالۂ قلم کی جاتی ہیں۔ نظارۃ المعارف القرآنیہ دہلی میں شمولیت کرنے سے پہلے حضرت لاہوریؒ مدرسہ دارالارشاد میں مع دو معاونین خدمت دین کا کام کر رہے تھے۔ کچھ عرصہ بعد حضرت سندھیؒ اور پیر راشد اللہ مرحوم میں اختلاف رائے ہو گیا۔ تو اوّل الذکر نے حضرت لاہوریؒ کو مدرسہ مذکور سے واپس بُلا لیا۔ چونکہ نواب شاہ میں بھی ایک مدرسہ عربیہ موجود تھا جس کی بنیاد بھی حضرت سندھیؒ نے ڈالی تھی۔ لہٰذا حضرت لاہوریؒ کو اب وہاں کا نگرانِ اعلیٰ مقرر فرمایا۔ اور آپ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے دہلی روانہ ہونے سے پہلے وہاں ہی دینِ حقّہ کی خدمات سرانجام دیتے رہے۔

حضرت اقدس کی دوسری شادی

جب حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی پہلی اہلیہ محترمہ فوت ہو چکی تھیں۔ تو آپ حضرت سندھیؒ

کے ارشاد کے مطابق نواب شاہ میں تشریف لے گئے تھے۔ اور حضرت سندھیؒ جمعیۃ الانصار کی لگن میں مدرسہ دیوبند میں مقیم تھے۔ حضرت سندھیؒ کو اپنے ارجمند داماد کی مجرد زندگی کو متاہلانہ حیات سے بدلنے کا خیال ہر وقت دامنگیر رہتا تھا۔ اگرچہ رشتے بہت مل سکتے تھے۔ مگر آپ طبعی اور روحانی مناسبت کا بہت زیادہ خیال فرماتے تھے۔ آخر کار پروردگارِ عالم کی مشیّت نے اپنی رحمتِ واسعہ کا ظہور اس طرح فرمایا۔ کہ حضرت مولانا ابو محمد احمد فاضل دیوبند نے حضرت سندھیؒ کو تحریر فرمایا کہ "اگر آپ مناسب سمجھیں۔ تو میں اپنی لڑکی کا عقد آپ کے عزیز مولانا احمد علی صاحب سے کر دوں" یہ وہ پیغام تھا جس کی منظوری بارگاہ ایزد متعال میں ہو چکی تھی۔ لہٰذا حضرت سندھیؒ نے بہ ہزار مسرّت اس دعوت کو قبول فرمایا۔

حضرت مولانا ابو محمد احمد مرحوم چکوال ضلع جہلم کے باشندے تھے۔ لیکن کافی عرصے سے لاہور میں مستقل طور پر قیام پذیر تھے۔ اور اُن کے فضل و شرف کا ایک امتیازی نشان یہ بھی تھا۔ کہ آپ کو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حضرت شیخ الہند مرحوم سے شرفِ تلمّذ حاصل تھا۔ اور زمانۂ طالب علمی میں آپ نے حضرت سندھیؒ کے ساتھ بڑی محبت کے دن گزارے ہوتے تھے۔ علاوہ ازیں حضرت مولانا ابو محمد احمد حضرت سندھیؒ کی جمعیۃ الانصار کے سرگرم رکن تھے۔ لہٰذا آپ اُن دنوں دیوبند میں تشریف فرما تھے۔ چنانچہ رمضان المبارک ۱۳۲۹ھ میں حضرت لاہوریؒ کی شادی کا معاملہ طے پایا۔ محرم الحرام ۱۳۳۰ھ میں دارالعلوم دیوبند کی مسجد میں حضرت شیخ الہندؒ نے حضرت لاہوریؒ کا خطبۂ نکاح پڑھا۔ یہ تاریخی سعادت تھی جس کو فضلِ ایزد تعالیٰ سے ہی حاصل کیا جا سکتا تھا۔ نکاح کے بعد حضرت مولانا مرحوم ایک دفعہ پھر نواب شاہ تشریف لے گئے۔ اور حضرت مولانا ابو محمد احمد مرحوم دوبارہ لاہور واپس آ گئے۔ یہ ایک ضمنی واقعہ تھا جس کا اس موقعہ پر نقل کرنا ضروری تھا۔

علیگڈھ کا قیام

حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ کی نظارۃ المعارف القرآنیہ دہلی میں علماء کرام کے علاوہ

گریجوایٹ بھی شامل تھے۔ جیسا کہ پیشتر ازیں بھی لکھا جا چکا ہے۔ اُن میں ایک انیس احمد بی۔اے بھی تھے۔ وہ اپنے عام جماعتی اسباق کے علاوہ حضرت مولانا لاہوریؒ سے صرف و نحو بھی پڑھا کرتے تھے۔ مولوی انیس احمد بی۔اے کو اپنے علمی مشاغل کے علاوہ ایک اچھے خاصے عالمِ دین کی ضرورت بھی جن کو وہ اپنی رفاقت میں علیگڈھ لے جانا چاہتے تھے۔ مولوی مذکور کے والدِ محترم مولانا ادریس احمد مرحوم علیگڈھ کالج میں ایک ممتاز عہدہ پر فائز تھے۔ اب مولوی انیس احمد نے حضرت سندھیؒ سے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ کہ وہ حضرت لاہوریؒ کو اُس کے ساتھ علیگڈھ بھیج دیں۔ لہٰذا حضرت سندھیؒ نے آپؒ کو علیگڈھ بھیج دیا۔ چونکہ آپ مع اہل وعیال تشریف لے گئے تھے۔ اس لئے آپ نے اپنا قیام تو شہر ہی میں رکھا۔ اور دن کے وقت مولوی انیس احمد کے ساتھ کالج تشریف لے جاتے۔ صرف ایک ماہ کے قیام کے بعد آپ مع اہل وعیال دہلی واپس آ گئے۔ دہلی میں بھی حضرت لاہوری مرحوم مدرسے میں رہنے کی بجائے ایک علیحدہ مکان میں رہا کرتے تھے۔

تحدیثِ نعمتِ الٰہی

ہمارے والدِ روحانی حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ کو خالقِ ارض وسما نے دل ودماغ کی ایسی قوتوں سے نوازا تھا۔ جن کی برکت سے آپ ہر موقعہ پر اپنے باقی شرکاء کار سے ممتاز نظر آتے تھے۔ جب آپ نظارۃ المعارف القرآنیہ میں تعلیم حاصل کرنے میں منہمک تھے۔ تو دو خصوصی امتیازات نے آپ کو باقی ہم سبقوں سے نمایاں حیثیت دے رکھی تھی۔ آپ نے ابتدا میں ہی حضرت سندھیؒ کی خدمت اقدس میں عرض کیا تھا۔ کہ وہ آپ کو درس کے وقت اپنی تقریر ضبطِ تحریر میں لانے کی اجازت مرحمت فرمائیں۔ انہوں نے ازراہِ شفقت اجازت دے دی اس لئے آپ کا معمول تھا۔ کہ آپ ایک دستہ کاغذ اور چار پنسلیں لے کر درس میں بیٹھ جاتے۔ اور اس سرعت اور بیدار مغزی سے حضرت سندھیؒ کی تقریر کے الفاظ احاطۂ تحریر میں لاتے۔

کہ حضرت سندھیؒ خود فرمایا کرتے تھے کہ آپ میرے الفاظ کو ۹۸ فیصد نقل کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ خداوند عالم کی یہ خصوصی عنایات کا ظہور تھا۔ کہ ایک نشست میں حضرت سندھیؒ جیسے متبحر عالمِ دین کی تقریر کے تیس تیس اور بعض اوقات چالیس چالیس صفحات نقل کئے جاتے تھے لیکن نہ ہاتھوں کو تھکاوٹ پریشان کرتی تھی اور نہ ہی دماغی توجہ میں فرق آتا تھا۔ طالب علمی کے زمانے کے اس انہاک نے آپ کو سیّد الاولیاء کے منصبِ جلیلہ تک پہنچا دیا۔ ہم نے عین پیرانہ سالی میں آپ کو اپنے حجرے میں بعض مضامین تحریر کرتے دیکھا ہے تو جس جودت و سرعت سے آپ اپنے کام کو مختصر وقت میں ختم کرتے تھے۔ اس کی مثال ہماری زندگیوں میں کہیں نہیں ملتی۔ کیوں نہ ہو۔ یہ ظاہری و باطنی کمالات اولیاء کرام کی صحبت میں رہنے کا نتیجہ تھے۔ اور خصوصیت سے امامِ انقلاب حضرت سندھیؒ کی تربیت نے آپ کی تمام قوتوں کو وہ جلا بخشی تھی۔ کہ جس کے فیوض و برکات صدیوں تک باقی رہیں گے۔ ؎

دل میں سما گئی ہیں قیامت کی شوخیاں
دو چار دن رہا تھا کسی کی نگاہ میں

حضرتؒ کی تحریر کی اہمیّت

جب حضرت سندھی ہندوستان سے ہجرت کر کے (جس کا ذکر بعد میں کیا جائے گا) افغانستان جانے لگے تو آپ نے اپنے عزیز القدر شاگرد حضرت لاہوریؒ سے فرمایا کہ آپ اپنی تحریر شدہ کاپیاں مجھے دے دیں۔ تو حضرت لاہوریؒ نے نہایت متواضعانہ انداز میں عرض کیا۔ کہ حضور! تعمیلِ ارشاد میں ذرا بھی تامل نہیں ہے۔ مگر اتنی سی التماس ضرور ہے۔ کہ یہ کاپیاں آپ کے دل و دماغ کا حاصل ہیں۔ آپ جب چاہیں گے ان سے بدرجہا بہتر تیار کروا سکتے ہیں۔ مگر کمترین کی بے بضاعتی کا تو یہ عالم ہے کہ کمترین کے پاس ان کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہے۔ لہٰذا اگر آپ ازراہِ تلطف ان اوراق کو میرے پاس ہی رہنے دیں تو مربیانہ عنایت ہوگی

حضرت سندھیؒ نے نہایت شفقت سے اس کو حُسنِ قبول عطا فرمایا۔ یہ کاپیاں جن میں حضرت سندھیؒ کے بیان کردہ نکات و رموز موجود تھے۔ تعداد میں سولہ تھیں۔ اور قرآن مجید کے فقط تیرہ ۱۳ پاروں کا نچوڑ تھیں۔ کیونکہ ابھی یہاں تک ہی نوبت پہنچی تھی۔ جبکہ حضرت سندھی رحمۃ اللہ علیہ کو نظارۃ المعارف القرآنیہ کو چھوڑ کر افغانستان کی طرف ہجرت کرنا پڑی۔ یہ واقعہ ضمنی طور پر اس جگہ بیان کیا گیا ہے۔ ورنہ چند اشارات باقی ہیں جن کا بیان کرنا ضروری ہے۔

فطرتِ سلیمہ کی رہنمائی

علم از تحقیق لذّت مے برد
عشق از تخلیقِ لذت مے برد
صاحبِ تحقیق را جلوت عزیز
صاحبِ تخلیق را خلوت عزیز

ترجمہ (علم کا شائق نکات و رموز کی جستجو میں لذّت حاصل کرتا ہے۔ لیکن جس کے سینے میں دیوانگی کا ولولہ موجود ہو۔ وہ فطرت کی رہنمائی میں ایک نئی دنیا آباد کرتا ہے۔ اہلِ علم اپنی جستجو کو منظرِ عام پر پیش کرنا چاہتا ہے لیکن عشق و جنون کا گھائل خلقِ خُدا سے دُور گوشہ نشینی اختیار کرتا ہے) باقی ہم مکتب علماء کرام کے خلاف آپ کا معمول تھا۔ کہ درس کے اوقات کے علاوہ تمام لمحات عجیب مصروفیت سے بسر فرماتے تھے۔ نمازِ فجر اور ظہر کے بعد درس قرآن مجید ہُوا کرتا تھا۔ طلبہ نمازِ عصر کے بعد شہر میں گھومنے کے لئے چلے جاتے تھے۔ مگر امام الاتقیاءؒ کو فطرت کے پُر ذوق رجحانات ایک نئی راہ پر لے جا رہے تھے۔ خداوند عالم کو اسی طرح منظور تھا۔ کہ وہ شخص جس کو لاہور جیسے شرک و بدعت اور کفر و عصیاں کے مرکز میں بیٹھ کر دینِ مصطفےٰ کی اشاعت و ترویج کا کام کرنا تھا۔ وہ اپنی زندگی کے لمحات کو کسی تنہا گوشے میں جا کر ذکر و فکر سے آراستہ کرے۔ تاکہ جب وہ رُوحانیت کا علمبردار بن کر مسندِ ارشاد پر جلوہ گری کرے۔ تو اس

کی جبینوں میں ہادیانہ انوار کی تابانی ہو۔ اُس کی زبان کے الفاظ دلوں میں راہ پائیں۔ اور اُس کی صحبت کے فیوض و برکات کا دائرہ عرب و عجم تک وسیع ہو۔ اور اگر سُنّتِ نبوی کی متابعت کے لحاظ سے اس عمل کو دیکھنا منظور ہو۔ تو حضرت لاہوریؒ کا یہ معمول سیّد الاوّلین والآخرین صلّی اللہ علیہ وسلّم کی پیروی میں تھا۔ جبکہ آپ غار حرا میں تشریف لے جاتے تھے۔ اور عزلت نشینی کا بفضل ایزد تعالےٰ یہ نتیجہ نکلا کہ وحیِ الٰہی کا نزول بھی اُنہی ایّام میں ہُوا۔

خلوت کی نورانی گھڑیاں

حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ خواجہ باقی باللہ مرحوم والے قبرستان میں تشریف لے جاتے تھے۔ وہاں کئی ایک غیر آباد مساجد موجود تھیں۔ آپ کسی مسجد کے منبر پر کھڑے ہو جاتے۔ اور تصوّر میں حاضرین کو سامنے بٹھا کر درس قرآن مجید شروع کر دیتے۔ اور ہر روز اسی طرح آپ حضرت سندھیؒ کے درس کی تقاریر از بر فرمایا کرتے۔ اور اپنے جسم کی تمام قوتوں کو قرآن حکیم کے سمجھنے میں وقف کر چکے تھے۔ اس مبارک زندگی میں دماغی کاوش۔ محنت پژوہی۔ ذکر و فکر کی ہمیشگی۔ تقویٰ و ورع کی تمام صورتوں کی پاسداری اور ضبطِ نفس کے مجاہدانہ اصول و آئین کی حفاظت آپ کا معمول بن چکا تھا۔ بارک اللہ! ایک رُوح تھی۔ جو قرآن مجید کی الہامی اقدار سے مالا مال ہو رہی تھی۔ ایک دل تھا جو کلامِ الٰہی کے قدسی انوار سے کسبِ ضیاء کر رہا تھا۔ ایک دماغ تھا جو پیغمبرانہ تدبّر و تفکّر کے ابواب میں محو تھا۔ ہاں ہاں ہادیانہ زندگی کی تعمیر فطرت کے اصولوں کے مطابق ہو رہی تھی۔ اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْکَ قَوْلًا ثَقِیْلًا (تحقیق ہم مستقبل میں آپ پر اشاعت و تبلیغ قرآن اور تزکیۂ قلوب کا فریضہ عائد کرنے والے ہیں) کے مصداق زندگی کو آئندہ مصائب کا متحمل بنایا جا رہا تھا۔ اِنَّ لَکَ فِی النَّھَارِ سَبْحًا طَوِیْلًا۔ کی مبارک سُنّت کی متابعت میں تمام دن کی محنت شاقہ اپنے پر لازم قرار دی گئی تھی۔ وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلًا کا ایک عملی ظہور

تھا۔ جوان خاموش تنہائیوں میں نظر آتا تھا۔ حقیقت ہے!

ہر کسے را بہر کارے ساختند

اور پھر اس پر اسی طرح کے راستے آسان کر دیئے جاتے ہیں۔ لیکن ایسی زندگی کے شام و سحر میں بلاکشی کے ولولے حیران کن حالت تک موجود ہوتے ہیں۔ ان کا ضمیر کربلاؤں میں پلتا ہے۔ مگر دل میں اطمینان کا نور ہوتا ہے۔ اُن کو قدم قدم پر مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ لیکن وہ خندہ پیشانی سے ہر مصیبت کا استقبال کرتے ہیں ؎

غواصِ محبّت کا اللہ نگہبان ہو
ہر قطرۂ دریا میں دریا کی ہے گہرائی — اقبالؒ مرحوم

مرزا غالبؔ نے قطرے سے موتی بننے تک کی درمیانی کیفیات کو بایں الفاظ بیان کیا ہے ؎

موج ہر بحر میں ہے۔ حلقۂ صد کام نہنگ
دیکھیں کیا گزرے ہے قطرہ پہ گُہر ہونے تک

اللہ والوں کی منزل کی مشکلات کو کسی نے یوں بھی پیش کیا ہے ؎

غافل مباش تا در بیت الحرامِ عشق
صد منزل است منزلِ اوّل قیامت است

بندہ کی اہلیہ کا بیان ہے۔ کہ حضرت باباجی اور اماّں جی کسی صورت میں بھی نمازِ تہجّد قضا نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ وہ کئی سال تک سِن شعور کے بعد حضرت مرحوم کے گھر میں رہی ہیں۔ دراصل اِنَّ نَاشِئَةَ الَّیْلِ هِیَ اَشَدُّ وَطْاً وَّ اَقْوَمُ قِیْلًا (تحقیق رات کا جاگنا نفس کو کچلنے والا ہے، اور پختہ بات ہے) کے مطابق حیاتِ عارفانہ کو زہد و ریاضت کی کٹھالی میں صاف کیا جا رہا تھا۔ یہ امر ہر لحاظ سے قابلِ تسلیم ہے۔ کہ نبوت و رسالت کا عطیہ وہبی طور پر ملتا ہے۔ اس میں کسبیاتِ بشر کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ مگر ولایتِ عظمٰی کے حصول

دہلی واپس آ گئے۔ اب یہ تینوں مذکورہ بالا مبلغ بھی اپنے مجوزہ دورے کی تکمیل کے بعد دہلی واپس پہنچ گئے۔

مضافاتِ آگرہ میں لوگوں کی مذہبی حالت

اُن دنوں دہلی اور آگرہ اگرچہ تہذیب و تمدن کے بہت بڑے مراکز سمجھے جاتے تھے مگر آگرہ کے مضافات میں بسنے والے مسلمانوں کی اسلام سے عدم واقفیت بڑی حد تک حیران کن تھی۔

حضرت شیخ التفسیر مرحوم نے آگرے کے مجوزہ دورے میں پچیس دیہات کا سفر کیا۔ لیکن صرف ایک بستی میں ایک مسجد نظر آئی۔ دیہاتوں کے باشندے اسلامی حکومت کے دوران میں اسلام تو قبول کر چکے تھے۔ مگر اسلام کے اصولوں سے کُلیۃً ناآشنا تھے۔ اُن کے نام غیر اسلامی تھے۔ مثلاً بعض آدمیوں کے نام محمد سنگھ اور محمد رام وغیرہ تھے۔ اُن کا تمدن ہر لحاظ سے ہندوانہ تھا۔ وہ اسلامی تہواروں سے بے خبر ہونے کی وجہ سے ہندو تہواروں میں بڑی شدومد سے شریک ہوتے تھے۔ حضرت لاہوریؒ کے دریافت کرنے پر وہاں کے لوگ آپ کو مسلمانوں کے گھروں کی نشاندہی کرتے تھے۔ اور جب حضرت رحمۃ اللہ علیہ اُن سے پوچھتے کہ اُن کے نکاح اور جنازے وغیرہ کون پڑھاتا ہے تو وہ جواب میں کہتے تھے کہ اچھنیرہ ریلوے اسٹیشن سے ایک قاضی صاحب اس کام کے لئے بُلائے جاتے ہیں۔

ایک دن حضرت مولاناؒ قاضی موصوف کو ملنے گئے۔ مگر قاضی صاحب گھر پر نہ تھے حضرت مولانا ایک مسجد میں اپنے قیام کا پتہ دے کر اُن کے گھر سے واپس ہوئے۔ چونکہ قاضی صاحب ضعیف و ناتواں شخص تھے۔ لہٰذا نکاح و جنازہ کے موقعہ پر اُن کا صاحبزادہ ہی یہ خدمات سرانجام دیتا تھا۔ اب قاضی صاحب نے اپنے صاحبزادہ کو حضرت لاہوریؒ

آپ کی زبان پر یہ الفاظ جاری تھے۔ کہ دیکھئے یہ اسلام کی برکت تھی۔ کہ چند منٹوں میں اُن لوگوں اسلام کے ابتدائی اصولوں کو اپنا لیا۔ ورنہ یہ راجپوت قوم کے افراد تھے۔ جن کی ذہنیت بدلنے کے لئے برسوں کی سرگرمیاں درکار ہوتیں۔

امامِ انقلاب علّامہ سندھیؒ اور جذبہ جہاد

مصلحت در دینِ ما جنگ و شکوہ
مصلحت در دینِ عیسےٰ غار و کوہ — پیرِ رومیؒ

اسلام جہاد ہے۔ اور جہاد اسلام ہے — (مولانا آزادؒ)

کسی کا ارشاد ہے۔

بجامِ جم نہ دہم مصرعۂ نظیریؔ را!
ہر آنکہ کشتہ نشد از قبیلۂ ما نیست

اقبال مرحوم نے بالِ جبریل میں شاہین کے عنوان سے ایک نظم لکھی ہے لیکن دراصل اس میں مجاہد فی سبیل اللہ کے اوصاف بیان فرماتے ہیں۔ اُس نظم کے چند اشعار زیرِ بحث موضوع کی تائید و تصدیق میں ہدیۂ ناظرین کئے جاتے ہیں۔

ہوائے بیاباں سے ہوتی ہے۔ کاری
جواں مرد کی ضربتِ غازیانہ
حمام و کبوتر کا بھوکا نہیں مَیں
کہ ہے زندگی باز کی زاہدانہ
جھپٹنا پلٹنا ۔ پلٹ کر جھپٹنا
لہو گرم رکھنے کا ہے۔ اِک بہانہ
یہ پُورب یہ پچھم چکوروں کی دُنیا
مرا نیلگوں آسماں بے کرانہ

پرندوں کی دنیا کا درویش ہوں میں
کہ شاہیں بناتا نہیں آشیانہ

اقبال علیہ الرحمۃ نے اس شعر میں بھی جہاد کی ترغیب دلائی ہے ؎

غریب وسادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسینؓ۔ ابتدا ہے اسمٰعیلؑ

حضرت سیّدالشہداء امام حسین رضی اللہ عنہ کی داستانِ شہادت بایں الفاظ پیش کرتے ہیں۔

نقشِ الا اللہ بر صحرا نوشت	سطرِ عنوانِ نجاتِ ما نوشت
رمزِ قرآں از حسینؓ آموختیم	ز آتشِ او شعلہ ہا اندوختیم
خونِ اُو تفسیرِ ایں اسرار کرد	ملّتِ خوابیدہ را بیدار کرد

ترجمہ (میدانِ کربلا میں توحید کا پیغمبرانہ علم بلند فرمایا۔ قربانی کی ایک ایسی مثال قائم کی کہ آپ کی پیروی کرنے سے ہم نجات حاصل کر سکتے ہیں۔

ہم نے قرآنِ حکیم کی آیت بَلْ اَحْیَاءٌ کا مفہوم امام حسینؓ کے کردار میں دیکھا ہے ہم مسلمانوں نے آپ کی زندگی کے مطالعہ سے جہاد فی سبیل اللہ کے جذبات حاصل کئے ہیں۔ آپ کی شہادت نے ہم پر اسلام کی حقیقت آشکار کر دی اور امّتِ محمدیہ کو درسِ حریّت دے کر ہمیشہ کے لئے زندہ کر دیا ہے)

رسولِ انس وجاں صلّی اللہ علیہ وسلم نے ہزاروں مرسلانہ اسلوب میں جہاد فی سبیل اللہ کی ترغیب دلائی ہے۔ مگر اس موقعہ پر صرف ایک ہی جملہ پر اکتفا کرتے ہیں۔ ارشادِ نبویؐ ہے۔ اَلْجَنَّةُ تَحْتَ ظِلَالِ السُّیُوْفِ (تلواروں کے سایہ میں جنّت ملتی ہے) خداوندِ عالم نے اِسلام کو غلبے کے لئے پیدا فرمایا ہے۔ لہٰذا قرآنِ عزیز نے جا بجا قتال کا حکم صادر فرمایا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ (اے نبی رحمت مومنوں کو کفار کے ساتھ قتال کرنے کی ترغیب دلایئے) متعدد احادیث و آیاتِ قرآنی سے جہاد غازیانِ اسلام اور شہداء کرام کی فضیلت کا پتہ چلتا ہے۔ لہٰذا قیامت تک رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں ایسے افراد ضرور رہیں گے۔ جو درہمے۔ قدمے۔ سخنے جہاد کرتے رہینگے۔ ایسے مجاہدین کی صفِ اوّل میں جگہ پانے والوں میں ہمارے حضرت مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم بھی تھے۔ آپ جہاں بھی رہے جذبۂ جہاد سے سرشار ہی رہے۔ ملّتِ بیضا کی شوکت کو بلند کرنے کی خاطر ہر قسم کی قربانی کے لئے ہمیشہ تیار رہتے تھے۔ خالقِ فطرت نے اُن کو اپنی حرّیت نوازی کا مظہر بنا رکھا تھا۔ وہ ہندوستان جیسے غلام آباد خطے میں پیدا ہوتے۔ مگر اُن کی سرشت میں انگریز دشمنی کا خمیر روزِ اوّل سے شامل کیا گیا تھا۔ اُن کی فطری آزادی اُن کو ہر وقت بیقرار رکھتی تھی۔ وہ مسیحی استبداد کے دشمن اور اسلامی حکومت کے متمنّی تھے۔ اُن کے جذبات میں ایک سیمابی اضطراب تھا۔ وہ انگریزوں کو جس محاذ پر پیشقدمی کرتے دیکھتے تھے۔ جوششِ جہاد سے دیوانہ ہو جاتے تھے۔ وہ اپنے مقصد کی تکمیل کی خاطر اپنے اہل و عیال، وطنِ عزیز بلکہ اپنی جان کی بازی لگانے سے بھی گریز نہیں کرتے تھے۔ اگرچہ پیش ازیں بھی چند ایک اشعار لکھے جا چکے ہیں۔ لیکن موقعہ کی مناسبت کی وجہ سے چند اشعار اور پیش کئے جاتے ہیں۔ تاکہ حضرت سندھی جیسے شہباز فطرت انسان کی زندگی کا صحیح نقشہ ہماری آنکھوں کے سامنے آجائے۔

نہنگ با بچہ خویش

نہنگے بچہ خود را چہ خوش گفت — بہ دینِ ما حرام آمد کرانہ

بہ موج آویز و از ساحل بپرہیز — ہمہ دریاست ما را آشیانہ

ترجمہ (ایک نہنگ نے اپنے بچے کو اپنی نسلی اور فطری عادت سے یوں آگاہ کیا۔ کہ

ساحل پہ آرام کرنا ہماری طریقت میں قطعاً حرام ہے۔ لہٰذا ہماری نسلی برتری کا یہ راز ہے کہ موجوں میں شناوری کرو۔ اور گردابوں میں چکر لگاؤ۔ اور جب تک بدن میں جان ہے۔ ساحل کے پاس بھی نہ پھٹکو۔ کیونکہ خالقِ فطرت کی مشیئت یہ ہے کہ نہنگ جبتک جئے۔ دریا کی متلاطم موجوں میں اپنا آشیانہ بنالے۔ اور ساحل کو دور سے بھی نہ دیکھے۔

تو در دریا نہ او در بر تست　　　　　بہ طوفاں در فتادن جوہر تست

چو یک دم از تلاطم ہا بیاسود　　　　　ہمیں دریائے تو غارتگر تست

ترجمہ (تُو دریا کے پیچ وتاب میں مجبور ومحصور نہیں ہے۔ بلکہ دریا تیرے قابو میں ہے۔ اور طوفانوں میں بیباکانہ شناوری کرنا تیری فطرت کا جوہر ہے۔ لیکن اگر تُو دریا کے تموّج سے ایک لمحے کے لئے بھی غافل ہوگا۔ تو یاد رکھئے۔ یہی دریا تیری فوری ہلاکت کا باعث بھی بن جائے گا۔

القصّہ جس نے حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ کی زندگی پر سرسری نظر بھی ڈالی ہے۔ اُس کو یقین کامل ہو جاتا ہے کہ یہ مردِ حق عصرِ حاضر کے تمام تقاضوں سے بےنیاز ہے۔ اُس کا کردار توکّل علی اللہ کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ اس کو طاغوتی خطرات قید و بند میں بھی خوفزدہ کرنے سے عاجز ہیں۔ اللہ اللہ حضرت سندھیؒ ایسے ماحول میں سانس لینا پسند کرتے ہیں۔ جس میں جری سے جری جوانمرد کا زہرہ بھی گداز ہو جائے۔

خطر پسند طبیعت کو ساز گار نہیں
وہ گلستاں کہ جہاں گھات میں نہ ہو صیاد　　　　اقبال مرحوم

جب ہم اُن کو گرجتے ہوئے طوفانوں کی طرف نہایت برق رفتاری سے بڑھتے ہوئے دیکھتے ہیں تو بے ساختہ یہ شعر یاد آتا ہے

اے ذوقِ اذیت مجھے منجدھار میں لے چل
ساحل پہ کچھ اندازۂ طوفاں نہیں ہوتا

مرحبا! یہ عزیمت۔ یہ پامردی۔ یہ جنون و دیوانگی! ہاں یہ مسلمہ امر ہے۔ کہ یہ علم کی کرشمہ سازیاں تو نہیں تھیں۔ یہ مصلحت وقت سے کوئی بلند تر مقام تھا۔ جس کی طرف براہیمی قوتوں سے پرواز جاری تھی۔ بھیانک سے بھیانک حالات پیش آتے۔ مگر آپ کی زبان پر یہ تہوّرانہ اعلان ہمیشہ جاری ہوتا تھا۔ ؎

حادثو! کچھ بھی توقف نہ کرو آنے میں!
ہم تو تیار ہیں ہر موجہ و طوفاں کے لئے

سبحان اللہ! نظارۃ المعارف القرآنیہ کا مہتمم ایک مولویانہ زندگی بسر کرتا ہُوا اپنے اندر وہ طوفانی جذبات رکھتا ہے۔ جو وقت کے بادشاہوں کو بھی نصیب نہیں ہوتے۔ اُس کے ہاتھوں میں دُنیاوی مال و متاع میں سے ایک حبّہ اور ایک شمّہ بھی نہیں ہے۔ لیکن پروردگارِ عالم کی قسم! اُس کے دل کی دُنیا مجاہدانہ انوار سے منوّر ہے۔ وُہ مسجد کا مُلّا نظر آتا ہے۔ مگر اپنے آپ کو کالی کملی والے صلّی اللہ علیہ وسلّم کا جانباز سپاہی سمجھتا ہے۔ لہٰذا اُس کی رُوح میں كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللهِ (اللہ تعالےٰ کے حکم سے کتنی دفعہ چھوٹی جماعتیں بڑی جماعتوں پر غلبہ و استیلا حاصل کر لیتی ہیں) کا ایک غیر متزلزل یقین ہے

حضرت سندھیؒ کا کابل تشریف لے جانا

ہم نے اس سے پہلے بھی بیان کیا ہے کہ ابھی تیرہ پارے ہی مدرسہ نظارۃ المعارف القرآنیہ دہلی میں ختم ہوتے تھے۔ جبکہ مدرسہ کو حالات کی ناسازگاری سے دوچار ہونا پڑا۔ یہ واقعہ ۱۹۱۴ء کا تھا۔ جبکہ تمام دُنیا کے بسنے والے پہلی جنگِ عظیم کے شعلوں کی لپیٹ میں آرہے تھے۔ اس جنگ میں ترک بھی شامل تھے۔ ترکی ایک اسلامی حکومت ہے۔ اور برطانیہ اُس کے خلاف برسرِ پیکار تھا۔ حضرت مولانا سندھیؒ پران واقعات سنے دل کا چین

اور رات کی نیند حرام کر رکھی تھی۔ وہ انگریزوں کے خلاف ترکوں کی مدد کرنا چاہتے تھے۔ یا یوں سمجھئے کہ اسلام کے ساتھ جو ان کا تعلق تھا اُس کا حق ادا کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے آپ نے ایک اور حجرہ نشیں لیکن عصرِ حاضر کے ایک مجاہدِ کبیر حضرت مولانا محمود حسن مرحوم سے مشورہ کیا۔ جنھوں نے حضرت سندھیؒ کو حکماً فرمایا کہ "آپ کابل میں ہجرت کر کے چلے جائیں۔" اب ہجرت کا معاملہ صیغۂ راز میں رکھنا ضروری تھا۔ چنانچہ آپ بھیس بدل کر صوبہ سندھ سے ہوتے ہوئے کوئٹہ پہنچے۔ اگرچہ مولانا سندھیؒ نے تمام سفر ریل سے طے کیا۔ اور حکومت کی سی۔آئی۔ڈی سایہ کی طرح آپ کے تعاقب میں تھی لیکن اہل اللہ کی عقل دُنیاداروں کی عقل سے تیز ہوتی ہے۔ گورنمنٹ کے اہل کاروں نے ہزار تلاش کی۔ مگر مولانا سندھیؒ بفضل ایزد متعال کوئٹہ سے کابل پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔

عشق کامل ہو تو ناکامی نہ ہو اے دل تجھے
ڈھونڈھ لے ساحل تجھے آواز دے منزل تجھے

حضرت شیخ التفسیر اور نیابت کے فرائض

حضرت سندھیؒ جب مدرسہ نظارۃ المعارف القرآنیہ دہلی سے رُخصت ہونے لگے تو آپ نے تمام انتظامات کی ذمہ داری حضرت لاہوری مرحوم کے کندھوں پر ڈال دی اور تحریری طور پر حضرت لاہوری مرحوم کو مدرسۂ مذکور کا نگرانِ اعلیٰ بنا دیا۔ حضرت سندھیؒ کی یہ ہجرت غالباً ۱۹۱۵ء کے شروع میں ہوئی۔ اور اُن کے کابل تشریف لے جانے کے بعد ہمارے حضرت نے دو سال تک درس و تدریس کا کام پوری دلجمعی اور مجاہدانہ مستعدی سے سرانجام دیا۔

بیگم صاحبہ والیٔ بھوپال کا وظیفہ

مدرسہ نظارۃ المعارف القرآنیہ دہلی کے ابتدائی ایّام میں حضرت سندھیؒ کی

ملاقات بیگم صاحبہ والیِ بھوپال سے ہُوئی۔محترمہ موصوفہ حضرت سندھیؒ کے تبحرِ علمی اور مدرسے کے اغراض و مقاصد کی تفصیل سُن کر اس قدر متاثر ہوئیں کہ اُنھوں نے حضرت سندھیؒ کے لئے دوسو روپے ماہوار وظیفہ مقرر کر دیا۔اور یہ وظیفہ حضرت سندھیؒ کے ذاتی اخراجات کے لئے مخصوص تھا۔

وظیفہ کا حضرت لاہوریؒ کے نام منتقل ہونا

حضرت سندھیؒ کی ہجرت کے متعلق جب بیگم صاحبہ کو خبر پہنچی۔تو ساتھ ہی یہ بھی اطلاع دی گئی۔کہ مولانا کابل جاتے ہوئے ایک عالمِ دین کو اپنا قائم مقام بنا گئے ہیں۔اس وقت اللہ والوں کی شانِ استغنا ملاحظہ ہو۔کہ ہجرت کی اطلاع نظارۃ المعارف القرآنیہ دہلی کی طرف سے نہیں کی گئی۔بلکہ بیگم صاحبہ کو یہ خبر کسی اور ذریعے سے ہُوئی۔لہٰذا محترمہ موصوفہ نے اس خبر کی تصدیق کے لئے حضرت مولانا مفتی انوار الحق اور خلف الرشید حضرت مولانا عبد اللہ ٹونکی کو دہلی روانہ کیا۔اور یہ بھی تاکید کی کہ وہ حضرت سندھیؒ کے قائم مقام کی علمی حیثیت اور عملی قوّت کا پُورا پُورا جائزہ لیں۔مقصد یہ تھا کہ کیا مدرسے کے انتظامات مولانا کی غیر حاضری میں بطریقِ احسن سر انجام دیئے جا رہے تھے یا نہیں؟ اُس وقت حضرت لاہوریؒ کے درس میں مشن کالج دہلی کے طلبہ کی ایک جماعت قرآن مجید کا ترجمہ پڑھ رہی تھی۔حضرت مفتی صاحب نہایت خاموشی سے درس میں آکر بیٹھ گئے۔اور کافی دیر تک قرآن مجید کے ترجمے کی سماعت فرمانے کے بعد تشریف لے گئے۔اب بیگم صاحبہ نے جناب مفتی صاحب کی رائے کے مطابق دو صد ماہانہ وظیفہ حضرت مولانا لاہوری مرحوم کے نام منتقل کر دیا۔

شانِ اسماعیلی کا ظہور

حضرت سندھیؒ کی انقلابی زندگی نے اپنے تمام متعلقین کے قلوب میں ایک ہیجان بپا

کر رکھا تھا۔ جبکہ حضرت لاہوریؒ کی زندگی کا تو ہر سانس حضرت سندھیؒ کی دینی سرگرمیوں سے ناشی تھا۔ مدرسہ نظارۃ المعارف القرآنیہ میں حضرت لاہوریؒ حضرت سندھیؒ کے ارشاد کے مطابق اپنے ایّام وشہور بسر کر رہے تھے۔ اور ہر وقت ہر حکم کی تعمیل کے لئے مستعد رہتے تھے۔ گویا فرمانبرداری اور آدابِ فرزندی میں شانِ اسماعیلی کی جھلکیں نظر آتی تھیں۔ حضرت سندھیؒ آپ کو شرفِ دامادی سے بھی نواز چکے تھے۔ شاگردی کی سعادت اور مجاہدانہ تربیت کے اثرات نے حضرت لاہوریؒ کے زرِ خام کو کُندن کی تابانیاں عطا کر رکھی تھیں۔ کسی روحانی باپ نے شاذ و نادر ہی ایسی رُوحانی اولاد پائی ہو گی حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ مسندِ رشد پر بیٹھ کر بڑے فخر کے ساتھ یہ واقعہ بیان فرمایا کرتے تھے کہ ایک دفعہ حضرت سندھیؒ نے مجھ کو لوگوں کے سامنے جُوتوں سے پیٹا۔ فرمایا کرتے تھے۔ کہ میں اُس وقت صاحبِ اولاد بھی تھا۔ اور مُعلّمی کے فرائض بھی سرانجام دیا کرتا تھا۔ حضرت سندھیؒ جب مجھ پر برس رہے تھے تو ایک شخص نے درمیان میں مزاحم ہونا چاہا۔ میں نے اُس کی خدمت میں عرض کیا۔ کہ حضور! وہ میرے باپ ہیں۔ اور میں اُن کا بیٹا ہوں لہٰذا آپ ہمارے معاملے میں نہ آئیے۔ اللہ! اللہ! نرینہ اولاد کی حلم و انکساری کا یہ نقشہ تو آج کل کلیۃً مفقود ہے۔ اور اُدھر امامِ انقلاب حضرت سندھیؒ کی مجذوبانہ اور باغیانہ سرگرمیوں میں گوارانہ تعاون کرنا وقت کی تمام مصلحتوں کی یکسر قربانی کے مترادف تھا۔ حکومت برطانیہ کی بیخکنی کے منصوبوں کی تیاری ہر شخص کا کام نہ تھا۔

اس وقت ہم "علماء حق" کتاب حصّہ اوّل مصنّف مولانا سیّد محمد میاں صاحب ناظم جمعیۃ علماء ہند کے چند ایک اقتباسات پیش کرتے ہیں۔ تاکہ حضرت شیخ الہند مرحوم حضرت امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم اور حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ کی اولوالعزمانہ حیات کا پُورا پُورا نقشہ آ سکے۔

عنوان ماخوذ از کتاب مذکورہ بالا

چہرے فرمایند جاسوسانِ فرنگ

وقت ہے کہ حضرت شیخ الہندؒ کی تحریک کے متعلق اراکین رولٹ ایکٹ کمیٹی کی تحقیقات سے بھی ناظرین کو مطلع کیا جاتے۔

اس رپورٹ میں ایک عنوان قائم کیا گیا ہے۔" ہندوستانی مذہبی مجنوں" ان مجنونوں میں سب سے پہلے حضرت سیّد صاحب شہیدؒ کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اور وہی افترا اور بہتان دہرایا جو علماء اسلام کے متعلق اس قوم کی عادت ہے۔ لٹیرے تھے۔ عبدالوہاب نجدی کے شاگرد تھے۔ وغیرہ وغیرہ۔

سیّد صاحب کی تحریک کے مسخ شدہ تذکرے کے بعد مسٹر ولیم ہنٹر آئی سی ایس آنجہانی کا قول ہے۔ جو اُن کی کتاب " ہمارے ہندوستانی مسلمان" سے نقل کیا گیا ہے۔ کہ" اس میں ذرا بھی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ کہ اگر یہ ایکٹ (سازشی ایکٹ نمبر۳) اس سازش میں استعمال کیا جاتا۔ جس کا نتیجہ ۱۸۸۵ء کی مہم اور اس کی تحقیقاتوں کی شکل میں نکلا۔ تو برطانوی ہند کو ۱۸۶۳ء کی (وہابیوں کی جنگ) تکلیف نہ اُٹھانا پڑتی۔ اگر چند صحیح گرفتاریاں ہو جاتیں۔ تو ہمارے ایک ہزار سپاہی درۂ بیلا میں قتل و مجروح ہونے سے محفوظ رہتے۔ اور لاکھوں پونڈ کا خرچ بچ جاتا۔

جنگ کے بعد بھی اگر اس سازش میں جو ۱۸۶۴ء کے مقدمہ سے منکشف ہوئی۔ انتظامی حُکّام کے اختیارات کا سخت استعمال کیا جاتا۔ تو اغلباً ہم ۱۸۶۸ء کی مہم "کوہِ سیاہ" سے محفوظ رہتے۔

غرض اسی قسم کے دیگر واقعات پر اظہار افسوس کرنے کے بعد رولٹ ایکٹ کمیٹی (Rowlatt Act Committee) کے ارکان تحریر کرتے ہیں۔

ریشمی خطوط والی سازش

اگست ۱۹۱۶ء میں اس تجویز کا انکشاف ہُوا۔ جو گورنمنٹ کے کاغذات میں ریشمی خطوط والی سازش کہلاتی ہے۔

یہ تجویز تھی۔ جو ہندوستان میں تیار کی گئی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ شمال مغربی سرحد سے ایک حملہ ہو۔ ادھر ہندوستان کے مسلمان اُٹھ کھڑے ہوں۔ اور سلطنت برطانیہ کو تباہ و برباد کر دیا جائے۔ اس تجویز پر عمل کرنے اور تقویت دینے کے لئے ایک شخص مولوی عبیداللہ نے اپنے تین رفقاء فتح محمد اور محمد علی کو ساتھ لے کر اگست ۱۹۱۵ء میں شمال مغربی سرحد کو عبور کیا۔ عبیداللہ سکھ سے مسلمان ہوا ہے۔ اور صوبجات متحدہ کے ضلع سہارنپور میں مسلمانوں کے مذہبی مدرسہ دیوبند میں اس نے مولوی کی تعلیم پائی تھی۔ وہاں اُس نے اپنے جنگی اور خلاف برطانیہ خیالات سے مدرسے کے عملے کے خاص لوگوں اور کچھ طلبہ کو متاثر کیا۔ اور سب سے بڑا شخص جس نے اُس پر اثر ڈالا وہ مولانا محمود الحسن تھا۔ جو سکول میں بہت عرصہ ہیڈ مولوی رہ چکا ہے۔ عبیداللہ چاہتا تھا۔ کہ دیوبند کے مشہور مدرسہ کے تعلیم یافتہ مولویوں کی رفاقت سے تمام ہندوستان میں ایک عام اسلامی جوش اور مسلمانوں میں برطانیہ کے خلاف تحریک پھیلا دے۔ لیکن اُس کی تجاویز کے راستے میں مدرسے کے مہتمم اور انجمن کے لوگ سد راہ ہوئے۔ اُنہوں نے اُسے اور اس کے چند ساتھیوں کو مدرسے کی ملازمت سے برخاست کر دیا۔

اس امر کا بھی ثبوت مل چکا ہے۔ کہ وہ بعض حالات میں مصیبت میں گرفتار رہا۔ پھر بھی وہ مولانا محمود الحسن کے پاس عام طور پر آتا رہا۔ مولانا کے مکان پر خفیہ جلسے ہوتے رہے۔ اور اس امر کی اطلاع ملی ہے (یہ اطلاع دینے والے اغلباً وہی انیس احمد بی اے ہیں جو علی گڈھ کالج سے عربی کی تعلیم کے لئے دیوبند گئے تھے۔ اور حضرت شیخ الہند سے انتہائی عقیدت کا

اظہار کیا کرتے تھے) کہ سرحد سے کچھ آدمی بھی وہاں آتے تھے۔

۱۸ ستمبر ۱۹۱۵ء کو محمود حسن نے بھی ایک شخص محمد میاں اور دو دوستوں کے ساتھ عبیداللہ کی مثال کی پیروی کی اور شمال کی طرف جانے کے لئے نہیں۔ بلکہ عرب کے صوبہ حجاز میں مقیم ہونے کے لئے ہندوستان چھوڑ دیا۔

روانہ ہونے سے پہلے عبیداللہ نے دہلی میں ایک مدرسہ قائم کیا۔ اور دو ایسی کتابیں معرضِ اشاعت میں لایا۔ جن میں ہندوستانی مسلمانوں کو جنگی اور مذہبی جوش کی ترغیب دی گئی تھی۔ اور اُن کو جہاد کے فرضِ اولیٰ کے ادا کرنے پر آمادہ کیا گیا تھا۔ اُس شخص کا اور اس کے دوستوں کا جن میں مولانا محمود الحسن صاحب بھی شامل ہیں۔ عام مقصد یہ تھا۔ کہ مسلمانوں کا ایک بہت بڑا زبردست حملہ ہندوستان پر ہو۔ اور مسلمانوں کی بغاوت سے اس کو تقویت پہنچے۔ اب ہم ذیل میں اُن کوششوں کا ذکر کریں گے۔ جو ان لوگوں نے اپنے مقاصد میں کامیاب ہونے کے لئے کیں۔

عبیداللہ اور اُس کے دوست پہلے ہندوستانی مجنونانِ مذہبی کے پاس گئے۔ اور اس کے بعد کابل پہنچے۔ وہاں وہ ترکی جرمنی کے ممبروں سے ملے۔ اور اُن سے تبادلہ خیالات کیا۔ اور تھوڑے عرصے کے بعد اُن کا دیوبندی دوست مولوی محمد میاں انصاری بھی اُن سے آن ملا۔ یہ آدمی مولانا محمود الحسن کے ساتھ عرب گیا تھا۔ اور ۱۹۱۶ء میں اعلانِ جہاد ساتھ لے کر آیا تھا۔ جو حجاز کے ترکی فوجی حاکم۔ غالب پاشا نے مولانا محمود الحسن کو دیا تھا۔ اثنائے راہ میں محمد میاں اس تحریر (جو غالب نامہ سے مشہور ہے) کی نقلیں ہندوستان اور سرحدی قوموں میں تقسیم کرتا ہُوا آیا۔

عبیداللہ اور اُس کے ساتھی سازشی لوگوں نے ایک تجویز تیار کی تھی۔ کہ جب سلطنت کو مٹایا جائے۔ تو ہندوستان میں ایک عارضی حکومت قائم کی جائے۔

ایک شخص مہندر پرتاپ اُس کا پریذیڈنٹ ہونے والا تھا۔ یہ شخص ایک اچھے خاندان

کا ہندو اور خود رائے وہمی سیرت کا آدمی ہے۔ اور ۱۹۱۴ء میں اُسے اٹلی۔ سوئٹزرلینڈ اور فرانس میں سفر کرنے کا پروانہ راہداری دیا گیا تھا۔ وہ سیدھا جنیوا کو گیا۔ وہاں ہردیال سے ملا۔ اور ہردیال نے اُس کا جرمن کونسل سے تعارف کرایا۔ اس کے بعد وہ جرمن چلا گیا۔

ایک شخص جو عبیداللہ کو اچھی طرح جانتا ہے۔ اُس کی نسبت لکھتا ہے۔ کہ وہ شخص تجویزیں تیار کرنے میں بہت عجیب و غریب اور غیر معمولی آدمی تھا۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی بڑی سلطنت کا حکمران ہے۔

وہ وہاں سے کسی خاص مشن کے لئے بھیج دیا گیا۔ کیونکہ اُس نے جرمنوں پر اپنی اہمیت کا اثر مبالغہ آمیز طریقے پر ڈالا۔

خود عبیداللہ ہندوستان کا وزیر ہونے والا تھا۔ اور کرشنا ورما کا دوست اور امریکن غدر پارٹی کا ممبر برکت اللہ جس نے برلن کے راستے کابل کا سفر کیا تھا۔ وزیر اعظم ہونیوالا تھا۔ یہ شخص ریاست بھوپال کے ایک ملازم کا بیٹا تھا۔ اور انگلستان۔ امریکہ اور جاپان ہو آیا تھا۔ یہ شخص ٹوکیو میں ہندوستانی کا پروفیسر مقرر ہوا تھا۔ اور وہاں اُس نے برطانیہ کے خلاف ایک نہایت تیز اخبار (Islamic Fraternity) اسلامک فریٹرنٹی کے نام سے جاری کیا تھا۔ اس اخبار کو بعد میں جاپانی حُکّام نے بند کر دیا۔ اس کے بعد وہ اپنے عہدے سے موقوف کر دیا گیا۔ اور پھر وہ امریکہ جاکر اپنے غدری دوستوں میں مل گیا۔

وہ جرمن جو افغانستان میں اپنے مقاصد کے لئے آئے تھے۔ جب ناکام رہے تو ۱۹۱۶ء میں واپس چلے گئے۔ مگر ہندوستانی وہیں رہے۔ اور حکومت عارضی والوں نے روسی ترکستان کے حاکم اور زار روس کو اس مضمون کے خط لکھے۔ کہ روس کو چاہیے کہ برطانیہ کلاں سے اتحاد کو خیر باد کہکر ہندوستان سے سلطنت برطانیہ کے مٹا دینے کی کوشش میں امداد کرے۔ ان خطوط پر مہندر پرتاپ کے دستخط تھے۔ آخر وہ برطانیہ کے ہاتھ آ گئے۔ شہنشاہ روس نے

نام جو خط تھا سونے کے پتّر پر لکھا گیا تھا۔ جس کی عکسی تصویر ہمیں دکھائی گئی۔

"حکومت عارضی" نے ترکی گورنمنٹ کے ساتھ اتحاد پیدا کرنے کی تجویز بھی کی۔ اور اس مقصد کے حصول کے لئے عبید اللہ نے اپنے پرانے دوست محمود الحسن صاحب کو خط لکھا۔ یہ خط اور ایک اور خط مورخہ ۸ رمضان مطابق ۹ جولائی ۱۹۱۶ء کے ساتھ جو محمد میاں انصاری نے لکھا تھا۔ بند کر کے اُس نے حیدر آباد سندھ کے شیخ عبدالرحیم کے نام ایک نوٹ لکھ کر بھیج دیا۔ یہ شخص اس وقت مفقود الخبر ہے۔ شیخ عبدالرحیم سے اس نوٹ میں التجا کی تھی کہ وہ کسی معتبر حاجی کے ہاتھ وہ خطوط مکّہ میں مولانا محمود الحسن صاحب کو پہنچا دے۔ وہ خطوط زرد ریشمی کپڑے پر بہت صاف اور خوشخط لکھے ہوتے ہیں۔

محمد میاں کے خط میں یہ باتیں لکھی تھیں:-

"جرمن اور ترک وفود کا آنا۔ جرمنوں کا واپس جانا۔ ترکوں کا بغیر کسی کام کے رہ جانا۔ غالب نامہ کی اشاعت۔ حکومت کی تجویز۔ خدائی فوج کی مجوّزہ ساخت۔ اس فوج کے لئے یہ تجویز تھی۔ کہ اس کے لئے ہندوستان سے رنگروٹ بھرتی کئے جائیں اور مسلمان حکمرانوں کے درمیان اتحاد پیدا کیا جائے۔ محمود حسن ان تمام معاملات کو حکومتِ عثمان تک پہنچانے پر مقرر کیا گیا تھا۔ عبید اللہ کے خط میں خُدائی فوج کا ایک نقشہ تھا۔

اس فوج کا ہیڈ کوارٹر مدینہ اور اُس کا جنرل انچیف محمود حسن ہونے والا تھا۔ دوسرے ہیڈ کوارٹر مقامی جرنیلوں کے ماتحت قسطنطنیہ۔ طہران اور کابل میں قائم ہونے والے تھے۔

کابل میں خود عبید اللہ جرنیل مقرر ہونے والا تھا

اس نقشہ میں تین سرپرستوں ۱۲ فیلڈ مارشلوں اور بہت اعلیٰ فوجی افسروں کے نام تھے۔ لاہور کے بھاگے ہوئے طالب علموں میں سے ایک میجر جرنیل اور کرنیل اور چھ

لفٹیننٹ کرنیل ہونے والے تھے۔ جو اشخاص ان اعلےٰ عہدوں کے لئے منتخب کئے گئے اُن میں سے اکثر ایسے تھے جن سے اُن کے تقرر کے متعلق مشورہ نہیں لیا گیا تھا لیکن ریشمی خطوط سے جو اطلاعات ملیں۔ اُن میں بعض تدارک ضروری تھے۔ وہ کئے گئے۔

دسمبر ۱۹۱۶ء میں مولانا محمود حسن اور اُن کے چار رفقاء برطانیہ کے ہاتھ آ گئے۔ وہ اس وقت جنگی قیدی ہیں۔ اور برطانیہ کی سلطنت کے ایک حصّے میں نظر بند ہیں۔

غالب نامہ کی تشریح

غالب پاشا کی جس نے غالب نامہ پر دستخط کئے تھے۔ جو آج کل جنگی قیدی ہے۔ اور وہ اس امر کا اقبال کرتا ہے کہ اس نے اس کاغذ پر دستخط کئے تھے جو محمود حسن پارٹی نے اس کے روبرو پیش کیا تھا۔ اُس کے ضروری حصّہ کا ترجمہ یہ ہے۔

ایشیا۔ یورپ اور افریقہ کے مسلمان ہر قسم کے اسلحہ سے آراستہ ہو کر خدا کی راہ میں جہاد کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ خدائے قادر و قیوم کا شکر ہے۔ کہ ترکی فوج اور مجاہدین دشمنانِ اسلام پر غالب آ گئے ہیں۔ اس لئے اے مسلمانو اس ظالم عیسائی حکومت پر حملہ کر دو۔ جس کی قید میں تم پڑے ہو۔ بہت جلد عزم صمیم سے اپنی تمام کوششوں کو دشمن کے مار ڈالنے کے لئے وقف کر دو۔ اور ان سے نفرت اور دشمنی ظاہر کر دو۔

تمہیں یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ مولوی محمود حسن آفندی جو پہلے ہندوستان کے مدرسہ دیوبند میں تھے۔ ہمارے پاس تشریف لائے۔ اور ہم سے مشورہ لیا۔ ہم نے اس خیال میں اُن کی تائید کی۔ اور اُنہیں ضروری ہدایات دے دی ہیں۔ اگر وہ تمہارے پاس آئیں تو تم اُن پر اعتماد کرو۔ اور آدمیوں۔ روپے اور ہر چیز سے جو وہ طلب کریں اُن کی امداد کرو۔

رولٹ ایکٹ کمیٹی کے ارکان کو اگرچہ واقعات کا صحیح علم نہ ہو سکا۔ گزشتہ تحریر سے حضرت شیخ الہند مرحوم کی جلالت اور آپ کی تجویز کا کافی اندازہ ہو گیا۔

نتیجہ

حضرت شیخ کی تجویز بلاشبہ کامیاب تھی۔ مگر افسوس عربوں کی بغاوت اور جرمنی کی اچانک شکست نے اس کو ناکام کر دیا۔ اسی کا اثر تھا۔ کہ حضرت شیخ قدس سرہ کو عربوں سے سخت کبیدگی اور نفرت ہو گئی تھی۔

جب ہندوستان تشریف لاتے۔ تو مرادآباد میں حضرت شیخ کو مدعو کیا گیا۔ استقبال کے لئے اسٹیشن پر مرادآباد اور اطراف کے والنٹیروں کا بہت بڑا مجمع تھا۔ اُن میں سو بارہ کے والنٹیر عربی طرز کا عبا پہنے ہوتے اور عقال باندھے ہوئے تھے حضرت شیخ تشریف لائے۔ اُن دیسی عربوں کی وردی کو دیکھا تو ارشاد فرمایا۔ "یہ غدّاروں کا لباس ہے۔ اس کو اُتار دو۔"

محولہ بالا اقتباسات کا مقصد یہ ہے کہ حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ کی حیاتِ ولایت آثار کا مطالعہ کرنے والوں پر یہ حقیقت تاریخی شواہد سے واضح ہو جائے کہ آپ کس جماعت سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ جن کو پروردگار عالم نے پیکرِ حریت بنا کر دُنیا میں بھیجا تھا۔ آپ کے بچپن سے عین شباب تک آپ کی سرپرستی کرتے رہے۔ رولٹ ایکٹ کمیٹی کی رپورٹ میں مولانا سندھیؒ کی سرفروشانہ کوششوں کا تذکرہ پڑھ کر انسان حیرت زدہ رہ جاتا ہے۔ اور اُن کو ایک مافوق الفطرت شخصیت تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ ایک درویش صفت انسان میں عالمگیر انقلاب کے ولولے موجود ہوں۔ برطانیہ جیسی فرعون دماغ ظالم و جابر حکومت کا تختہ اُلٹنے کے منصوبے رات دن تیار کئے جائیں۔ تمام اسلامی سلطنتوں اور غیر مسلم طاقتوں کو ہندوستانی غلاموں کی رہائی میں مدد کرنے کی دعوت دی جائے۔ اگر ان مساعیِ جمیلہ کو کلیم اللّٰہی تائیدات کا حامل نہ سمجھا جائے۔ تو اور کیا

سمجھا جاتے۔ اب ہم حضرت شیخ التفسیر کے حالات پر قلم اُٹھاتے ہیں۔ اور حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے کارہائے نمایاں کو اور کسی مناسب جگہ بیان کیا جائے گا۔ رولٹ ایکٹ کی عبارات کی نقل اس موقعہ پر پیش کرنے کا مقصد یہ تھا کہ اس سازش کے نتیجے میں حضرت مولانا لاہوریؒ گرفتار ہوتے تھے۔

دہلی سے حضرت مولانا کی گرفتاری

امام انقلاب حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ نے کابل میں بیٹھ کر چند ضروری شخصوں کو پیغام ارسال فرماتے۔ یہ خطوط حضرت لاہوری کے پاس دہلی پہنچائے گئے۔ آپ نے حضرت سندھیؒ کی ہدایت کے مطابق مکتوب الیہم کو پہنچانے کا خفیہ انتظام فرمایا۔ مگر سرزمین ہند کی تیرہ بختی کا کیا کہیے۔ ؎

طائروں پہ سحر ہے صیاد کے اقبال کا
اپنی منقاروں سے حلقہ کس رہے ہیں جال کا

یہ خطوط جن میں انقلاب کا پیغام تھا۔ غلام اذہان پر کماحقہٗ اثر ڈالنے سے قاصر رہے۔ اگر حضرت سندھیؒ کے ارشاد کے مطابق پروگرام مرتّب کیا جاتا۔ تو یقیناً انگریزوں کے لئے ہندوستان کے قیام میں صد ہزار اُلجھنیں پیدا ہوتیں۔

اب ان خطوط کے تقسیم ہونے سے چھ ماہ بعد امام تجدید و انقلاب حضرت سندھیؒ نے ایک آدمی کے ذریعے پھر اسی نوعیت کے خطوط ارسال فرماتے۔ سوء اتفاق سے وہ خطوط پکڑے گئے۔ اور اُس لانے والے آدمی کی وساطت سے سابقہ خطوط کا راز بھی افشا ہو گیا۔

اور کچھ اس طرح معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان نئے فرستادہ خطوط میں مولانا سندھیؒ کے متعلقینِ خاص کا ذکر تھا۔ یہ لوگ صوبجاتِ ہند اور بہاولپور میں پھیلے ہوتے تھے۔ چنانچہ

خطوط کے پکڑے جانے کے بعد گورنمنٹ آف انڈیا نے ایک ہی دن میں اور ایک ہی وقت پر مولانا موصوف کے تمام متعلقین کو گرفتار کر لیا۔

نگاہِ عشق دلِ زندہ کی تلاش میں ہے

شکارِ مردہ سزاوارِ شہباز نہیں اقبال مرحوم

ایک دن حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ حسب معمول نماز صبح کے بعد مدرسہ نظارۃ المعارف القرآنیہ میں درسِ قرآن مجید دے رہے تھے۔ اور تعلیم یافتہ نوجوان آپ کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں ایک سپرنٹنڈنٹ پولیس اور دو آنریری مجسٹریٹ درسگاہ میں آدھمکے۔ سپرنٹنڈنٹ ایک انگریز تھا۔ وہ آگے بڑھا اور اُس نے وارنٹ گرفتاری حضرت مولاناؒ کے ہاتھ میں دے کر تمام لوگوں کو مدرسے سے باہر نکال دیا۔ اور کمرے کو مقفّل کر کے حضرت والاشان کو حراست میں لے لیا۔

ایں سعادت ہمرہِ شہباز و شاہیں کردہ اند

اب آپ کو ساتھ لے کر آپ کے مکان پر پہنچے۔ جو فتح پوری مسجد سے قاضی حوض جانے والی سڑک پر کٹڑہ بیڑیاں میں تھا۔ وہاں جا کر حضرت کے اہل و عیال کو مکان کی چھت پر چڑھا دیا۔ اور خانہ تلاشی شروع کی گئی۔

ایک میرے آشیاں کے چند تنکوں کے لئے

برق کی زد میں گلستاں کا گلستاں رکھ دیا

حضرتؒ کی وہ قلمی تحریرات جو قرآن مجید سے متعلق تھیں۔ اور وہ کتب جن کو اس عملے نے مخدوش سمجھا۔ ایک ٹرنک میں بھر لیا۔

سی۔ آئی۔ ڈی کے ایک مسلمان ملازم کی وفاداری

مکرم المقام جناب منظور سعید صاحب جن کو یہ تمام حالات حضرت سیّد الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ

کی زبانِ مبارک سے سُن کر لکھنے کا اوّلین شرف حاصل ہُوا تھا۔ اس جگہ یوں رقمطراز ہیں۔
"تحریر کو بابرکت بنانے کے لئے مَیں نے حضرت مولاناؒ کے اکثر عنوانات میں تبدیلی نہیں کی۔ حتیٰ کہ بیشتر الفاظ حضرتؒ کے ہی ارشاد کردہ ہیں۔ جو استعمال کئے گئے ہیں۔ اور اگر مندرجہ بالا عنوان بھی حضرت والاشان کا تجویز کردہ نہ ہوتا۔ تو شاید بیدمؔ مرحوم کے اس مصرعہ کو بطور عنوان قائم کرتا۔

وہ بھی اس غارتگرِ جاں کا شریکِ راز تھا

یہ عنوان یا تو طنزاً اختیار کیا گیا ہے یا اُس آدمی کی وفاداری کو حکومت برطانیہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ بہر صورت اس جگہ پر وفاداری کا لفظ غدّاری کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ لہٰذا واقعہ یہ ہے کہ جب سپرنٹنڈنٹ نے خانہ تلاشی سے فارغ ہو کر ایک ٹرنک کتابوں سے بھر لیا۔ اور باہر صحن میں آکر کھڑا ہو گیا۔ تو سی۔آئی۔ڈی کا ایک آدمی جو مسلمان تھا۔ اور روزانہ درس میں شریک ہوتا تھا۔ اندر گیا۔ اور گھور گھور کر مکان کی چھت کی طرف دیکھنے لگا۔ چھت کی کانس میں اُس کو ٹین کی ایک چمکتی ہُوئی نلکی نظر آئی۔ لہٰذا اُس نے باہر آکر سپرنٹنڈنٹ کو بتایا۔ کہ چھت میں ایک چمکتی ہُوئی چیز نظر آتی ہے۔

تاکہ تری نگاہ میں توقیر ہو نصیب
اپنوں پہ وار کرتے ہیں ہم کیا دلیر ہیں

سپرنٹنڈنٹ نے سیڑھی منگوائی۔ اور اپنے اس وفادار کو ہی حکم دیا۔ کہ وہ چیز اُتار لاؤ۔ اس نلکی میں حضرت شیخ التفسیر مرحوم اور حضرت سندھیؒ کی سندات تھیں۔ جن کو آپ نے بحفاظت تمام ٹین کی نلکی میں اس غرض سے رکھا ہُوا تھا۔ کہ اگر خدانخواستہ مکان میں چوری ہو جائے تو یہ سندات دشمنوں کی نظروں سے محفوظ رہیں۔ اب سپرنٹنڈنٹ کے حکم سے وہ نلکی بھی ٹرنک میں رکھ لی گئی۔ اور ٹرنک کو مقفّل کر کے سیل مہر لگا دی۔ اور یہ سندات آج تک آپ کو واپس نہ مل سکیں۔

نظارۃ المعارف القرآنیہ کی تلاشی

گھر کی تلاشی کے بعد تمام عملہ حضرت اقدس کو لے کر درسگاہ میں پہنچا۔ کمروں کی تلاشی کی گئی۔ اور وہاں سے بھی کتب کو ٹرنک میں بھر کر سیل مہر لگادی۔ یہ دونوں خدا جانے اُنہوں نے کہاں بھجوائے۔ مگر حضرت اقدس سرّہٗ کو وہ دونوں آنریری مجسٹریٹ دہلی کی کوتوالی میں لے گئے۔ وہاں جاکر آپ کی جامہ تلاشی بھی ہوئی۔ گویا وَإِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكَاذِبِينَ۔ وَإِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصَّادِقِينَ۔ کی کاروائی عمل میں لائی گئی۔ فَلَمَّا رَأَى قَمِيصَهُ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ کی حقیقت ظاہر ہوئی۔ تو حکومت برطانیہ پر فَكَذَبَتْ کا لفظ صادق آیا۔ اور اس باطنی انوار کے "یوسف" پر وَهُوَ مِنَ الصَّادِقِينَ کی آسمانی حجّت قائم ہوئی۔

حضرتِ اعلیٰ نے جو کوٹ پہن رکھا تھا۔ وہ پولیس نے اُتار لیا۔ اور اُس کو مختلف جگہوں سے اُدھیڑ کر دیکھا گیا۔ تاکہ اس کی تہوں میں اگر سازشی خطوط ہوں تو نکالے جا سکیں۔ یہ کوٹ راہوں ضلع جالندھر میں (جہاں حضرت کو نظر بند کیا گیا تھا) تقریباً ڈیڑھ ماہ بعد آپ کو واپس دیا گیا۔ آپ کو پہلے کچھ دنوں تک شہر دہلی میں نظر بند رکھا گیا۔ اور بعد میں باہر ایک اور جیل میں منتقل کر دیا۔

غافل مرو۔ کہ نا در بیت الحرام عشق
صد منزل است منزلِ اوّل قیامت است

دہلی سے شملہ کو روانگی

چند دنوں کے بعد آپ کو ہتھکڑی لگا کر رات کے وقت دہلی کے ریلوے اسٹیشن پر لایا گیا۔ اور وہاں سے شملہ لے گئے۔ شملہ پہنچ کر آپ کو ہتھکڑی کی حالت میں ایک افسر کے سامنے

چشمِ بینا اس سے تحریکِ عزم و عمل ہر حالات میں رکھتی ہے

حفاظتِ الٰہی

حضرت یوسفؑ کی حفاظت ہر موقع پر کی گئی ہے۔ قدرت کے بچاؤ کے انداز میں
جو حکمتیں ہوتی ہیں وہ بعض دفعہ نہاں ہوتی ہیں۔ لیکن جس کی حفاظت دستِ قدرت میں ہے۔ تو
اسے ہر حال میں ہر طرح کی غیبی تائیدات سے نوازا جاتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام باپ
سے جدا ہو گئے۔ پسرانِ یعقوبؑ کی سازش بظاہر کامیاب ہو گئی۔ مگر قدرت کو بھی
یہی تھا کہ ایسی گھناؤنی کارروائیوں کے بعد دنیا کے سامنے اس حقیقت کو اجاگر کرتا کہ باپ
سے دور اور بھائیوں کے حاسدانہ عزائم کا تختۂ مشق بننے والا یوسف غیر آباد کنوئیں
کی تاریک اور گہری فضا میں بے یار و مددگار نہیں چھوڑا گیا تھا۔ بلکہ وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ
لَتُنَبِّئَنَّهُم بِأَمْرِهِمْ هَٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ (اور ہم نے اشارہ کر دیا۔ کہ ان کو
تو ان کی یہ کرتوت ضرور جتائے گا۔ اور وہ تجھ کو نہیں جانتے ہوں گے) کے انوار نے آپ کو
وہاں بھی ڈھانپ لیا تھا۔ یہ اسباب ظاہری سے وراء الوریٰ تائید یزدانی کی ایک صورت
ہے جس کا احساس اسی کو ہوتا ہے۔ جس کو اس رحمتِ بے پایاں کا مستحق بنایا جائے۔
ہاں۔ ہاں کنعان کا یہ تاریک کنواں جب ایک پیغمبر اور پیغمبر زادے کی قیام گاہ ٹھہرا تو
بدخواہوں کے نزدیک یہ جگہ اگرچہ تمام ماحول سے زیادہ بھیانک اور دل کو دہلانے والی
تھی۔ مگر قادرِ مطلق کی مشیّت نے اس کو فردوسِ بریں کی ایک منزل بنا دیا۔ اور اگر سچ پوچھو
تو پسرانِ یعقوبؑ کے ظالمانہ ہاتھوں سے دھکیلا ہوا فخرِ کنعان یوسفؑ ابھی سطحِ آب تک
بھی نہیں پہنچا تھا کہ جبریلِ امین نے اس کو اپنی ملکوتی آغوش میں دبوچ لیا تھا اور پھر یہی
پیغمبر زادہ جب غلامانہ فروخت کے بعد عزیزِ مصر کے گھر میں پہنچا۔ تو عزیزِ مصر نے یعقوب
علیہ السلام کے نورِ بصر کو اپنی بیوی کے سامنے پیش کر کے والہانہ انداز میں کہا۔ اَكْرِمِي مَثْوَاهُ

(اس کو تعظیم و تکریم سے رکھئے) عَسٰی اَنْ یَّنْفَعَنَا اَوْ نَتَّخِذَہٗ وَلَدًا۔ وَکَذٰلِکَ مَکَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ الخ (قریب ہے کہ یہ ہمارے کام آئے۔ یا ہم اس کو اپنا بیٹا بنالیں۔ اور اس طرح سے ہم نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اُس ملک میں جگہ دی اور اُس کو خوابوں کی تعبیر کا علم مرحمت فرمایا۔ اور اللہ تعالےٰ اپنے کام پر غالب ہے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ہیں) اور اس کے بعد ارشادِ خداوندی ہے۔ کہ وَکَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ (اور ہم نیکی کرنے والوں کو ایسا ہی احسن صلہ عطا کرتے ہیں)

قرآنی شواہد کی روشنی میں ہم اب اس نتیجے پر بآسانی پہنچ سکتے ہیں۔ کہ یہ سنت اللہ ہے۔ جو ابتدائے آفرینش سے جاری وساری ہے۔ اور اس کو غیر مبدّل طریق سے تا ابد جاری رہنا ہے۔

چونکہ حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ پر خداوندِ عالم کی غیبی تائیدات کا ذکر ہونیوالا تھا۔ لہٰذا سطور بالا کو بطور توطیہ و تمہید پیش کیا گیا۔ اب دوبارہ آپ کے مسلسل سوانح نقل کئے جاتے ہیں۔

تائیدِ ایزدی

سب کے دل میں ہے جگہ تیری جو تو راضی ہُوا
مجھ پہ گویا اک زمانہ مہرباں ہو جائے گا

جب آپ کو شملہ کی حوالات میں نظر بند کیا گیا۔ تو اُن دنوں حوالات کا نگران انسپکٹر آف پولیس نہایت شریف الطبع۔ علم دوست اور فطرتاً نیک خو تھا۔ اُس کی ضمیر نے حضرت قدس اللہ سرہٗ کے متعلق حکم دیا۔ کہ اَکْرِمِیْ مَثْوَاہُ (اس کو عزت آبرو سے رکھئے) لہٰذا اُس نے حضرت والا تبار کو خاص مراعات دے رکھی تھیں۔ جو حوالاتیوں کو قانونی طور پر نہیں مل سکتی تھیں۔ اُس نے اپنے ماتحت عملے کو حکم دے رکھا تھا۔ کہ

جب حضرت مولانا کو وضو کی ضرورت ہو تو آپ کو ہتھکڑی کے بغیر جانے دیا جائے۔ لہٰذا آپ بغیر ہتھکڑی اپنی حوائج سے فارغ ہوتے۔ اور جب وضو فرمانے کے بعد واپس تشریف لاتے۔ تو آپ کو پھر حوالات میں بند کیا جاتا۔ دوسری رعایت یہ تھی۔ کہ انسپکٹر آف پولیس آپ کو بازار سے مٹھائیاں منگوا کر پیش کیا کرتا۔ اور یہ رقم اپنی جیب سے ادا کرتا تھا۔ اور اس کی طرف سے تیسری مروّت بفضلِ ایزدِ متعال یہ ہوئی۔ کہ جو کمبل حوالاتیوں کو ملتے تھے۔ حضرت اعلیٰ کو ان کمبلوں کی بجائے انسپکٹر مذکور نے اپنے گھر سے صاف ستھرے کمبل منگوا کر بھیجے تھے۔ اور اسی عقیدتمندی سے ایک دن آپ کو اپنے گھر بھی لے گیا۔ اور نہایت تواضع سے پیش آیا۔ آپ کو قالین پر بٹھا کر گاؤ تکیہ پیش کر کے آپ نہایت ادب سے سامنے بیٹھ گیا۔ اور آپ کی بڑی پُرتکلّف ضیافت کی۔ اور کہا۔ کہ اگر اس وقت ہمارا افسر آ گئے۔ اور آپ کو حوالات میں نہ پا کر مجھ سے پوچھے۔ تو میرے پاس اس کا تسلّی بخش جواب ہے۔ اس موقعہ پر یہ حقیقت قابلِ ذکر ہے۔ کہ وہ انسپکٹر آف پولیس بحیثیت نگرانِ مقرّر تھا۔ تفتیش کے لئے مسلّط نہیں تھا کہ جس کے متعلق یہ گمان ہو سکے۔ کہ وہ حضرت عالی مقام کے ساتھ ایسی خاطر و مدارات سے اس لئے پیش آتا تھا۔ کہ وہ آپ کا دل بہلا کر اصل معاملے کی تحقیق کرنا چاہتا تھا دراصل یہ کاروائی خداوند عالم کی رحمتِ واسعہ کا ظہور تھا۔ اور اس میں وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّي وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِي کی شان پائی جاتی تھی۔ اور اسی کو اقبال مرحوم نے ایک موقعہ پر اپنے خاص انداز میں یوں بیان کیا۔ ع

پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

اسلام اور حرّیت

حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے واقعات اسلاف کرام کی زندگیوں

کا عکس لئے ہوتے تھے۔ آپ کی سیرت میں عازمانہ جمال کے ساتھ ساتھ مجاہدانہ جلال کی تابانیاں بھی بدرجہ اتم موجود تھیں۔ حق و صداقت کا رستہ جس پر چلنا مرسلین اولوالعزم کا شیوہ تھا۔ اکابرِ ملت نے اسی روشِ حیات پر اپنے جرأت مندانہ قدم بڑھاتے۔ علم و عرفان کے اداروں کو منوّر کرنے والے جب شریعتِ حقّہ کی حفاظت و صیانت پر سر بکف ہو کر نکلے۔ تو اُن کے عزم و استقلال کو کوئی طاقت بھی متزلزل نہ کر سکی۔ یہ لوگ جب تاریک قید خانوں میں بند کئے گئے۔ تو حقانیت کو ساتھ لے کر گئے۔ اور جب باہر آتے تو اُن کی جبینوں پر فاتحانہ انوار چمکتے ہوئے پائے گئے۔ غیروں کی خصومت اور اپنوں کی بے مروّتی اُن کو اپنے ارادوں کی تکمیل سے باز نہ رکھ سکی۔ بلکہ ایسی تند و تاریک فضاؤں میں اُن کے جذبۂ حرّیت کو تیز تر کرنے والی اُن کی اپنی ضمیر کی آواز ہوتی تھی۔

تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لئے
اقبال مرحوم

حقیقت ہے شعب ابی طالب میں محصور رہنے والے کمل پوش محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے آج سے چودہ سو برس پہلے تثلیث و ہستی کے اس آخری دور میں ایک ایسی جماعت کو تخلیق دی ہے جس کی سرشت میں فرشتگانِ قضا و قدر نے بحکم پروردگار حریت نوازی کا جوہر کوٹ کوٹ کر بھر دیا ہے۔ وہ مصائب کو دیکھ کر گھبراتے نہیں۔ بلکہ مسکراتے ہیں۔ وہ حوادث کے دھاروں کا رُخ بدلنے کے لئے آہنی عزم لے کر آگے بڑھتے ہیں۔ ہلاکت کے غار۔ اور سر بفلک کوہسار اُن کے راستے میں حائل نہیں ہو سکتے۔ اُن کی صفات کا ایک دھندلا سا خاکہ ان اشعار میں موجود ہے۔

مرد کی تخلیق ہے زور آزمانے کے لئے
گردنیں سرکش حوادث کی جھکانے کے لئے
مرد ہے سیلاب کے اندر اکڑنے کے لئے
بحر کی بپھری ہوئی موجوں سے لڑنے کے لئے

دوڑتا ہو شعلہ تو بجلی کا دامن تھامنے
مسکراتا ہو گرجتے بادلوں کے سامنے

شملے سے لاہور کو روانگی

خیر! قارئینِ کرام شیخ دوراں حضرتِ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے حالات سننے کے لئے بیتاب ہیں۔ لہٰذا ہم آپ کی قید و بند کے سلسلے کی اگلی کڑیوں کا ذکر کرتے ہیں
کچھ عرصے تک حضرتِ عالی وقار کو شملہ جیل میں رکھا گیا۔ بعد ازاں آپ کو ہتھکڑی لگا کر لاہور لے آئے۔ حضرت اُن دنوں عربی لباس پہنا کرتے تھے۔ ریلوے اسٹیشن لاہور سے آپ کو پیدل امرت دھارا روڈ پر میاں عبدالعزیز پولیس افسر کے مکان پر لائے۔ اب حکم ہوا کہ آپ کو ریلوے اسٹیشن لاہور کی حوالات تولکھا میں محصور کیا جائے۔ لہٰذا آپ کو کئی دن وہاں رکھا گیا۔

لاہور سے جالندھر کو روانگی

سیّد الاولیاء حضرت شیخ التفسیر مرحوم کو اب ہتھکڑی لگا کر لاہور سے جالندھر لے گئے۔ اور وہاں جالندھر شہر کے ریلوے اسٹیشن کی جیل میں بند کر دیا۔ اُس جگہ بعض پولیس افسر گاہے گاہے آتے جاتے۔ تقریباً پچیس دن کے بعد آپ کو جالندھر شہر کی جیل میں منتقل کیا گیا۔ اور دوپہر کے وقت جیل کی ایک کوٹھڑی میں بند کیا گیا۔ نمازِ عصر کے وقت جب آپ کو کوٹھڑی سے باہر لائے۔ تو آپ نے دیکھا۔ کہ کافی فاصلے پر دارونۂ جیل کے پاس آپ کے مربی و محسن حضرت مولانا غلام محمد دین پوری نور اللہ مرقدہٗ بھی تشریف فرما ہیں۔ حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ پر یہ راز اُس وقت منکشف ہوا۔ کہ حضرت دین پوریؒ بھی اس مقدمے میں ماخوذ ہیں۔ فرزندِ روحانی نے اپنے والدِ محترم کو دُور سے بہ ہزار حسرت

دیکھا۔ کیونکہ حاضرِ خدمت ہو کر قدم بوسی کی اجازت کب مل سکتی تھی۔

بلبل ہوں صحنِ باغ سے دُور اور شکستہ پر
پروانہ ہوں چراغ سے دُور اور شکستہ پر ذوقؔ

اُس وقت عشق و محبت کے پاکیزہ جذبات اور عقیدت و ارادت کے والہانہ احساسات نے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں ایک تلاطم بپا کر دیا۔ مذکورہ بالا شعر حضرت والا شان کی قلبی کیفیت کا بڑی حد تک آئینہ دار ہے۔ بُلبل جس کی زندگی کا دار و مدار نازک شاخوں پر بیٹھنا ہو۔ اور ہزار دیوانگی سے کیف و مستی کے عالم میں اپنی چونچ سے پھولوں کی پنکھڑیوں کو چھیڑتا ہو۔ اور فضائے محبت میں اِدھر اُدھر پھُدک کر پھولوں پر نثار ہوتا ہو۔ اس کو اگر پنجرے میں بند کر کے پھُولوں سے دُور رکھا جائے۔ اور پھول اُس کی نگاہوں کے سامنے اپنے جوبن سے بہار دکھا رہے ہوں تو اب اُس ننھّے سے عشق و محبت کے پرستار کی ترجمانی کرنے کے لئے حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ کی زبان درکار ہے۔ اس موقعہ پہ جذبات نگاری کے لئے اُس کا قلم اُٹھ سکتا ہے۔ جس کو فطرت نے حسنِ بیان سے نوازا ہو۔ اور اُدھر شمع کو شبِ تاریک میں جلا کر پروانوں پر پابندی لگا دی جائے۔ کہ تم کو شمع پر جل مرنے کی اجازت نہیں ہے۔ دور سے دیکھ کر حسرت نکال لو۔ تو حکما۔ احساسات کا فتویٰ ہے کہ اُن کا جذبۂ جاں نثاری اس قدر تیز تر ہو جائے گا۔ کہ اُن کو اپنی آتشِ محبّت میں ہی بھسم کر کے رکھ دیگا۔

حضور! بُلبل و پروانہ شعرا۔ کی دُنیا میں عشق و محبت کے دو ہیرو ( ) سمجھے جاتے ہیں۔ مگر آپ کو ماننا پڑے گا۔ کہ ایک طالبِ صادق کو اپنے روحانی آقا سے جو شغف ہوتا ہے۔ اُس کی پہنائیاں افضائے عالم پر چھائی ہوتی ہیں۔ دیکھئے! تہذیب و تمدّن نے لاکھوں وادیاں طے کر لی ہیں۔ مگر حضرت بلالؓ جس قوم سے منسوب ہیں۔ اُس کو آج بھی تمام اقوام میں غیر مہذب سمجھا جاتا ہے۔ مگر واہ رے عشقِ زندہ تیری

کرشمہ سازیاں کہ عقل و خرد کے ہزاروں چمنستانوں کو تیرے خارستانِ عشق پر کیوں قربان نہ کر دیا جاتے۔ دُنیا کی تمام تہذیبوں کے نباض حضرت علّامہ محمد اقبال مرحوم نے جب تیری تڑپ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینے میں دیکھی۔ تو بے ساختہ پکار اُٹھے۔ کہ اے آقا بلال رضؓ!

تیری غلامی کے صدقے ہزار آزادی

اس نظم کا آخری بند بھی زیبِ داستاں کر دیا جاتے۔ تو امید ہے۔ ذوق و وجدان کا سرمایہ سمجھا جاتے گا! حضرت بلال رضؓ کو مخاطب کر کے علّامہ مرحوم فرماتے ہیں!

ادائے دید سراپا نیاز تھی تیری — کسی کو دیکھتے رہنا نماز تھی تیری
اذان ازل سے تیرے عشق کا ترانہ بنی — نماز اُس کے نظارے کا اک بہانہ بنی

خوشا وہ دَور کہ یثرب مقام تھا اُس کا
خوشا وہ وقت کہ دیدارِ عام تھا اُس کا

القصّہ! ہم حضرت لاہوری نور اللہ تربتہٗ کی قلبی کیفیت کا بیان لے کر بیٹھے تھے۔ اور درمیان میں حُسنِ اتفاق سے حضرت بلال رضؓ کا ذکرِ خیر بھی آگیا۔

احقر نے حضرت اعلیٰؒ کی زبانِ مبارک سے خود سُنا ہے کہ ہم تو اپنے بچّوں کو ہدایت کیا کرتے ہیں۔ کہ تعلیم حاصل کرتے وقت پچاس فیصد تعلیم اور پچاس فیصد اساتذہ کرام کے ادب کو ملحوظ خاطر رکھا کرو۔ لیکن راہِ طریقت میں سو فیصد اپنے شیخ کی تعظیم کا خیال رکھا جاتے ہم نے حضرتِ والاؒ کو اپنے ہمعصر علماء کرام کے ساتھ اس قدر حسنِ سلوک سے ملاقات کرتے دیکھا ہے کہ جس کی مثال اگر نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے۔ اور صوفیائے وقت کے ساتھ تو آپ کا تعلق نہایت صادقانہ اسلوب کا حامل تھا۔ فرمایا کرتے تھے۔ میں حضرت رائے پوریؒ کے پاس جاتا ہوں۔ مگر سوائے علیک سلیک اور کسی قسم کی گفتگو نہیں کرتا ہوں۔ اگر تین گھنٹے تک بھی بیٹھنا ہو تو دو زانو ہو کر بیٹھتا ہوں۔ پھر فرمایا کرتے تھے کہ اللہ والوں کو اپنا آپ دکھانا ہوتا ہے

اور اُن کا حال دیکھنا ہوتا ہے۔ اور بس! فی الواقع ایسے موقعوں پر

خاموشی معنے دارد کہ در گفتن نمے آید

حضرت شیخ التفسیرؒ جیسے فطری طالبِ صادق کی قلبی کیفیت کا حال کوئی صاحبِ دل ہی بیان کر سکتا ہے۔ کیونکہ "ولی را ولی مے شناسد" کے مطابق حضرتؒ کے خیالات کی ترجمانی وہی کر سکتا ہے جس کو اپنے رُوحانی مربی کے ساتھ اُتنی ہی محبت ہو جتنی آپ کو اپنے آقائے رُوحانی سے تھی!

حضرت شیخ المشائخ مولانا غلام محمد دین پوری رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کے بعد آپ جب وضو کرنے کے لئے نلکے کے پاس آتے۔ تو مولانا عبدالحق لاہوری رفاہ عام سٹیم پریس کے مالک کو دیکھا۔ معلوم ہُوا۔ کہ وہ بھی اس مقدمے میں گرفتار ہو کر آتے ہیں۔

راہوں ضلع جالندھر میں آپ کی نظربندی

جالندھر شہر کی جیل سے اب ہمارے خضرِ طریقت کو راہوں ضلع جالندھر کی جیل میں لے گئے۔ وہاں آپ نے ابھی چوبیس گھنٹے ہی بسر کئے تھے کہ ڈپٹی کمشنر ضلع جالندھر دورے پر آ گئے۔ اب آپ کو جیل سے نکال کر اُن کے سامنے پیش کیا گیا۔ اُنہوں نے حکم دیا کہ گورنمنٹ آپ کو اس مقدمے کے جرم میں راہوں ضلع جالندھر میں نظربند کرتی ہے۔ آپ اس قصبے کی حدود سے باہر نہیں جا سکتے۔ اور نہ ہی کوئی بیرونی آدمی آپ کو یہاں آ کر مل سکتا ہے۔ اگر آپ نے کوئی خط لکھنا ہو۔ تو خط لکھ کر سب انسپکٹر پولیس کے حوالے کیجئے۔ سرکاری افسر معائنہ کے بعد مکتوب الیہ کو بھیج دیا کریں گے۔ علاوہ ازیں آپ کو گورنمنٹ کی طرف سے پندرہ روپے وظیفہ ملا کرے گا۔ چنانچہ یہ حکم سُنا کر آپ کو حوالات سے رہا کر دیا گیا۔

کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے!

راہوں میں مولاناؒ کا معمول

راہوں کے پولیس اسٹیشن کے پاس خاندانِ مغلیہ کے وقت کی ایک شاہی مسجد تھی۔ مسجد اور گلی کے درمیان قریباً دو اڑھائی فٹ کا فاصلہ تھا۔ قادرِ مطلق کی نوازشات کا اس جگہ بھی عجیب ظہور ہوا۔ وہ طبیعت جس کو خالقِ دوجہان نے اپنی عبادت کے لئے مخصوص کیا ہوا تھا۔ اُس کے لئے خلوت کدوں کا انتظام بھی اُسی کے ہاتھ میں تھا۔ خلوت کے انوار نے آپ کے دل و دماغ کو وہ صیقل عطا فرمایا۔ جس کی الہامی جلا سے آپ کا دل ہمیشہ عبادتِ الٰہی کے جذبہ سے سرشار و بیدار رہتا تھا۔ اور یہ حقیقت ہے

دلِ بیدار فاروقی دلِ بیدار کرّاری
مسِ آدم کے حق میں کیمیا ہے دل کی بیداری

آپ تمام دن اُس مسجد میں پورے سالکانہ انہماک سے اشغال و اوراد میں مشغول رہتے۔ قرآنِ حکیم میں تدبّر و تفکّر اور فرائض کے علاوہ نفلی عبادات میں استغراق کا ایک سُنہری موقعہ مل گیا۔ ایک دُنیا پرست انسان کے لئے یہ وقت ہزار حسرت و یاس کا مقام تھا۔ مگر اس عارف باللہ کے لئے یہ تنہائیاں راہ معرفت میں تیز گامی کا سبب بنی ہوئی تھیں۔

طے شود جادۂ صد سالہ بآہے گاہے

رات کے وقت آپ تھانے میں تشریف لے جاتے تھے۔ وہاں کا سب انسپکٹر پولیس ایک سکھ تھا۔ اُس نے مسلمان سپاہیوں کو حکم دے رکھا تھا کہ وہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے کھانے کا انتظام اپنے کھانے کے ساتھ ہی کریں۔ لہٰذا وہ کچا راشن بازار سے خرید کر لاتے۔ اور اپنے ساتھ ہی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے کھانے کا انتظام بھی کرتے مقصد یہ تھا کہ مہینے کے اختتام پر آپ کے وظیفے سے راشن کی قیمت ادا کی جائے گی۔

اللہ تعالےٰ کا احسانِ عظیم

نگہِ شکر کا بھی اُٹھنا ہُوا ہے دشوار
گردن اِس درجہ جھکا دی ترے احسانوں نے

یہ مقدمہ جس میں آزادیٔ ہند کا یہ مجاہد کبیر اور باقی حضرات ماخوذ تھے اپنی نوعیت میں نہایت ہی سنگین تھا حقیقت تو یہ ہے۔ کہ حکومت برطانیہ کے خلاف ایک کھلی ہوئی سازش تھی جس کا انجام تختہ دار یا کالے پانی کے سوا کچھ نہیں تھا۔ مگر خداوند قدوس کو اپنے دینِ قیمؔ کے جان نثاروں کی حفاظت و بقا منظور تھی۔ مَا یَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا۔ وَمَا یُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ۔ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ۔ (اللہ تعالےٰ اگر اپنے بندوں پر بارانِ رحمت برسائے۔ تو اُس کو کوئی روک نہیں سکتا۔ اور اگر وہ اپنے ابوابِ رحمت بند کر لے تو کوئی شخص اس کے سوا اُن تک رسائی نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالےٰ زبردست حکمتوں والا ہے)

اس مقدمے میں علماء مقتدر کے علاوہ چند اولیائے وقت بھی گرفتار تھے حکومت اگر مقدمے کی مزید تحقیقات کرتی۔ تو نتیجہ انتہائی درجے کا خوفناک اور ہلاکت ثابت ہوتا۔ مگر مشیتِ ایزدی نے شاید اولیاء کرام کی سعید روحوں کی بدولت حکامِ وقت کے ارادوں میں ایک حیرت انگیز تبدیلی پیدا کر دی۔ تمام حضرات جہاں جہاں ماخوذ تھے فقط نظر بند ہی تھے۔ کسی ایک پر بھی مقدمہ نہیں چلایا گیا تھا۔ اور نہ ہی کسی کو کوئی سزا دی گئی۔ حضرت لاہوریؒ ضلع جالندھر مقام راہوں میں تھے۔ تو آپ کے مربیؒ حضرت دین پوری رحمۃ اللہ علیہ نورمحل ضلع جالندھر میں تھے۔ اور باقی حضرات اس طرح مختلف اضلاع میں نظر بند تھے دراصل دستِ قدرت ابتداء آفرینش سے اپنے بندوں کی حفاظت کرتا آیا ہے۔ اور ہر عہد کے خلیلوں اور کلیموں کی محافظت اسی کی رحمت کا کرشمہ ہے۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام

کی حفاظت کا سامان اُس مقلب القلوب نے فرعون کے گھر میں کروایا۔ کہاں وہ ہزاروں بچوں کے ناحق خون سے اپنے ہاتھوں کو رنگ چکا تھا۔ اور کہاں اُسی نسل کے ایک بچے کو حضرت آسیہؓ کے مشورے پر شاہی انتظام سے پرورش دینے کا فیصلہ کر رہا تھا۔ اور اُس کے شاہی مشیر بھی اُس کی ہاں میں ہاں ملا رہے تھے۔ اس جگہ خداوندِ حکیم نے اُن لوگوں کے چوکنے اور فریب کھانے کو بایں الفاظ پیش کیا ہے۔

اِنَّ فِرْعَوْنَ وَھَامَانَ وَجُنُوْدَھُمَا کَانُوْا خٰطِئِیْنَ۔ (یہ امر مسلمہ ہے کہ فرعون۔ اُس کا مشیرِ اعلیٰ ہامان اور اُس کے تمام ارکین موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کا فیصلہ کرنے میں دھوکہ کھا رہے تھے) اور یہ بھی فرمایا ہے کہ وَھُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ۔ (اور اُن کو اپنے فیصلے کے انجام کی ہرگز خبر نہ تھی)

توکّل علی اللہ

راہوں میں آپ نے نومبر اور دسمبر کے مہینے گزارے۔ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ دہلی میں جب آپ کو گرفتار کیا گیا تھا۔ تو پولیس نے آپ کا کوٹ اپنی تحویل میں رکھا تھا۔ اُن کو شبہ تھا کہ شاید اس کی سیونوں میں سازشی کاغذات ہوں۔ اب راہوں میں وہ کوٹ آپ کو واپس دیا گیا۔ یہ گرم کوٹ نہیں تھا۔ اور اس کے واپس ملنے سے پہلے آپ کے مبارک بدن پر ململ کا ایک کُرتہ اور اُس کے اُوپر ایک عربی عبا تھی۔ علاوہ ازیں آپ کے پاس کوئی کپڑا نہ تھا۔ اور سردی دن بدن شدّت پکڑ رہی تھی۔ جو لوگ مسجد میں نماز کی غرض سے آتے تھے۔ اُن میں سے ایک شخص آپ سے متعدد دفعہ سوال کر چکا تھا کہ میں آپ کے لئے ایک بستر لاؤں۔ مگر حضرت اقدسؒ ہر بار انکار ہی فرماتے رہے۔ حقیقت یہ تھی کہ آپ باوجود سخت ضرورت کے بستر لینے سے اس لئے انکار فرماتے تھے کہ اگر آپ اس کے پوچھنے پر "ہاں" فرما دیں۔ تو یہ بھی

ایک طرح کا سوال بن جاتا تھا۔ اور اللہ تعالےٰ کے سوا دوسروں پر اپنی احتیاج ظاہر کرنے کے مرادف تھا۔ لہٰذا آپ کو یقین تھا کہ اگر میں اُس شخص کے پوچھنے پر یہ کہوں کہ آپ بستره لادیں۔ تو یہ عمل بھی تعلق باللہ میں فتور پیدا کر سکتا تھا۔ اس لئے آپ اِس چیز سے اجتناب فرماتے رہے۔ ؎

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے تھا

خالق کی بندہ نوازی

آخر کار پروردگارِ عالم کو اپنے متوکّل و صابر بندے پر رحم آیا۔ اور اپنے ایک مخلص ترین بندے کے دل میں حضرت والاجاہ کی اس ضرورت کا احساس پیدا کیا۔ لہٰذا ایک معمر۔ متقی اور مخیّر شخص ایک دن نمازِ عشاء کے بعد مسجد میں آیا۔ اُس وقت حضرت شیخ التفسیرؒ بالکل تن تنہا تشریف فرما تھے۔ اُس شخص نے ایک نیا لحاف اور ایک نئی توشک نہایت تواضع سے پیش کر کے عرض کیا۔ کہ حضور! آپ اس ناچیز تحفہ کو قبول فرمائیں۔ یہ بستره فقط آپ کے لئے تیار کیا گیا ہے۔ اب حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس عطیۂ الٰہی کو نصرتِ غیبی سمجھ کر قبول فرمایا۔

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ۔ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ۔ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا (سورۂ طلاق)

(جو کوئی اللہ سے ڈرتا ہے۔ وہ اُس کی نجات کی راہ نکال دیتا ہے۔ اور اُس کو وہاں سے روزی دیتا ہے۔ جہاں اُس کو گمان بھی نہیں ہوتا۔ اور جو کوئی اُس کی رحمت پر بھروسہ کرتا ہے۔ اللہ تعالےٰ اُس کی حاجت کے لئے کافی و وافی ہے۔ تحقیق اللہ تعالےٰ اپنا کام پورا کر لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا اندازہ پورا کر رکھا ہے) (سورہ طلاق)

لمحاتِ نقد و نظر

ہم تو ہزار بار بھی سوچیں۔ تو اللہ والوں کی شانِ عبدیت کے بلند معیار کو بھانپنے سے قاصر رہیں گے ؎

اِک دانشِ نورانی ۔ اِک دانشِ بُرہانی!

ہے دانشِ برہانی حیرت کی فراوانی

اقبال مرحوم

ہماری ناقص دانش برہانی اس میدان میں ایک قدم بھی نہیں اُٹھا سکتی۔ اولیاء کرام کے ہاں تو دانشِ برہانی اور دانشِ نورانی دونوں کا ایک قدسی اجتماع ہوتا ہے۔ یہ مسلّمہ امر ہے۔ کہ وہ دانش نورانی میں متفرد ہوتے ہیں۔ مگر اُن کی دانشِ بُرہانی بھی یقیناً ممتاز قوتوں کی حامل ہوتی ہے۔ اقلیمِ بُوذرؓ و سلمانؓ کے علاوہ سلطنتِ افلاطون بھی اُن کے زیرِ نگین ہوتی ہے۔ وہ دُنیوی خرافات پر نگاہ نہیں رکھتے ہیں۔ اور نہ ہی ظاہری صعوبتیں اُن کے تعلق باللہ کی استواری میں خلل اندازی کر سکتی ہیں۔ اُن کی روشِ حیات کی عکاسی علامہ محمد اقبال مرحوم کے چند ایک اشعار میں نہایت اختصار سے پیش کی جاتی ہے۔ علامہ مرحوم کے سامنے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا کردار ہے۔ وہ عہدِ نبوی کے اثرات کو بایں الفاظ پیش کرتے ہیں۔

ہاتھ ہے۔ اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ

غالب و کار آفریں کار کشا و کارساز

قرآنِ عزیز نے خداوندِ قدوس کی قُدرت و معرفت کو ہر جگہ بیان کیا ہے سورۂ یوسف میں ارشاد ہو رہا ہے۔ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓی اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (اللہ تعالےٰ اپنے کام کی تکمیل پر غالب ہے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ہیں) فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ۔ اور نعم المولا و نعم النصیر کی آیات مبارکہ میں بھی اللہ تعالےٰ

نے اپنے بندوں کو اپنی قدرتوں اور نوازشوں سے آگاہی عطا فرمائی ہے۔

اب حدیث قدسی میں خدا تعالےٰ کی عطا و بخشش کا اندازہ لگائیے کہ بندہ کثرتِ نوافل سے اس درجہ مقرب الٰہی بن جاتا ہے کہ اُس کی بشری قوتیں اُلوہیت کے غلبہ و استیلا سے اپنا فعل بھول جاتی ہیں۔ اور اُس کے اعضا و جوارح سے جب خدا تعالےٰ چاہتا ہے۔ اپنی قدرت کا ظہور فرماتا ہے۔ یہی وہ مقام عظمت اور حدِ تقرب ہے۔ جس کو صوفیائے کرام نے تخلّق باخلاق اللہ کے عنوان سے بیان فرمایا ہے۔ اور اس حقیقتِ ثانیہ کے پیشِ نظر علّامہ مرحوم نے مومن کے ہاتھ کو خدا تعالےٰ کا ہاتھ کہا ہے اور مردِ مومن کو غالب و کار آفریں اور کارکُشا و کارساز کے الہامی القاب سے یاد کیا ہے ؎

خاکی و نوری نہاد بندۂ مولا صفات
ہر دو جہان سے غنی اس کا دلِ بے نیاز

مندرجہ بالا شعر کا مفہوم واضح ہے۔ چونکہ اُس کی تشریح سے صاحبِ ذوق حضرات کے سرورِ وجدانی کو ٹھیس لگے گی۔ لہٰذا ہم اگلے اشعار کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ؎

اُس کی امیدیں قلیل۔ اس کے مقاصد جلیل
اس کی ادا دلفریب۔ اس کی نگہ دل نواز
نرم دمِ گفتگو۔ گرم دمِ جستجو
رزم ہو یا بزم ہو۔ پاک دل و پاکباز
نقطۂ پرکارِ حق۔ مردِ خدا کا یقین
اور یہ عالم تمام۔ وہم و طلسم و مجاز
عقل کی منزل ہے اور عشق کا حاصل ہے اور
حلقۂ آفاق میں گرمیٔ محفل ہے اور

دراصل ہم حضرت مولانا مرحوم کے توکّل عَلَی اللہ اور راضی برضا کا ذکر کر رہے تھے جبکہ خیالات کا تلاطم اس کنارے پر لے آیا۔ علامہ مذکور کی مندرجہ ذیل رباعی میں بھی وُہی انوار جھلک رہے ہیں۔

حکیمی نامسلمانی خودی کی
کلیمی رمزِ پنہانی خودی کی
تجھے گُر فقر و شاہی کا بتادوں
غریبی میں نگہبانی خودی کی

حضرت فردوس آشیانی خود بھی درسِ قرآن مجید میں گاہے گاہے یہ شعر نہایت والہانہ انداز میں پڑھا کرتے تھے۔

آنکہ شیراں را کند روباہ مزاج
احتیاج است احتیاج است احتیاج

یاد رہے۔ اللہ والوں کے دل احتیاج کی آلائش سے کلیۃً پاک ہوتے ہیں۔ اور دولتِ استغنا سے مالامال۔ وُہ آسائشوں سے نفور اور کلفتوں میں صبر و استقلال کا دامن تھامتے ہیں۔ مصائب و آلام کی زندگی اُن کی قوّتوں کو جِلا بخشتی ہے۔

ہوائے بیاباں سے ہوتی ہے کاری
جواں مرد کی ضربتِ غازیانہ

خیر! ہم بیان کر رہے تھے کہ پروردگارِ عالم نے حضرت اقدس کو اس حرص و آز کے دور میں نعمتِ توکّل سے نوازا تھا۔ الحمدللہ! کہ اس نعمتِ مقدسہ کی انتہا قطبیّت کے مقامِ رفیع پر ہُوئی۔ حضرت تمام کمالاتِ روحانیہ کو اللہ والوں کے فیضِ صحبت کی طرف منسوب کیا کرتے تھے۔ اور نہایت عقیدت سے اپنے مربّیوں کے حق میں دُعائیں مانگا کرتے تھے۔

راہوں میں حضرتؒ کے کھانے کا انتظام

کارِ مرداں روشنی و گرمی است
کارِ دوناں حیلہ و بے شرمی است

پیشتر ازیں بیان ہو چکا ہے کہ راہوں میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے کھانے کا انتظام مسلمان سپاہیوں کے ذریعے کیا گیا تھا۔ وہ بازار سے کچّا راشن لاتے۔ اور خود پکاتے تھے۔ آپ نے تقریباً چار دن کھانا تناول فرمایا ہو گا۔ جبکہ آپ کو معلوم ہُوا کہ کھانا پکانے میں جو ایندھن استعمال ہوتا ہے۔ وہ رشوت کا ہوتا ہے لہٰذا آپ نے کھانا تناول فرمانا بند کر دیا۔

اے طائرِ لاہوتی اُس رزق سے موت اچھّی
جس رزق سے آتی ہو۔ پرواز میں کوتاہی

چونکہ چوکیدار لوگ جو دیہاتوں سے اموات و پیدائش کے اعداد و شمار لے کر ہفتہ وار تھانے میں آتے تھے۔ سپاہی لوگ اُن سے اُوپلے یا باقی قسم کا ایندھن منگوا لیتے تھے۔ جب آپ کو اس نقص کا پتہ چلا۔ تو آپ نے سب انسپکٹر پولیس کو کہلا بھیجا۔ کہ آپ اُن کا پکا ہُوا کھانا نہیں کھائیں گے۔

حقیقت ہے

قوموں کی تقدیر وُہ مردِ درویش
جس نے نہ ڈھونڈی سلطاں کی درگاہ

اب آپ کے کھانے کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ مگر آپ نے بزرگانِ سلف کے صبر و تحمّل کی داستانیں پڑھی ہُوئی تھیں۔ آپ کو یقین تھا کہ اسلام کی روحِ رواں اپنی خواہشات پر قابو پانے کو ہی کہتے ہیں۔ مجاہدانہ زندگی دُنیوی لذّات سے بیگانہ

ہوتی ہے۔

خودی کے نگہبان کو ہے۔ زہرِ ناب
وُہ ناں جس سے جاتی رہے اُس کی آب
وہی ناں ہے۔ اُس کے لئے ارجمند
رہے جس سے دُنیا میں گردن بلند

آپ نے کھانا بند کروا دیا تھا۔ اور پروردگارِ عالم کے بھروسے پر فاقہ کشی کے لئے ہمہ تن تیار تھے۔ اور یہ منزل وُہ ہے جو بندے کو محبوبِ خدا بننے میں بڑی مدد دیتی ہے۔ یہ وہ جوہر ہے جس کے بل بوتہ پر بندہ موت سے نہیں ڈرتا۔ کیونکہ اُس کے رگ و پے میں رُوحِ مصطفٰےؐ جاری و ساری ہو جاتی ہے۔

اقبال علیہ الرحمۃ نے ایک خاص موقعہ پر اس حقیقت کو اُجاگر کیا ہے

وُہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
رُوحِ محمدؐ اس کے بدن سے نکال دو

جب آپ کے کھانے کا بظاہر کوئی انتظام نہ رہا۔ تو ایک اجنبی عورت مسجد سے باہر کھڑے ہو کر آپ کو مکی کے بھُنے ہوئے دانے دے جاتی۔ اور اُن کے ساتھ کچھ گڑ بھی ہوتا تھا۔ یہ عورت حضرت قطب الاقطابؒ سے نا آشنا اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ بھی اُس سے بالکل ناواقف تھے۔ آپ یہ دانے چبا لیتے اور پانی پی لیتے۔ لہٰذا راہوں کے قیام میں اسی رزق پر بسر اوقات ہوتی رہی۔

مردِ حق چوں اشتراں بارے برد　　مردِ حق بارے برد خارے خورد

تائیدِ الٰہی

راہوں میں ایک دن ایک بزرگ تشریف لائے۔ وُہ اس قصبے کے باشندے

نہیں تھے۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ اُس وقت اکیلے تھے۔ اور یادِ خدا میں مستغرق تھے۔ اُس بزرگ نے بلاتقریب آپ کو ایک وظیفہ بتایا۔ اور کہا۔ کہ اگر آپ یہ وظیفہ پڑھیں گے تو اللہ تعالےٰ آپ کو نظربندی کی زحمت سے نجات دے گا۔ لہٰذا حضرتؒ نے یہ وظیفہ سات دن پڑھا۔ تو ملہم غیبی نے رات کو خواب میں آپ کو رہائی کا مژدہ سُنایا۔

لاہور کے اولیاء کرام

دنیا خیر و شر کی رزمگاہ ہے۔ نسلِ انسانی کے شیاطین نے انبیاء کرامؑ کی آسمانی آواز کو اپنے ابلیسی شور و غوغا سے ہر گوشہ کائنات میں شکست دینے کی ٹھان رکھی ہے۔ اور ادھر خالقِ اکبر بھی ہر زمانے میں اپنے سچے دین کی حفاظت کرتا رہتا ہے ؎

نورِ خدا ہے۔ کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بُجھایا نہ جائے گا

مولانا ظفر علی خاں مرحوم

جہاں جہاں رحمانی مراکز ہیں۔ وہاں ابالیس انس و جاں نے اپنے اڈّے جما رکھے ہیں۔ یُورپ کی جہنمی فضاؤں میں مسیحی مذہب کے علمبرداروں نے اودھم مچا رکھا ہے۔ اور ادھر اہلِ ہوس تمام مذاہبِ عالم میں موجود ہیں۔ آج ہم متحدہ ہندوستان کے اُم القریٰ (شہر لاہور) کی تہذیب و تمدّن پر ایک طائرانہ نظر ڈالنا چاہتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے۔ کہ اس مبارک خطّہ سرزمین میں حضرت سیّدنا علی ہجویری علیہ الرحمۃ محوِ استراحت ہیں۔ سیّد المقرّبین حضرت شاہ محمد غوث رحمۃ اللہ علیہ کی اسی شہر میں ہی آخری آرام گاہ ہے۔ حضرت ایشاں مرحوم حضرت میاں میر مرحوم روحانیت کا ایک زندہ جاوید

نشان ہیں۔ حضرت موجد رہا بخاری علیہ الرحمۃ کی لحد پاک مرکز تجلیات کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور یہ وہ مبارک ہستیاں تھیں۔ جن کی زندگی نے گلشن ہندو پاک کو کتاب و سُنّت کے پھولوں سے معطّر کر دیا۔ یہ لوگ پیغمبرانہ عزم و استقلال سے دین حقّہ کی خدمت کرتے رہے۔ ان کی ملکوتی جبینوں پر وہ انوار چمکتے تھے۔ جن کی برکت سے لاکھوں کو دولتِ ایمان نصیب ہوئی۔ جگہ جگہ کتاب و سُنّت کے درس قائم ہوئے۔ مساجد تعمیر کی گئیں۔ غرضکہ ان کی مساعیِ جمیلہ سے ہر محاذ پر شیطانِ رجیم کو شکست ہوئی۔

دورِ انحطاط

حضرت اورنگ زیب علیہ الرحمۃ نے اپنے عہد میں ہندوستان کے گوشے گوشے میں اسلام کا پیغام دیا۔ مگر آپ کے جانشینوں نے تلوار اور قرآن کے مرسلانہ اسلوبِ زندگی کو یکسر ترک کر دیا۔ اور لہو و لعب میں محو ہو کر اپنی آہنی قوّتوں کو ضائع کر بیٹھے۔ اُن کے معاشرے میں ہیجڑوں۔ اوباشوں۔ راس دھاریوں اور کنچنیوں کو شاہی دربار میں باریابی کا موقعہ دیا گیا۔ اور مسلمانانِ ہند سے سخت کوشی اور خارا شگافی کے جوہر ایک ایک کر کے چھن گئے۔ ہاں! ہاں! ہلاکتِ ابدی کا شکار ہونے والی قوموں کے اعمال میں ایسے تغیّر و تبدّل کا رونما ہونا اقتضائے فطرت کے مطابق ہوتا ہے۔

فطرت افراد سے اغماض تو کر لیتی ہے
لیک کرتی نہیں۔ ملّت کے گناہوں کو معاف

نبّاضِ اقوام حضرت علّامہ اقبال مرحوم کھلے کھلے الفاظ میں زوالِ اقوام کے راز کو یوں الفاظ پیش کرتے ہیں۔

میں تجھ کو بتاتا ہوں۔ تقدیرِ اُمم کیا ہے　　شمشیر و سناں اوّل۔ طاؤس و رباب آخر

القصّہ خاندانِ مغلیہ کے آخری چراغ ٹمٹمائے اور بجھ گئے۔ اچھا ہوا کہ وہ بجھ گئے۔ کیونکہ اُن کی ٹمٹماہٹ سے اسلام کی تذلیل ہو رہی تھی۔ جو کہ پروردگارِ عالم کو کسی دورِ حیات میں بھی منظور نہیں ہوئی۔

برطانوی سیاست اور علمائے حق

جب ۱۸۵۷ء میں برطانوی ریشہ دوانیاں کامیاب ہو رہی تھیں حضرت سراج الدولہ مرحوم نے کفر کی یلغار کے سامنے غازیانہ اقدام فرمایا۔ مگر اُس مجاہد کا خونِ حریت پلاسی کے میدانِ جنگ میں گر کر ہمیشہ کے لئے خشک ہو گیا۔ اس کے لئے مجاہدِ کبیر حضرت سلطان شہیدؒ نے سگانِ برطانیہ سے ارضِ ہند کو پاک کرنے کا مکمل تہیہ کیا تو مشیتِ ایزدی نے اُس پاکباز مجاہد کا نام تو یقیناً شہدائے بالاکوٹ کی فہرست میں سب سے نمایاں جگہ پر لکھ دیا۔ مگر اُس کی غدار۔ دین فروش۔ پست اور عیاش قوم کے افراد کو برسوں کی نحوست میں گرفتار کر دیا۔

بالِ بازاں را سوئے سلطاں بُرند
بالِ زاغاں را بگورستاں بُرند

اس زوال و انحطاط کے دور میں علماء خیر اپنی تمام کوششیں دینِ الٰہی کے احیاء کے لئے صرف کرتے رہے۔ برطانوی حکومت کے جبر و استبداد اور اسلام دشمنی کے تمام منصوبوں کے باوجود اللہ تعالےٰ نے اپنے کمزور بندوں کے ہاتھوں اپنے دین کی حفاظت کروائی۔ بلکہ روزِ ازل سے یہی عادۃ اللہ اور سُنّۃ اللہ جاری و ساری رہی ہے۔ کہ وہ ابابیلوں کی چونچوں میں سنگریزے پکڑوا کر ہاتھیوں کو تباہ کرواتا ہے۔ اسی طرح اور عین اسی طرح برطانوی ابرہہ کے مقابلے میں ہندوستان میں دین کے کعبے کی حفاظت کا کام لیا گیا۔ ان علماء خیر پر کروڑوں رحمتیں ہوں جنھوں نے سونے کے

ٹکڑے چبا چبا کر اور قید و بند کی سختیاں برداشت کر کے قرآن حکیم کو اپنے سینوں سے لگائے رکھا۔ ورنہ انگریز جیسے شاطرِ وقت نے اسلام کی تذلیل و تضحیک میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا تھا۔ دارالعلوم دیوبند اور سہارنپور کے فارغ التحصیل علماء کو پانچ روپے کی ملازمت بھی نہیں دی جاتی تھی۔ مگر سرکاری سکولوں کے پانچویں پاس نا اہلوں کو ہر جگہ ملازم رکھا جاتا تھا۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ۔ حضرت سیّد انور شاہ کاشمیریؒ۔ حضرت مولانا محمود الحسنؒ۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہم اللہ کی خدائی ہمتوں نے بفضل ایزدمتعال کَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللهِ کا منظر پیش کیا۔ اور اسی قافلے کے ساتھ ساتھ سیّد السادات زعیم احرار اسلام حضرت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور قطبِ دوراں ممدوحِ جہانیاں حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے۔ جن کی شبانہ روز کوششوں نے کفر و بدعت کے ہر وار کو اپنے ہاتھوں پر لیا۔ اور پُرخطر ماحول کا ہر موقعہ پر مُنہ چڑایا۔ اور دینِ مصطفوی کی حفاظت کے لئے ہر قسم کی قربانی پیش کر دی۔ دُنیا کے حقیقت پسند مؤرخین جب اس دَور کی تاریخ لکھیں گے تو اُن کو ماننا پڑیگا کہ سیّد المجاہدین سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری پروردگارِ عالم کی طرف سے مسئلہ ختم نبوّت کے تحفظ و بقا کے لئے آئے تھے۔ اور اسی راہ میں شہید ہوئے۔ لہٰذا آپ کو شہیدِ ختم نبوّت کہنا ہر لحاظ سے بجا ہے اور

حضرت مولانا و سیّدنا شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ خدمت قرآن کے لئے بھیجے گئے تھے۔ اور اسی پیغمبرانہ خدمت میں جاں بحق ہوئے۔ اس لئے آپ کو شہیدِ قرآن کا لقب ہر دلیل سے زیبا ہے۔

لاہور میں ورودِ مسعود

خداوندِ عالم نے تمام ظاہری اسباب کی موجودگی میں اپنی قدرت کاملہ کے معجزنما

ظہورات مختلف موقعوں پر پیش فرماتے ہیں۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ ظاہر پرست انسان کو دعوت دی جاتی ہے۔ کہ وہ دُنیا میں اپنی فائز المرامی اور کامرانی کا دارومدار اسباب و علل کے ظاہری سلسلے پر نہ رکھے۔ بلکہ تُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ پر یقینِ کامل کرکے اپنی زندگی کی تمام ترقوتوں کو رضائے الٰہی کے حصول کے لئے صرف کردے۔ کیونکہ انسانی حیات کا یہی معراجِ کمال ہے۔ کہ وہ فتح و شکست کے وقت خدائے دوجہاں کا دروازہ نہ چھوڑے۔

زمانہ کہنہ بتاں را ہزار بار آراست
من از حرم نگذشتم کہ پختہ بنیاد است

حضرت شیخ التفسیر مرحوم برطانوی حکومت کے نزدیک باغی تھے۔ مجرم تھے۔ مگر آپ کا ہر قدم راہِ راست پر پڑتا تھا۔ اور مشیّتِ ایزدی کا تقاضا تھا۔ کہ لاہور جیسے تہذیبِ نوی کے مرکز میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ جیسے پختہ کار انسان کو خدمتِ دین کا موقعہ دیا جائے۔ اور شیرانوالہ محلہ جو کسی وقت راہزنوں کی بستی تھی۔ رشد و ہدایت کا سرچشمہ بن جائے۔ اور اس زمزمِ قرآنی سے سرزمین ہند باقی بیرونی ممالک اور جزائر حتّٰی کہ عرب و عجم بھی اپنی تشنگی بجھائیں۔ علماء خیر کے گروہ در گروہ آئیں اور علوم و معارف سے اپنے دل و دماغ کو منوّر کرکے دُنیا کے مختلف گوشوں میں پھیل جائیں۔ سالکانِ راہِ طریقت حاضر ہوں اور ریاضیات کے لئے لاتن سبحان خاں کی جامع مسجد کے حجروں اور چٹائیوں پر شام و سحر عبادت گزاریں۔ اور اصحابِ صُفّہ کی سُنّت کے مطابق ذکرِ الٰہی اور فکرِ عاقبت میں مستغرق رہیں۔ اور جب یہاں سے اپنے اپنے اوطان کو واپس جائیں تو دینِ مصطفوی کی خدمت کا ایک پاکیزہ جذبہ لیکر جائیں۔ جہاں رہیں اور جب تک دُنیا میں رہیں۔ والہانہ انداز میں کتاب و سُنّت کی نشرواشاعت میں منہمک رہیں۔ علماء، تو علماء، تہذیبِ مغرب کے پرستار چند دنوں میں

اسلامی معاشرے کے گرویدہ بن جائیں۔ اور فرشتگانِ قضاء و قدر قلوب و ارواح کے دروازوں پر دستک دیتے پھریں۔

درِ فیضِ محمدؐ وا ہے آئے جس کا جی چاہے
خُدا لئے دو جہاں سے لو لگائے جس کا جی چاہے

حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کو راہوں سے لاہور لایا گیا۔ اور سی۔ آئی۔ ڈی کے ایک انگریز افسر کے سامنے جس کے ساتھ ایک مسلمان افسر بھی تھا پیش کیا گیا۔ آپ سے اُس افسر نے کہا۔ کہ "حکومت آپ کو صوبہ سندھ یا دہلی واپس بھیجنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ کیونکہ اُن کا یقین ہے کہ صوبہ سندھ اور دہلی میں آپ کا واپس جانا کسی لحاظ سے ٹھیک نہیں۔ لہٰذا آپ کو لاہور میں ہی رہنا ہوگا۔" لیکن مشیّتِ الٰہی نے اس فیصلے پر بھی تبسّم فرمایا۔ اور اپنی قدرت کا ظہور ایک عجیب انداز میں کیا۔ کسی نے سچ کہا ہے۔ ع

عدو شرّے برانگیزد کہ خیرِ ما دراں باشد!

البتہ آپ کو یہ شرط بھی پیش کی گئی۔ کہ آپ اپنے دو ضامن پیش کریں۔ اور وہ ہزار ہزار روپے کی ضمانت دیں۔ تب گورنمنٹ آپ کو رہا کرنے کے لئے تیار ہے۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ پنجاب میں میرا کوئی واقف نہیں ہے۔ میں دہلی یا صوبہ سندھ سے ضامن پیش کر سکتا ہوں۔ مگر افسروں نے کہا۔ کہ ہم وہاں سے ضامن لینے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ چنانچہ جب آپ نے غور کیا۔ تو قاضی ضیاء الدین مرحوم ایم۔ اے فاضلِ دیوبند ہیڈ ماسٹر اسلامیہ ہائی سکول گوجرانوالہ کا نام نامی یاد آیا۔ قاضی موصوف آپ کی اہلیہ محترمہ کے چچا زاد بھائی ہونے کے علاوہ نظارۃ المعارف القرآنیہ دہلی میں علماء کی جماعت کے انگریزی پڑھانے کے اُستاد تھے۔ اب حضرت اعلیٰ قاضی مرحوم کے پاس گئے۔ تو وہ اس کارِ خیر کے لئے فوراً تیار ہو گئے۔ اور دوسرے ضامن ملک لال خاں

(منیجر انجمن اسلامیہ گوجرانوالہ) کو تجویز کیا گیا۔ چنانچہ ملک صاحب نے بھی اپنی آمادگی کا اظہار فرمایا۔ جزاھم اللہ خیر الجزاء فی الدارین۔ جب یہ دونوں حضرات ضمانت دینے کے لئے لاہور تشریف لائے۔ تو سی۔آئی۔ڈی پولیس نے زرِ ضمانت میں تخفیف کردی۔ اور ہر ایک صاحب کو پانچ پانچ سو روپیہ ضمانت دینے کی اجازت ہوگئی۔ یہ ضمانت صرف ایک سال کے لئے تھی۔ اب حضرتِ والاجاہ لاہور میں قیام پذیر ہونے کے لئے پابند ہو گئے۔ لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ دریائے راوی کی گہرائیوں سے لے کر شاہی مسجد کے بلند میناروں کی تمام فضاؤں نے ہزار مسرّت و عقیدت سے نہیں پکارا تھا۔

آمد آں مردے کہ ما مے خواستیم!

اے سرزمین لاہور

اے لاہور کی سرزمین! تجھ کو لاکھوں بار مبارک ہو۔ تُو نے آج اُس عظیم المرتبت بزرگ کی قدم بوسی کا شرف حاصل کیا ہے۔ جس کو خدائے قدّوس نے اس صدی میں دینِ مصطفوی کی خدمت کے لئے پیدا کیا ہے۔ وہ پاؤں جن سے آج بیڑیاں اتاری جارہی ہیں۔ اُن کے نیچے نصف صدی تک عقیدتمند آنکھیں بچھائیں گے۔ ان مبارک قدوم کی برکت سے سنگریزوں کو جواہرات اور کانٹوں کو پھولوں کی سیرت عطا ہونے والی ہے۔

اے لاہور کی فضاؤ! میرا یقین ہے۔ کہ تم خاموش ہو۔ مگر تمہاری گویائی کا مجھ کو شعور نہیں ہے۔ اس لئے مَیں نے تم کو خاموش کہا ہے۔ نہیں! نہیں! تم تو حمدِ باری تعالےٰ میں محو ہو۔ اور اس جنیدِ دوراں کی آمدِ سعید پر خانہ نشست خانہ نشست کہہ کہہ کر استقبال کر رہی ہو۔ بارک اللہ تمہاری پہنائیوں میں قرآنِ حکیم کی مجالس قائم ہوں گی۔ درسِ علم و حکمت کا انعقاد ہوگا۔ مجالسِ ذکر کا انتظام کیا جائے گا۔ اور تمہاری تاریکیاں ضیائے روحانی سے بدلی جائیں گی۔ علماء و حفّاظ معتکفین اور طالبین کے

مجمع ہوں گے۔ عوام کی اصلاحِ حال کا پیغمبرانہ اہتمام ہوگا۔ اور متوکلینِ ارض وسما پکار اٹھیں گے ع

ناقصاں را پیرِ کامل۔ کاملاں را رہنما!

اے شہرِ لاہور! تجھ کو مبارک ہو۔ تیری بستی میں ہادیٔ زماں آگیا ہے! وہ داہنے ہاتھ میں قرآن اور بائیں ہاتھ میں مشعلِ حدیث خیرالانام لے کر آیا ہے۔ اس کے فرشتہ وش چہرے پر سیمائی انوار چمک رہے ہیں۔ اس کا سینہ عبادتِ الٰہی کے جذبہ سے سرشار ہے۔ اس کی صحبت میں بیٹھنے والے لذتِ ایمان سے محظوظ ہوں گے۔ اس کے عقیدت مند اسلام سے راضی ہونگے۔ اس کے حلقۂ رشد میں صوفیانِ پاک باطن۔ طالبانِ علم وفضل اور مجاہدینِ فی سبیل اللہ آئینگے۔ وہ مفسرانِ قرآن۔ عارفِ یزداں۔ زعیمِ احرار بن کر زندگی بسر کرے گا۔ وہ حق کی حمایت کے لئے ہمیشہ سینہ سپر رہے گا۔ اور خدائے دوجہاں کی رحمتیں اس کی حفاظت وصیانت کریں گی۔ اگرچہ اس کو طاغوتی طاقتوں کی یلغار سے خائف کرنے کی بارہا کوشش کی جائے گی۔ مگر اس کا دل خشیتِ الٰہی سے اس قدر معمور ہوچکا ہے۔ کہ اُس میں غیر اللہ کا خوف داخل ہو ہی نہیں سکے گا۔

اے سرزمینِ ہند! یہ قطبِ زماں۔ یہ مخدومِ دوراں تیرے پھولوں کی سیجوں پر بیٹھے گا۔ مگر تیرے قید خانوں میں جاتے ہوئے بھی ہرگز نہیں گھبرائے گا۔ کیونکہ یہ ہمیشہ پُرخطر صداقت میں منظرِ عام پر آئے گا۔ اور اپنے دور کے تمام فتنوں کا الٰہی طاقتوں سے مقابلہ کرے گا۔ وہ خدا تعالےٰ کے سوا کسی پر بھروسہ نہیں کریگا۔ اور تیرے حکّام کے سامنے سر نہیں جھکائے گا۔ اور نبّاضِ اقوام علّامۂ دوراں ڈاکٹر محمد اقبال اُس کو پہچان کر اپنی الہامی آواز میں پکار اُٹھے گا۔

آئینِ جواں مرداں حق گوئی وبیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

رُوحِ لاہور استقبال کرتی ہے

میری باتوں کو سُن کر اِک ندا اُٹھی فضاؤں سے
صدائے حبذّا و مرحبا گونجی ہواؤں سے

صدا آئی کہ جان و دل سے استقبال کرتی ہوں
مَیں اِن کی راہ میں اپنے چمن پامال کرتی ہوں!

میرے دامن میں لاکھوں گرچہ ناہنجار بستے ہیں
بہت قزّاق بستے ہیں۔ بہت میخوار بستے ہیں

فحاشی کے مراکز ہیں۔ سینماؤں کی بستی ہے
مری قسمت! کہ برسوں سے یہاں لعنت برستی ہے

شیاطیں کا تسلّط ہے۔ یہاں کی درسگاہوں پر
متاعِ دیں بھی قرباں ہے فرنگی پیشواؤں پر

کتاب اللہ پر طعنہ زنی کی یاں اجازت ہے
تماشا کھیل ان کے دین میں عین عبادت ہے

مگر فضلِ خداوندی سے اب صورت بدلتی ہے
شبِ تاریک جاتی ہے مری قسمت چمکتی ہے

بحمد اللہ مری بستی میں فخرِ اولیاء آئے
مثیلِ بایزیدؒ آئے امام الاتقیا آئے

مجھے تہلیل کے نغمات کا سُننا مبارک ہو
کتاب اللہ کی آیات کا سُننا مبارک ہو

ہزاروں اس جگہ حُسنِ عبادت آ کے سیکھیں گے

ہزاروں اس جگہ درسِ صداقت آکے سیکھیں گے
یہ مرکز زیرِ گردوں عظمتِ قرآن کا ضامن
بفضلِ حق تعالےٰ دولتِ ایمان کا ضامن
مکرّر شکر ہے وہ حامیٔ دینِ مبین آتے
مرے ظلمتکدے میں مُرشدِ روشن جبیں آتے
یہ مہمانِ مُعظّم صاحبِ اسرار ہے گویا
مرا دل جوشِ استقبال سے سرشار ہے گویا
مری آواز سُن لو دل کے کانوں سے جہاں والو
مرا پیغام پہنچا دو۔ فلک والو۔ زماں والو
درِ فیضِ محمدؐ وا ہے۔ آئے جس کا جی چاہے
خُدا تے دو جہاں سے لو لگائے جس کا جی چاہے

آپ کی اہلیہ محترمہ کی پریشاں حالی

دہلی سے حضرت مولاناؒ کی گرفتاری کے بعد حضرت کی اہلیہ مکرمہ کے برادرِ عزیز حافظ عبدالغنی صاحب حضرت کے اہل وعیال کو دہلی سے لاہور لے آئے تھے۔ چونکہ حضرت کے خسر بزرگوار حضرت مولانا ابو محمد احمدؒ مرحوم بھی اسی سازش کے مقدمے میں گرفتار تھے۔ اور اُن کو روپڑ ضلع انبالہ میں نظر بند کیا گیا تھا۔ لہٰذا حضرت مولاناؒ کی اہلیہ محترمہ اپنے والد محترم کی عدم موجودگی میں لاہور نہ رہ سکیں۔ اور اپنے کمسن بھائی (ڈاکٹر عبدالقوی لقمان فزیشن اینڈ سرجن) کو ساتھ لے کر نواب شاہ صوبہ سندھ میں چلی گئی۔ پیشتر ازیں حضرت مولانا نے ایک قطعہ اراضی مکان بنانے کی غرض سے نواب شاہ میں خریدا ہُوا تھا۔ اگرچہ وہاں مکان بنانے کی نوبت تو نہ آئی

مگر آپ نے اس جگہ کے اردگرد ایک چار دیواری بنوائی تھی۔ جس پہ سے ایک شتر سوار بھی اندر نہیں جھانک سکتا تھا۔ علاوہ ازیں حضرت والا شان نواب شاہ میں اپنے احباب اور عقیدتمندوں کی ایک معتدبہ جماعت رکھتے تھے۔ لہٰذا اس تعلق اور عقیدت کی بنا پر حضرت مولانا کی اہلیہ محترمہ نے خیال فرمایا۔ کہ زمین اپنی موجود ہے جب خدا تعالےٰ توفیق دیگا تو چھوٹا سا مکان تعمیر کرلیں گے۔ اب آپ کی اہلیہ محترمہ نواب شاہ تشریف لے گئیں اور وہاں آپ کے چھوٹے بھائی (زبدۃ الحکما حکیم رشید احمد صاحب پروفیسر طبیّہ کالج لاہور) کو بھی بُلا لیا۔ جناب حکیم صاحب اُن دنوں ابھی کمسن ہی تھے۔ لہٰذا آپ کو صوبہ سندھ کے ایک مدرسہ میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے داخل کرادیا گیا۔

حضرت کا لاہور میں مستقل قیام

آپ کو جب لاہور میں رہنے پر پابند کیا گیا تو آپ نے اپنے اہل وعیال اور اپنے بھائی رشید احمد صاحب کو اپنے پاس بُلا لیا۔ حکیم صاحب کو تعلیم حاصل کرنے کے لئے طبیّہ کالج لاہور میں داخل کیا گیا۔ آپ نے وہاں سے زبدۃ الحکماء کی اعزازی ڈگری حاصل کی۔ اور اُسی کالج میں بحیثیت پروفیسر کام کرتے لگے۔ لہٰذا آپ کئی سال سال تک وہاں کام کرتے رہے۔ آپ بڑی مستعدی۔ تندہی اور دیانتداری سے کام کرتے تھے۔ اس لئے آپ کی جماعتوں کے نتائج بہت اچھے نکلتے تھے۔

لاہور میں حضرتؒ کے مشاغل

امام انقلاب حضرت مولانا سندھیؒ نے حضرت مولاناؒ سے دہلی کے قیام میں وعدہ لیا تھا کہ وہ ساری زندگی قرآن حکیم کا درس دیتے رہیں گے۔ اس وعدہ کی پابندی کی وجہ

سے حضرت مولانا مرحوم اگرچہ لاہور میں ایک سال تک نظربند ہی تھے۔ مگر آپ نے دو آدمیوں کو قرآن کا ترجمہ پڑھانا شروع کر دیا۔ جن میں سے ایک مولانا عبدالعزیز جو کہ بازار سریانوالہ میں دوکاندار تھے۔ اور دوسرے میاں عبدالرحمٰن شاہ صاحب تھے جو سریانوالہ بازار میں ایک مسجد کے امام تھے۔ یہ دونوں حضرات آپ کے خُسر حضرت ابو محمد احمدؒ کے مخلص احباب میں سے تھے۔ اس لئے اُن پر اعتماد رکھتے ہوئے آپ نے اُن کو ترجمہ پڑھانا شروع کر دیا۔ آپ کی اکثر کوشش ہوتی کہ درس میں کوئی مشتبہ آدمی نہ آئے۔ تاکہ آپ کے خلاف کوئی رپورٹ نہ ہو۔ اور نہ ہی آپ کے ضامنوں کو زرِ ضمانت سے ہاتھ دھونے پڑیں۔ بعد ازاں جب آپ کی صداقت۔ اخوتِ اسلامی اور کتاب و سنت پر استقامت کے راز لوگوں پر کھُلنے لگے۔ تو مخلص احباب کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔

ان دنوں آپ کا مکان "اللہ دتہ کا کٹڑہ" کی بالائی منزل پر تھا۔ اگرچہ آپ نمازِ پنجگانہ مسجد لائن سبحان خاں میں ادا فرماتے تھے۔ مگر یہاں درس نہیں دیتے تھے۔ درس کا انتظام اُن دنوں مستری اللہ دتہ کے کٹڑہ کے متصل ایک چھوٹی سی مسجد میں ہوتا تھا۔ یہ مسجد شیرانوالہ دروازہ سے فاروق گنج کو جاتے ہوئے جرنیلی سڑک کے نیچے اتر کر دائیں ہاتھ پر واقع ہے۔ جب سامعین کی تعداد میں اضافہ ہو گیا اور مسجد میں گنجائش نہ رہی تو آپ نے مسجد کی ملحقہ دوکانوں کی چھت پر درس دینا شروع کر دیا۔ یہ جگہ سڑک کے اُوپر شیرانوالہ دروازہ سے بالکل سامنے تھی۔ لہٰذا جب شائقین حضرات نے وہاں درس ہوتے دیکھا تو مجمع اور بھی بڑھنے لگا۔ اب آپ کے دل میں سابقہ اندیشہ لاحق ہوا۔ کہ کوئی سی۔ آئی۔ ڈی کا آدمی آپ کے خلاف رپورٹ نہ کر دے۔ اور آپ کے ضامنوں کی ضمانت ضبط نہ ہو جائے۔ لہٰذا آپ نے اس جگہ درس دینا بند کر دیا۔ اور اب مولانا عبدالحق کی بیٹھک میں درس دینا شروع کر دیا۔ جو اُن دنوں اندرون شیرانوالہ دروازہ۔ نواں محلہ میں مقیم تھے۔ درس کا سلسلہ کافی عرصہ تک وہاں ہی جاری رہا۔

مسجد لائن سبحان خاں میں درس کی ابتدا

قرآنِ حکیم وہ سحرِ حلال ہے کہ اس کی آواز میں تسخیرِ قلوب کی مسلّمہ تاثیر پائی جاتی ہے۔ قدرتِ خداوندی صحراؤں کو گلستانوں میں تبدیل کر سکتی ہے۔ سنگریزوں میں جواہرات کی چمک دمک پیدا کر سکتی ہے۔ اُس کے حکم سے ماہ و مہر کو تابانی عطا ہوئی۔ اور اُس کی قدرت نے بادِ صبا کے دامن کو فردوسی پھولوں کی بو باس سے معطّر کر رکھا ہے۔

تو قادر ہے بدلتا ہے خزاں کو نو بہاروں میں
تیری قدرت سے غنچے مسکراتے ریگ زاروں میں (اخگر)

اور یہ قدرت ہے۔ بلکہ لاکھ بار حقیقت ہے۔ جو کسی نے اس مصرعہ میں پیش کی ہے۔ ع

تُو جو چاہے تو اُٹھے سینۂ صحرا سے حباب

پروردگارِ عالم کی کرم گستریوں اور بندہ نوازیوں پر غور کیجئے کہ وہ اپنی رحمتِ واسعہ سے آج مسجد لائن سبحان خاں کے ذرّوں کو آفتاب کا ہمسر کر رہا ہے۔ وہ ایک ویران جگہ کو مسلمانانِ ہند و پاک بلکہ بیرونِ ہند کے خوش نصیب افراد کا ملجا و ماوا بنا رہا ہے۔ اس جگہ محبت۔ عقیدت۔ اخوّت۔ مساوات۔ صداقت۔ درویشی و شاہی اور علم و عرفان کے انوار قلوب و ارواح کو نصف صدی تک منوّر کرتے رہیں گے ؎

نہ بادہ ہے نہ صراحی نہ دَورِ پیمانہ
فقط نگاہ سے رنگیں ہے بزمِ جانانہ (اقبال مرحوم)

اور دُوسری جگہ گرویدگیِ خلق اور مردِ حق کی جاذبیت کو علّامہ مرحوم یوں اشعار میں بیان فرماتے ہیں:

ہجوم کیوں ہے زیادہ شراب خانے میں
فقط یہ بات کہ پیرِ مغاں ہے مردِ خلیق

پروردگارِ عالم کی قسم! ہم نے باوجود اپنی دنیوی مصروفیات کے شیرانوالہ کی مسجد لائن سبحان خاں میں عہدِ نبویؐ کے ظہورات دیکھے۔ وُہ دل جو لاکھوں دُنیاوی افکار و حوادث سے زخمی ہوتے تھے۔ جب اس دارالعافیت میں قدم رکھتے تھے۔ تو بے چینی قرار سے بدل جاتی تھی۔ اگر دلوں کو اور روحوں کو اس جگہ طمانیت کی دولت نصیب نہیں ہوتی تھی۔ تو کیا وجہ تھی کہ لوگ پروانہ وار اُس شمعِ ولایت پر گرتے تھے۔ ہاں۔ ہاں ہمارے آقا ہمارے مولا۔ مردِ حق آگاہ تھے۔ جن کو فطرت کی عطاؤں نے صاحبِ یقین بنا رکھا تھا۔ اور اس یقین کی برکت سے خلقِ خدا کشاں کشاں اُن کے دروازے پر آتی تھی۔

یقیں پیدا کر اے ناداں یقیں سے ہاتھ آتی ہے وُہ درویشی کہ جس کے سامنے جھکتی ہے فغفوری اقبال مرحوم

خیر! کافی عرصہ تک مولانا عبدالحق صاحب کی بیٹھک میں درس ہوتا رہا۔ بعدازاں درسگاہ کا یہ کمرہ مولانا عبدالحق صاحب کو اپنی ذاتی ضرورت کے لئے استعمال کرنا پڑا۔ لہٰذا حضرتِ اقدس نے مولانا موصوف کے اشارے کے بغیر ہی مسجد لائن سبحان خاں میں درس دینا شروع کر دیا۔ دراصل یہ مسجد پولیس لائن کی مسجد تھی۔ اس وجہ سے اس مسجد کا نام لائن والی مسجد تھا۔ خدا جانے پولیس کے اُٹھ جانے کے بعد اس مسجد کی آبادی کا کیا ذریعہ رہا۔ البتہ جب ہمارے حضرتؒ نے اس جگہ درس کا سلسلہ شروع فرمایا تو اس وقت حاجی فضل دین نوان محلہ شیرانوالہ دروازہ حسبتاً للّٰہ اس مسجد کی ہر طرح خدمت سرانجام دیتے تھے۔ حاجی موصوف ایک صحیح العقیدہ شب بیدار اور متقی شخص تھے۔ اس کے علاوہ ایک بزاز بھی تھے۔ اللّٰہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے ان کے دل میں درس قرآن مجید کی عظمت اور حضرت مولانا کی محبت پیدا کر رکھی تھی۔

سلسلۂ معاش

حضرت مولانا مرحوم کے خُسر حضرت مولانا ابو محمد احمد مدت مدید سے لاہور میں قیام پذیر

تھے۔ وہ کشمیری بازار صوفی مسجد مولا داد میں رہا کرتے تھے۔ ان کا ذریعہ معاش طبع ہونے والی کاپیوں کی تصحیح کرنا تھا۔ اُن کی زندگی کے تقریباً آخری چالیس سال اسی کام میں گزرے۔ اسی بنا پر لاہور کے کتب فروشوں کے ساتھ ان کے تعلقات بڑے اچھے تھے۔ چونکہ وہ ابھی تک روپڑ ضلع انبالہ میں نظر بند تھے۔ اور حضرت اقدس کو لاہور میں رہنے پر پابند کیا گیا تھا۔ لہٰذا آپ نے بھی کاپیوں کی تصحیح کا کام شروع کر دیا۔ بعد ازاں جب آپ قرآن مجید کی نشر و اشاعت میں زیادہ مصروف ہو گئے۔ اور خداوند عالم نے فتوحات غیبیہ سے رزق پہنچانا شروع کیا۔ تو آپ نے تصحیح کے کام کو ترک فرما دیا۔ اب حضرتِ والا تبار نے روزانہ متعدد جگہ درس دینا شروع کر دیا۔ اور اللہ تعالےٰ اپنے خزانہ غیب سے رزق پہنچاتے رہے۔ (والحمدللہ علیٰ ذالک)

پہلے حج بیت اللہ کی تیاری

حوالات اور نظر بندی کی پیہم مصائب برداشت کرنے کے بعد ۱۹۱۷ء میں جب حضرتؒ لاہور میں تشریف لاتے تھے تو اسی سال کے آخر یا ۱۹۱۸ء کے ابتدا میں جب حج کا زمانہ آیا۔ تو حضرت اعلیٰ سفر حج کے لئے تیار ہوئے۔ یہ سفر صرف حج کی غرض سے ہی نہ تھا بلکہ آپ نے مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ آپ اپنے اہل و عیال سمیت حجاز پاک میں ہجرت کر کے تشریف لے جائیں اور بقیہ زندگی مدینۃ الرسول میں ہی گزاریں۔ لہٰذا آپ نے پاسپورٹ کی تحریر میں اپنے بال بچوں اور اپنے بھائی حکیم رشید احمد کا نام بھی لکھ دیا۔ درخواست کے وقت آپ کے مخلص دوست خواجہ محمد رشید صاحب والئی مسجد آسٹریلیا بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ آپ نے اس معزز رئیس زادہ کو فرمایا۔ کہ وہ ان کی ہجرت کے ارادے پر کسی کو آگاہ نہ کریں۔

تائیدِ غیبی کا ظہور۔ جب بدھ کے دن آپ نے حج کے لئے درخواست دی

تو آپ کے گھر میں فقط دس روپے تھے۔ مگر خدائے مسبب الاسباب نے اپنی رحمتِ واسعہ سے ہفتے تک آپ کے پاس اُنیس صد روپیہ بھیج دیا۔ اس عرصے میں آپ نے کسی سے کوئی مطالبہ نہیں کیا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے بندے آتے۔ دروازہ کھٹکھٹاتے اور کوئی دوسو کوئی چار سو روپے دے کر چلے جاتے۔ گویا تین چار دن کے اندر اندر حضرت کے اہل وعیال کے تمام مصارفِ حج کی رقم فراہم ہوگئی۔ کیونکہ اُن دنوں ایک حاجی کے لئے تقریباً دوسو روپیہ کافی سمجھا جاتا تھا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ قرآنی حقائق اپنے سرمدی انوار سے چمکتے ہی رہتے ہیں۔ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ؕ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ۝ (جو کوئی اللہ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اُس کے لئے خلاصی کی راہ پیدا کر دیتا ہے۔ اور اُس کو وہاں سے رزق دیتا ہے جہاں سے اُس کا وہم وگمان بھی نہ ہو۔ اور جو کوئی اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہو پس وہ اُس کے لئے کافی ووافی ہے۔ تحقیق اللہ تعالیٰ اپنے کام کو پہنچنے والا ہے۔ تحقیق اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے لئے ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے)

اِستخارہ

سفرِ حرمین الشریفین کے ارادے کے بعد حضرت اقدس نے بارگاہ حق تعالیٰ میں بطورِ استخارہ کے یوں استدعا کی کہ اے اللہ تعالیٰ اگر اس احقر العباد کا ارضِ مقدس کو ہجرت کر کے جانا ہر لحاظ سے مفید ہے تو اپنے فضلِ عمیم سے اعانت فرما۔ اور اگر صورتِ حال اس کے برعکس ہو تو اپنے حکم سے روک دے۔ جس دن پاسپورٹ آیا اُسی دن آپ تیار ہوگئے۔ ایک بستره باندھ لیا۔ برتن بوری میں ڈال لئے اور بقیہ سامان کچھ تو فروخت کر دیا۔ اور کچھ ادھر اُدھر لوگوں کو دے دیا۔ لیکن مشیّتِ ایزدی کا فیصلہ کچھ اور تھا۔ حضرت مولانا کا ہجرت کا ارادہ باری تعالیٰ کو منظور نہ تھا۔ عین اُسی

دن آپ کی اہلیہ محترمہ سخت بیمار ہو گئیں۔ اور سفر کے ہرگز قابل نہ رہیں۔ لہٰذا آپ کے مکرم المقام خُسر حضرت ابو محمدؒ احمد مرحوم باقی اقربا و اعزّا کے ہمراہ تشریف لاتے۔ اور اپنی صاحبزادی کی حالت کے پیشِ نظر اُن کو ہمراہ نہ لے جانے کے متعلق گفتگو ہوئی۔ اس لئے آپ بال بچوں کو سپردِ خدا کر کے تن تنہا حج پر تشریف لے گئے۔ اور ہجرت کا ارادہ ترک کر دیا۔ اور حج کرنے کے بعد بخیر و خوبی واپس تشریف لائے۔

تحریکِ خلافت

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ جب سفرِ حجاز سے مراجعت فرما کر کراچی پہنچے۔ تو آپ کو معلوم ہوا۔ کہ تحریکِ خلافت کا پُورے زور سے آغاز ہو چکا تھا۔ امیر امان اللہ کے خُسر محمود طرزی انگریزوں کے ساتھ صلح کی گفتگو کرنے کے لئے ہندوستان آئے ہوتے تھے۔ اور اِدھر ہندوستان کے مسلمان انگریزوں کے خلاف مشتعل ہو چکے تھے کیونکہ فرانسیسی اور انگریزی افواج نے قسطنطنیہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور خلیفۃ المسلمین مع اہل و عیال گرفتار ہو چکے تھے۔ اس موقعہ پر امیر امان اللہ خاں نے مسلمانانِ ہند کو دعوت دی۔ کہ وہ ہجرت کر کے افغانستان آجائیں۔ چونکہ مسلمان انگریزوں کے خلاف پہلے ہی سے برافروختہ ہو چکے تھے۔ لہٰذا انہوں نے اس دعوت پر فوراً لبیک کہا۔ اور ہزاروں کی تعداد میں کارواں در کارواں افغانستان کو روانہ ہونے لگے۔ اگر وہ ہجرت کامیاب ہو جاتی۔ تو اُس کے دُور رس نتائج حکومتِ انگلشیہ کے حق میں ضرور مہلک ثابت ہوتے۔ مگر قیاس چاہتا ہے۔ کہ امیر امان اللہ خاں نے اپنی پیش کردہ شرائط کو منوانے کے لئے انگریزوں کو فقط دھمکی دی تھی۔ اور ہجرت کی دعوت کا حربہ استعمال کیا تھا۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ہجرت ۔ ہم نے جس قدر تحقیق و تفحّص سے نظر

ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ ہمارے سامنے یہ مسلّمہ حقیقت اپنی پوری تابانی سے اُجاگر ہوگئی ہے۔ کہ ولایت اپنے ہر درجے میں نبوّت سے مستنیر ہوتی ہے۔ حضرتؒ کا جذبۂ ہجرت اگراس سے پیشتر چند حکمتوں کے پیشِ نظر پُورا نہ ہوسکا تو آخرکار آپ کو ہجرت کی سعادات وبرکات سے نوازا جانا بھی مقدّر ہو چکا تھا۔ ہجرت ایک پیغمبرانہ فضیلت کی چیز ہے۔ کیونکہ اس میں ہر مادی چیز کی محبت کو حبّ اللہ پر بلاتامّل قربان کرنے کا صریح مفہوم موجود ہے۔ مہاجرین کے شب وروز میں اللہ تعالےٰ نے جن سعادتوں کو اُن کے لیئے مقدّر کیا ہُوا ہوتا ہے۔ اُن سے غیر مہاجرین کو بھلا کب حصّہ ملتا ہے؟ ہم تو اس موقعہ پر حضرت مولانا مرحوم کی جامعیت کے خمیر پر حیرت واستعجاب کے علاوہ صد ہزار احسانمندی کے احساسات میں مستغرق ہیں۔ کہ پروردگارِ عالم نے ہمارے آقائے رُوحانی کو اُن صعوبتوں اور کٹھن منزلوں کا راہی بنایا تھا۔ جن کے ثمرہ میں آپ کی ولایت کو چار چاند لگ گئے۔ آپ کی زندگی کی ہر ابتلا ہزاروں نعمتوں میں منتج ہوتی رہی۔ اور اس طرح سے آپ کے رُوحانی مقامات کی رفعت بڑھتی گئی۔ ذٰلِکَ فضل اللّٰہ یؤتیہ من یّشاء واللّٰہ ذوالفضل العظیم۔

اُوپر بیان کیا جاچکا ہے۔ کہ حضرت والاشان ہندوستان سے ہجرت کرکے حجازِ مقدّس کو جانے کا ارادہ کر چکے تھے۔ مگر وہ پُورا نہ ہوسکا۔ مگر ہجرت کی فضیلت کے ملنے کے اب ایّام آچکے تھے۔ ہندوستان کے مختلف صوبجات سے مہاجرین جوق در جوق کابل جانے شروع ہوگئے۔ لہٰذا آپ بھی اپنی تمنّا کے مطابق ہمہ تن تیار ہوگئے۔ اس سے پہلے حضرت مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم کی معیّت میں آپ کے دو چھوٹے بھائی کابل پہنچ چکے تھے۔ حافظ محمد علی صاحب کو امامِ انقلاب حضرت سندھیؒ اپنے ہمراہ لے گئے تھے۔ اور مولوی عزیز احمد صاحب

کو مولانا بستہ جی نے پہلے ہی مولوی محمد علی قصوری کی معیت میں طبیہ کالج میں حصولِ تعلیم کے لئے داخل کرا دیا تھا۔

لہٰذا آپ کی ہجرت کا جذبہ بفضلِ ایزد تعالیٰ پورا ہونے کی مشکل راہیں آسان ہو رہی تھیں۔ انگریزوں سے نفرت۔ ایک اسلامی سلطنت میں آزادانہ زندگی بسر کرنے کی اُمنگ۔ اور اپنے حقیقی بھائیوں اور رُوحانی محسن و مربی کی ملاقات کا والہانہ اشتیاق آپ کو کابل کی طرف کشاں کشاں لئے جا رہا تھا۔ سبحان اللہ! جہاد اور ہجرت دو مساوی درجے کی قربانیاں معلوم ہوتی ہیں۔ اور ان پر عملاً قدم اُٹھانا ہر انسان کا کام نہیں ہے۔ مگر یہاں تو عزم بالجزم کے ساتھ ساتھ توکل و رضائے الٰہی کے جذبات موجود تھے۔ جن کے ہوتے ہوئے کامرانی و کامیابی امرِ یقینی ہو جاتی ہے ؎

مانا حریمِ ناز کا پایہ بلند ہے
لے جائے گا۔ اُچھال کے دردِ جگر مجھے

لاہور پنجاب کا اُمّ القریٰ ہے۔ لہٰذا مضافاتِ لاہور سے مہاجرین یہاں اکٹھے ہونے شروع ہو گئے۔ اور اُنہوں نے حضرت مولانا مرحوم کو اپنا امیرِ قافلہ منتخب کر لیا۔ پنجاب کے بعض شہروں سے پانچ ہزار روپے کی ایک رقم فراہم کی گئی جو کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی تحویل میں دی گئی۔ اور فیصلہ یہ طے پایا۔ کہ یہ رقم امیر امان اللہ خاں کی خدمتِ عالیہ میں پیش کی جائے۔ اور یقین کیا جاتا تھا کہ یہ رقم خطۂ پنجاب کی طرف سے پہلی قسط تھی۔ جو پیش کی جانے والی تھی۔ جو وقت آنے پر سونے کی اینٹ کی صورت میں پیش کی گئی۔

قافلے کا پشاور میں استقبال

مسلمانانِ پشاور نے اپنے انتظام کے ماتحت مہاجرین کے قافلے کی آمد کی

اطلاع حاصل کر لی تھی۔ لہٰذا وہاں کے ذمہ دار حضرات رضا کاروں کو ہمراہ لے کر مہاجرین کے استقبال کے لئے ریلوے اسٹیشن پشاور پر پہنچ جاتے تھے۔ جب حضرت مولانا مرحوم کے قافلے والی گاڑی پشاور اسٹیشن پر پہنچی۔ تو حسب دستور لوگ وہاں استقبال کے لئے موجود تھے۔ انہوں نے مہاجرین سے درخواست کی کہ وہ اپنا سامان نیچے اُتارنے کی زحمت گوارا نہ کریں۔ لہٰذا پشاور کے باشندوں نے نہایت حُسنِ اخلاق اور بشاشت سے تمام مہاجرین کے مال و اسباب کو گاڑی سے باہر نکالا۔ اور اُس کو تانگوں میں رکھ کر مقررہ قیامگاہ پر لے گئے۔ رضا کاروں نے سامان کی حفاظت میں اس قدر حزم و احتیاط اور دیانت سے کام لیا۔ کہ کسی مہاجر کو اپنے سامان کے متعلق کوئی شکایت نہ ہوئی۔ علاوہ ازیں ان لوگوں نے رہائش اور خوراک کا بھی اس قدر خاطر خواہ انتظام کیا ہُوا تھا۔ کہ مہاجرین کے دلوں سے بے ساختہ دُعائیں نکلتی تھیں۔

کابل کو روانگی

دو تین دن پشاور میں رہ کر اب مہاجرینِ پنجاب کا قافلہ جو حضرت مولاناؒ کی سرکردگی میں تھا۔ تانگوں میں بیٹھ کر عازم کابل ہُوا۔ پشاوری احباب نے ان لوگوں کا سامان بیل گاڑیوں میں رکھ دیا۔ تانگے آگے پیچھے غیر منظم طریق پر منزلیں طے کرتے ہوتے راتوں کو مختلف مقامات پر ٹھہرتے تھے۔ حضرت کا تانگہ مقام بساول پر جا کر ٹھہرا۔ وہاں اور مہاجرین کا ایک تانگہ بھی موجود تھا۔ ان تانگوں نے بساول کے باہر پڑاؤ ڈال دیا۔ اُس رات حضرت والا شکوہ کے پاس پانچ ہزار روپے کا سونا بھی تھا۔ جو آپ نے باقی حضرات کے مشورے سے امیر افغانستان کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے خریدا تھا۔ حضرت کا تانگہ مذکورہ بالا مقام پر نمازِ عشا سے پہلے پہنچ گیا تھا۔ مگر بیل گاڑی جس پر آپ کا سامانِ خورد و نوش تھا۔ وہ کہیں پیچھے رہ گئی تھی۔ لہٰذا اُس وقت رات کی تنہائی میں بچوں کے کھانے کا کوئی

انتظام نہ تھا۔ دوسرا تانگہ لاہور کے مہاجرین کا تھا۔ اُن کا سامان خورد و نوش اُن کے ہمراہ تھا۔ اُنھوں نے ازراہِ ایثار اپنا سامان حضرت اور آپ کے بال بچّوں کو دیدیا۔ دوسرے دن آپ کا تانگہ بھٹّی کوٹ کی منزل پر پہنچا۔ رات وہاں گزری اور تیسرے دن شام کے وقت آپ جلال آباد میں پہنچ گئے۔ اس کے بعد چوتھے دن مختلف مقامات پر ٹھہرتے ہوتے کابل میں جاکر سانس لیا۔

کابل میں داخلہ

کابل میں آپ کے دو چھوٹے بھائی اور حضرت سندھیؒ پہلے سے ہی موجود تھے۔ یہ حضرات رحمتِ خداوندی سے امیر افغانستان کی شاہی کوٹھی عین الامارۃ میں رہا کرتے تھے۔ یہ جگہ شہزادگی کے زمانے میں مکرم المقام جناب امیر صاحب کی قیام گاہ تھی۔ تخت نشینی کے بعد اُنھوں نے یہ شاہی قیامگاہ حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ کی تحویل میں دے دی۔ چونکہ حضرت مرحوم کے قافلے کے بہت سے آدمی آپ سے پہلے کابل پہنچ گئے تھے۔ لہٰذا آپ کے بھائیوں کو آپ کی آمد کی اطلاع ہو چکی تھی۔ اُنھوں نے حفظِ ماتقدم کے طور پر آپ کے لئے ایک کشادہ مکان کرایہ پر لے لیا۔ آپ نے کابل میں قدم رنجہ فرماتے ہی اُس مکان میں رہنا شروع کر دیا۔ یہ مکان بڑا وسیع تھا۔ لہٰذا آپ نے شیخ میراں بخش صاحب اور میاں عبداللہ صاحب کو بھی اپنے ساتھ رہنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ حضرتِ انور بالائی منزل میں مقیم تھے۔ اور یہ دونوں حضرات اپنے اہل و عیال سمیت نچلے حصّے میں آباد تھے۔

اہلِ قافلہ کو مبارک ہو

حضرت اقدس کے سوانح حیات لکھتے ہوئے بعض بعض مقامات پر ارادتمند

عقیدت کا اظہار میرے بس کا روگ نہیں ہے۔ عشق و محبت نے انسانی رُوح کو ہر زمانے میں محظوظ کیا ہے۔ خدائے قدوس کی قسم کھا کر عرض پرداز ہوں میرا مطلب کوئی جولانی طبع دکھانا نہیں ہے۔ اور نہ ہی یہ مقصود ہے کہ آپ میری شاعرانہ عظمت کا لوہا ماننے لگ جائیں۔ مگر ہر مناسب مقام پر نفسیاتی۔ رُوحانی اور قلبی کیفیات کا جائزہ لینا۔ اور اُن کو ماحول کے تقاضوں کے مطابق حوالۂ قلم کرنا تو وقائع نگار کے فرائض میں داخل ہے۔ وہ سوانح و واقعات جن میں نفسیاتی معاملاتی اور وجدانی روابط موجود نہ ہوں۔ وُہ پتلیوں کے کھیل سے زیادہ اہمیّت نہیں رکھتے۔ اور اس کے برعکس جہاں انسانوں کے ایّام و شہور کا تعلق ہو۔ وہاں عشق و محبّت۔ عقیدت و ارادت۔ بذل و ایثار۔ خدمتِ خلق۔ ہمدردی اور انسانیت کے بلند معیار کے ساتھ ساتھ بعض قباحتوں کا تذکرہ بھی ضرور آجایا کرتا ہے۔ القصّہ پیش افتادہ واقعات کی ظاہری صورتوں کے اندر جو ہزاروں حقائق روپوش ہوتے ہیں۔ اُن کی نقاب کُشائی بھی سوانح نگار کا اہم فریضہ ہے۔ لہٰذا قارئینِ کرام سے ملتجی ہوں کہ وُہ مجھ بے بضاعت کے حق میں بارگاہِ خدا میں دُعا کریں۔ کہ وہ اپنے لطفِ خاص سے احقر الانام کو حضرت شیخ التفسیر مرحوم کے رُوحانی مقام کے مناسب ضبطِ حالات کی توفیق ارزاں فرمائے۔ آمین

اب ہمارے دل میں اُن سعید رُوحوں کو مبارک باد پیش کرنے کے لئے جذبات کا ایک بے پناہ ولولہ موجود ہے۔ ہاں۔ ہاں۔ وہ لوگ جنہوں نے حضرتِ اقدس جیسے یکتائے روزگار بزرگ الشان کی صحبت میں دن گزارے۔ اور پھر آپ کی قیادت میں ہجرت کی گھڑیاں بسر کیں۔ ہم تمام مہاجرین کابل کو صد ہزار عقیدت سے ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہیں۔ کیونکہ وُہ قافلہ جس کی دیکھ بھال کے فرائض حضرت جیسے مونس و غمخوار انسان کے سپرد تھے ان کی سعادت کا کیا کہنا حضرت مولانا مرحوم جن کی

زندگی کو بھانپنے والوں کا متفقہ فیصلہ ہے۔ کہ آپ میں اتّباعِ سُنّت کا نقشہ تمام ہمعصر اولیائے کرام سے زیادہ تھا۔ اُن کو یقین ہے۔ بلکہ لاکھوں بار یقین ہے کہ اگر غارِ ثور میں یارِ غار حضرت صدیقِ اکبر کے چہرے پر خوف وہراس دیکھ کر زبانِ مصطفےٰ صلّی اللہ علیہ وسلم سے لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا نکلا تھا۔ تو یقیناً حضرت مرحوم بھی اپنے رفقاءِ سفر کی پریشان حالی میں لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا کی قولی اور فعلی سُنّت پوری کرتے رہے ہوں گے۔ اور جس طرح رسولِ انس وجان صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ارشاد گرامی کے بعد حضرت صدیقِ اکبر کو طمانیت حاصل ہوگئی تھی۔ اسی طرح پروردگارِ عالم نے آپ کے ساتھیوں کے لئے بھی حضرت مولانا کے ہمدردانہ الفاظ میں بھی لازماً تاثیر رکھی ہوگی۔ کیونکہ ولایت اپنے ہر فعل میں نبوّت کے فیضان سے مستفیض ہوتی ہے۔ اور خالقِ اکبر اپنے ہر بندے کو اس کی استعداد کے مطابق اپنی رحمتوں سے نوازتے ہیں۔ ع

دیتے ہیں بادہ ظرفِ قدح خوار دیکھ کر

اے اہلِ قافلہ! اے مردو! عورتو! بچّو! سواری کے جانورو! رستو اور منزلو! آپ کو لاکھوں بار مبارک ہو۔ کیونکہ خداوندِ عالم نے آپ کو اُس برگزیدہ شخصیت کی رفاقت نصیب کی ہے۔ جو اپنے دَور کے مقبول ترین بندوں میں سے ہے۔ یہ وُہ عیدِ نیب ہے۔ جس کی قوتیں الٰہی قوّتوں کے تابع ہیں۔ اس کا کردار اتنا بلند ہے کہ جس کی نظیر نہایت مشکل سے ملتی ہے۔ اس کے اخلاق اتنے پسندیدہ ہیں کہ عہدِ نبوی کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ یہ معاملات اور عبادات میں بنی اسرائیل کے نبیوں کا مثیل ہے۔ اس کی موجودگی آپ لوگوں کے لئے جہاں باعثِ افتخار ہے وہاں رُشد وہدیٰ کی ایک جیتی جاگتی تصویر بھی ہے۔ یہ قرآنِ حکیم کا مفسّر وقاری ہی نہیں بلکہ بقول علّامہ اقبالؒ۔

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن
قہّاری و غفّاری و قدّوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں۔ تو بنتا ہے مسلمان

حضرتِ والا گوہر۔ شہبازِ فلکِ طریقت کے روحانی مقامات کی بلندی اگر آپ پر افشا ہوتی۔ تو آپ ہجرت کے ایّام میں بھوک، پیاس سردی وگرمی کا احساس اور سفر کی باقی کلفتوں کو ہرگز ہرگز محسوس نہ کرتے۔ ہاں آپ کو کلیتہً بے خبری بھی نہ تھی یہی وجہ ہے۔ کہ آپ نے اُس قطبِ عالم کو اپنا امیرِ قافلہ منتخب کیا تھا۔ اس کی رائے کو ہر لحاظ سے صائب یقین کیا۔ اور اُس کو امین و صادق مان کر پانچ ہزار روپے کی رقم اُس کے حوالے کی۔ مَیں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔ کہ آپ نے اُس پیکرِ صدق و صفا کو نہیں پہچانا تھا۔ مانتا ہوں کہ جتنا پہچانا تھا۔ وہ مردِ حق اُس سے بلند تر تھا۔ یہ فرطِ عقیدت کی وجہ سے نہیں۔ بلکہ مسلمہ حقیقت کے پیشِ نظر عرض کر رہا ہوں۔ کہ سواری کے جانوروں کو جس پاکباز، منفرد شخصیت کا وجدانی طور پر احترام ہو۔ رستے کی منزلیں جس کے لئے اپنے عقیدت کے دامن بچھائیں۔ اور زمین کے ذرّے جس کے مبارک پاؤں کو چومنے کے لئے گردِ راہ بن کر اُبھریں۔ اُس کے ہمنشینوں کو اور ہمسفروں کو اُس کے مقام سے بے خبر نہیں کہا جا سکتا۔ اے قافلہ والو! آپ میں وہ بھی موجود ہیں جن کے لئے میرِ قافلہ کی زیارت اور رفاقت ہزار گونہ طمانیت کا باعث ہے اور اگر مفتیانِ شرعِ عشق سے پوچھو۔ تو اُن کا فتویٰ ہے۔ ؎

یک زمانہ صحبتِ با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

خداوند قدوس کی قسم! آپ لوگوں کی بلند بختی پر دل میں رشک و حسرت کا ایک

بے پناہ ولولہ موجزن پاتا ہوں۔ آپ کو اُس مبارک پیرِ حق سرشت کے ساتھ چلنا۔ پھرنا۔ بیٹھنا۔ سونا۔ کھانا۔ پینا۔ مسکرانا۔ محوِ تفکّر ہونا۔ عبادت کرنا۔ اور باقی ایّامِ شہود و گزارنا صد ہزار بار مبارک ہو۔ ہم آتی ہیں۔ آپ لوگ جاودانی ہتھے۔ ہم محتاج و منتظر ہیں۔ اور آپ کے دل معمور و مخمور تھے۔ آؤ اب خدائے دو جہاں کا شکریہ ادا کریں۔ تاکہ اُن راہوں اور منزلوں کے ذرّوں کی ہمنوائی کر کے ہم اپنے محسنِ حقیقی کو راضی کر سکیں۔

قیام گاہ

تفصیلاً گزارش ہے کہ جب حضرت مولاناؒ کا قافلہ کابل میں پہنچا۔ تو سب سے پہلے ایک عید گاہ میں ٹھہرے۔ یہ عید گاہ مسقف تھی۔ ان کی آمد سے پیشتر بھی مہاجرین یہاں موجود تھے۔ اُنہوں نے حضرت مولاناؒ اور باقی اہلِ قافلہ کو یہ ہمت شکن اطلاع دی کہ یہاں مہاجرین نہایت کس مپرسی کی حالت میں ہیں۔ حکومت افغانستان نہایت بے اعتنائی سے کام لے رہی ہے۔ اکثر مہاجر حضرات جو اپنے ہمراہ نان و نفقہ لاتے تھے۔ ختم کر چکے ہیں۔ اب اُن کے پاس نہ کھانے کا سامان ہے اور نہ ہی واپس جانے کے لیے کرایہ ہے۔ اہلِ قافلہ نے حضرت مولانا مرحوم کو ان حالات سے مطلع کرنے کے بعد واپس جانے کی اجازت طلب کی۔ حضرتؒ نے اس عجلت سے اُن کو باز رہنے کے لئے بڑا سمجھایا بُجھایا۔ مگر وہ پھر بھی واپس جانے پر مصر ہی رہے۔

مہاجرین اور حکومتِ افغانستان کا فیصلہ

حکومتِ افغانستان نے فیصلہ کیا کہ مہاجرین کو افغانستان کے مختلف صوبوں میں آباد کیا جائے۔ اور کاشتکاری کے لئے زمین دی جائے۔ تاکہ یہ لوگ مستقبل میں

اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کے قابل ہو جائیں۔ اور حکومت پر بھی بوجھ نہ بنیں۔ حقیقت ہے کہ یہ فیصلہ دانشمندی اور مروّت کے جذبات کا حامل تھا۔ کیونکہ حکومت اپنے خزانۂ عامرہ سے ہزارہا مہاجرین کی ضروریاتِ زندگی کی کفالت نہیں کر سکتی تھی۔ لہٰذا حکومت نے مہاجرین کو ضلع کابل کے مختلف مقامات پر منتقل کر دیا۔

اِدھر مہاجرین میں ایسے افراد موجود تھے۔ جو زراعت کے تصوّر سے بھی نفور تھے۔ لہٰذا وہ اس طرح کی زندگی کو اختیار کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ جب اُن کو مختلف مقامات پر گئے ہوئے چند دن گزرے۔ اور اُن کی خورد و نوش کا سامان ختم ہونے لگا۔ تو اُن کو بے شمار مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ ہندوستان کی شہری آبادی کے لوگ بھلا کاشتکاری جیسی کٹھن محنت پژوہی میں کب زندگی بسر کر سکتے تھے۔ اور ادھر افغانستان کی برفانی آب و ہوا اُن کی ہمتوں کی حرکت کو سرد کرنے کے لئے کافی تھی۔

مہاجرین کی بے بسی کا عالم

مہاجرین میں اکثر اپنے آبائی پیشے کے لحاظ سے کاشتکاری سے بالکل نابلد تھے۔ اُن شہری باشندوں کو بھلا کاشتکاری سے لگاؤ بھی کیسے ہو سکتا تھا۔ علاوہ ازیں سردی کی شدّت کے باوجود اکثر لوگ اپنے ہمراہ گرم کپڑے نہیں لاتے تھے۔ لہٰذا بہت سے لوگ سردی کی شدّت کی وجہ سے مرنے لگے۔ مرنے والوں کے لئے کفن تک مہیّا کرنا ازبسکہ مشکل تھا۔ خان آباد مہاجرین کی بستی سے تین دن کی مسافت پر تھا۔ اور ادھر افسروں کی بے اعتنائی بھی اس مصیبت میں جلتی پر تیل کا کام کر رہی تھی۔ لہٰذا بعض اوقات چھ چھ دن تک لاشے بے گور و کفن پڑے رہتے تھے

ڈاک۔ منی آرڈرز اور دیگر رسل و رسائل کا کام نہایت غیر یقینی تھا۔ جس سے مشکلات میں اور بھی اضافہ ہوتا گیا۔ اور آخرکار لوگ اُفتاں و خیزاں ماتمی قافلے کی صورت میں کابل جانے پر مجبور ہو گئے۔ ان دنوں حکومت افغانستان اور برطانیہ کے درمیان معاہدہ ہو گیا۔ جس کی ضروری شرط یہ بھی تھی کہ مہاجرین کو دوبارہ ہندوستان بھیجا جاتے۔ مہاجرین نے اس مژدۂ جاں بخش پر بہزار مسرت سے ہندوستان واپس جانا منظور کر لیا۔

حضرتؒ کی کابل سے واپسی

اگرچہ حضرت مولانا مرحوم کے دو چھوٹے بھائی اور عمِّ محترم حضرت سندھیؒ افغانستان میں موجود تھے۔ اور اُن کی موجودگی میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا وہاں رہنا چنداں دشوار نہیں تھا۔ مگر حضرت سندھیؒ نے حکومت کے رویّہ کو بھانپ کر اور اپنے استغنا کے پیشِ نظر حضرتؒ کو ہندوستان واپس جانے کے متعلق ارشاد فرما دیا۔ اس لئے حضرتِ اقدس یہ اشارہ پاتے ہی ہندوستان واپس تشریف لے آتے۔ ہم کو حضرتؒ کی مراجعت کے متعلق چنداں حالات نہیں مل سکے۔ ہاں اتنا ضرور معلوم ہے۔ کہ حضرت نے اپنے چھوٹے بھائی حافظ محمد علی صاحب کو یاغستان بھیج دیا۔ اور اپنے برادرِ عزیز رشید احمد صاحب کو اپنے ہمراہ لاہور واپس لے آئے۔

حکومتِ برطانیہ کی حکمتِ عملی

مہاجرین نے افغانستان کو ہجرت کرنے کے موقعہ پر یقیناً اپنی اسلام دوستی کا ثبوت پیش کیا۔ انہوں نے اپنے وطنِ مالوف اور باقی غیر منقولہ جائداد کو خدا کے نام پر نہایت جرأت سے خیرباد کہا۔ مگر اُس وقت کے حالات نے توقع کے خلاف

نامساعدت کی۔ یہ تھکے ماندے۔ دل برداشتہ اور شہید ہونے والے وشتہ داروں کا ماتم کرتے ہوتے نادار مہاجرین بڑی حد تک حکومتِ افغانستان سے کبیدہ خاطر ہو سکتے تھے۔ مگر قہرِ درویش برجانِ درویش! کے مطابق آخر وہ کیا کر سکتے تھے۔ لیکن اس موقعہ پر ہم حکومتِ افغانیہ کو متہم نہیں کرتے ہیں۔ مگر مسلمانوں کی اس بے بسی اور تباہی پر ایک ہمدردِ ملّت انسان کے آنسو بے ساختہ ضرور بہنے لگتے ہیں۔ کیونکہ یہ بیچارے ایک ایسی بلائے ناگہانی میں گرفتار ہوئے۔ جس نے اُن کے دلوں کو تو مجروح کیا ہی تھا۔ اُن آفت رسیدہ لوگوں کو بظاہر ہمیشہ کے لئے قلاشی کے قعرِ مذلت میں دھکیل دیا۔ مگر نصرتِ الٰہی نے اُنہی لوگوں کا ساتھ دیا ہے۔ جو آزمائش کے وقت صبر کا دامن تھامے رکھیں۔

یٰاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ ۔ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ۔

ترجمہ ۔ اے رسولِ ہاشمی صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے خادمو! مصائب میں صبر و استقلال اور کثرتِ عبادت کو اپنا شعار بناؤ۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ صبر کرنے والوں کا حامی و ناصر ہے۔ وَلَاتَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ ۔ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۔ خُدا تعالےٰ کی راہ میں شہید ہونے والوں کو ہرگز ہرگز مردہ مت سمجھو۔ بلکہ وہ ہزار جان سے زندہ ہیں۔ لیکن شہداء کی زندگی تمہاری فہم و فراست کے قوانین سے ضرور بالاتر ہے۔

آیت بالا میں شہادت کی فضیلت اور ترغیب شہادت کے بلیغ انداز پر لاکھوں ادباء کی قادر الکلامی کروڑوں بار قربان ہو۔ اس کے بعد ارشادِ خداوندی ملاحظہ ہو۔ وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ۔ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْھُمْ مُّصِیْبَۃٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ۔ اُولٰٓئِکَ عَلَیْھِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ وَرَحْمَۃٌ ۔ وَاُولٰٓئِکَ

هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ۔ ترجمہ (اور البتہ ہم تم کو مذکورہ ذیل چیزوں میں سے کسی نہ کسی چیز سے ضرور آزمائیں گے۔ تم کو خوف و ہراس یا فلاکشی وجوع یا مالوں جانوں اور میوہ جات کی تباہی کی آزمائش میں ڈالا جائے گا۔ اور بشارت کے مستحق صبر و استقلال کرنے والے لوگ ہوں گے۔ کیونکہ جب اُن کو کسی ابتلا میں ڈالا جائے گا۔ تو وہ زبانِ حال سے اپنی قلبی کیفیات کی یوں ترجمانی کریں گے کہ بلا شک و ریب ہم خدا تعالیٰ کے بندے ہیں۔ اور انجام کار اُس کی بارگاہ عالیہ ہی ہماری پناہ گاہ ہے۔ یقین جانیئے کہ یہی وہ لوگ ہیں ہیں۔ جن پر پروردگارِ عالم کی رحمت و شفقت کے انوار برستے رہتے ہیں۔ اور یہی لوگ رضائے الٰہی کے رستے پر چلنے والے ہیں)

آیات بالا کے نزول کے بعد مسلمانوں کو جب کبھی کسی بلائے عظیم سے واسطہ پڑتا ہے۔ تو وہ ان آیات کی تلاوت سے دوبارہ کمر ہمت باندھنے پر مستعد ہو جاتے ہیں۔ اُن کے عروقِ مُردہ میں زندگی حُریّت بن کر دوڑنے لگتی ہے۔ اُن کے دِلوں سے مایوسی کے سیاہ بادل چھٹ جاتے ہیں۔ وُہ زخمی ہوں یا تندرست متموّل ہوں یا نادار۔ وہ مسلّح ہوں یا غیر مسلح۔ وہ اپنے اوطان میں ہوں یا دیارِ اغیار میں ہوں۔ وہ تعداد میں کثیر ہوں یا قلیل ہوں۔ مگر بے خوف و خطر میدانِ شجاعت میں ضرور کُود پڑتے ہیں۔ ان کا ہمیشہ سے یہ مقولہ رہا ہے۔ ؎

عزّتِ ملّتِ بیضا کی حفاظت کے لئے
دوش پہ لاکھ بھی سر ہوں۔ تو کٹاتے جاؤ

خیر! مسلمان مشیّتِ ایزدی کے فیصلے پر صبر و استقلال سے سرنگوں پشاور واپس آ گئے۔ اُس جگہ حکومت برطانیہ نے مہاجرین کی دلجوئی کے اچھے خاصے انتظامات کر رکھے تھے۔ چنانچہ ان سب کو پشاور کی سراؤں میں مفت فروکش ہونے کی اجازت دی گئی جو رد و نوش کے مصارف بھی حکومت نے اپنے ذمہ لے لئے۔ اور دو چار دن کے قیام کے بعد ٹکٹ

بھی اپنی طرف سے خرید کر دیئے۔ فی الحقیقت حکومت کی یہ پالیسی بڑی حد تک بظاہر کامیاب رہی۔ کیونکہ یہ بھی مسلمانانِ ہند کے دلوں سے حریّت کو کچلنے اور غلامی میں عافیت کا احساس پیدا کرنے کی ایک شاطرانہ چال تھی۔

حضرت قطب الاقطاب کا پشاور میں ورودِ مسعود

پشاور سے دو تین میل کے فاصلے پر گورنمنٹ نے ایک فوجی افسر مقرر کیا ہوا تھا۔ جو کہ واپس آنے والے مہاجرین کی سرسری دیکھ بھال کر کے اُن کو پشاور بھیج دیتا تھا۔ لہٰذا جب حضرت مولانا حدودِ ہند میں تشریف لاتے۔ تو آپ کے رفقاءِ سفر کو حکم ہوا کہ تمام مرد نیچے اُتر آئیں۔ اور عورتیں تانگوں میں بیٹھی رہیں۔ پولیس نے تمام مردوں کے نام پوچھنے شروع کیے۔ جب حضرتِ اقدس سے نام پوچھا تو آپ پر سوال کیا گیا کہ کیا آپ مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے رشتہ دار ہیں۔ جس کا آپ نے اثبات میں جواب دیا۔ اس کے بعد آپ کو پشاور بھیج دیا گیا۔ آپ دیگر مہاجرین کے ہمراہ ایک سرائے میں ٹھہرائے گئے۔ اور اگلے دن صبح آپ کو ایک انگریز افسر کے سامنے پیش کیا گیا اُس نے حضرتِ انورؒ کو بغور دیکھا اور پوچھا کہ آپ مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے عزیز ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں میں حضرت مولانا سندھی کا عزیز ہوں۔ بعد ازاں آپ کو سرائے میں بھیج دیا گیا۔ سرائے میں دو تین دن کے قیام کے بعد آپ کو لاہور کا ٹکٹ دیا گیا۔ اور آپ تقریباً ۱۹۲۰ء کی ابتدا میں مع اہل و عیال لاہور میں رونق افروز ہوئے۔ آتے ہی درسِ قرآنِ مجید شروع کر دیا۔ اور انجمن خدّام الدین کی بُنیاد رکھی۔

انجمن خُدّامُ الدّین کا قیام

حضرت والا تبار نے بفضلِ ایزد متعال درسِ قرآنِ مجید کا سلسلہ نہایت خلوص و

انہماک سے شروع کر دیا تھا۔ ایک دن درس کے بعد حکیم فیروز الدین صاحب حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے۔ کہ آپ حضرت مولانا سے اشاعتِ قرآن کی اہمیت کے متعلق ہمیشہ سُنتے ہی رہتے ہیں۔ لہٰذا آپ لوگوں کی خدمت میں التماس ہے کہ ہم لوگ اس کارِ خیر کے لئے کوئی منظم طریق پر اقدام کریں۔ تاکہ اس کے اثرات دُور رس ہوں۔ اُس وقت حاضرین نے ایک انجمن کی تشکیل کا فیصلہ کیا۔ اور حضرتِ اقدس کی تجویز پر انجمن کا نام "انجمن خُدّام الدِّین" رکھا گیا۔ اس تجویز کے بعد حضرت مولانا نے ایک دن چند احبابِ کرام کو جنہوں نے انجمن کے لئے دینی خدمات پیش کرنے کا وعدہ فرمایا تھا۔ دعوت دی۔ لہٰذا حضرت مولانا ابو محمد احمد شاگردِ رشید حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور شیخ الہند محمود الحسنؒ۔ حضرت مولانا نجم الدینؒ جو کہ حضرت مولانا کے اُستادِ مکرم تھے۔ اور حضرت شیخ الہند کے شاگردِ عزیز تھے۔ اور مولانا فضل الحق جو حضرت نذیر حسین دہلوی کے شاگرد تھے۔ اس مجلس میں علاوہ باقی حضرات کے شامل ہوتے۔

اِنتخابِ امیر

جب ان سعید رُوحوں پر مشتمل انجمن کا پہلا اجلاس شروع ہُوا۔ تو تجویز پیش ہُوئی کہ انجمن کے کاروبار کی تعمیل کے لئے کوئی امیر انجمن ہونا چاہیئے۔ اور حضرت مولانا مرحوم نے اس موقعہ پر وضاحت فرمادی کہ صدر اور امیر میں ایک نمایاں فرق ہوگا۔ صدر مجلسِ منتظمہ کی تجاویز کو اپنی سرپرستی میں عملی جامہ پہنانے کا ذمہ دار ہوگا اور مجلس منتظمہ جو فیصلہ کرے صدر کے لئے اُس کی پابندی لازمی ہوگی۔ صدارت کی صورت میں ممکن ہے کہ انجمن کے اراکین میں پارٹی بازی کا غلط احساس پیدا ہو۔ اور کام میں رُکاوٹ پیدا ہو۔ اس کے برعکس امیر مجلس منتظمہ سے ضرور مشورہ لے گا۔ لیکن مشورہ کے بعد اگر وہ

انجمن کے مفاد کے پیشِ نظر منتظمہ کی رائے کو مسترد کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔ اس طرح دونوں احزاب مخالف کاروبار کے نفوذ و اجراء میں رکاوٹ پیدا نہیں کر سکتے۔ اور امیر اپنے کام کو مسلسل چلا سکتا ہے۔ چنانچہ تمام اراکینِ انجمن نے حضرت مولاناؒ کی اس رائے سے اتفاق کیا۔ حضرت مولاناؒ نے اُس موقعہ پر امارت کے منصبِ جلیلہ کے اوصاف بھی مختصراً بیان فرمائے۔ اب تمام حضرات نے مل کر امیر کے انتخاب پر رجوع فرمایا۔ اور تمام نے بیک زبان حضرتِ مولانا مرحوم کے نام نامی اور اسمِ گرامی پر اتفاق کیا۔ حضرت نے اکابر کی موجودگی میں اس عہدے کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا۔ کہ حاضرین میں ایسے اصحاب موجود ہیں جن کو میرے اساتذہ ہونے کی فضیلت حاصل ہے۔ لہٰذا نظرِ انتخاب اُن پر ڈالی جائے۔ لیکن اس کے باوجود تمام حاضرینِ محفل حضرت مولانا مرحوم کے انتخاب پر مُصر رہے۔ اور یہاں تک نوبت پہنچی کہ اکابر میں سے بعض نے حضرت مولاناؒ کے انکار پر اظہارِ ناراضگی بھی فرمایا۔ اُس وقت حضرت اپنے بزرگوں کا حکم سمجھ کر تعمیلِ ارشاد پر راضی ہو گئے۔ اس طرح اتفاق رائے سے آپ کو امیر انجمن مقرر کیا گیا۔ حضرت مولانا فضل الحقؒ ناظم۔ خواجہ محمد رشید صاحب دائیں آسٹریلیا مسجد والے، خزانچی مقرر ہوئے۔ اس بابرکت کاروائی کے بعد اجلاس برخاست ہُوا۔ اور خُدا کا کام نہایت اخلاص و للّٰہیت سے چلنے لگا۔

حُسنِ انتخاب

خالقِ کائنات نے اپنی تمام حکیمانہ کاروائیوں میں احسن و اکمل اشیاء کی تدریجُ احیاء کا قانون رکھا ہوا ہے فطرت کے نظامِ تعمیر و شکست پر غور و تفکر کرنے والوں نے ہر زمانے میں اس حقیقت کو فہم و فراست سے بھانپ کر اعلان فرمایا ہے کہ کائناتِ ارض و سما کا ذرّہ ذرّہ معجز نمائیوں کا مظہر ہے۔ اور اس دعویٰ حقانیّت کو پروردگارِ عالم

نے مختلف پیرایوں میں پیش کیا ہے۔ سورۂ انبیاء میں ارشاد ہے۔ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ (ہم نے آسمان اور زمین اور جو ان کے درمیان ہے لایعنی مقاصد کے لئے نہیں بنایا) وہ ضابطۂ حیات جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ کی آیات و براہین فرمایا ہے۔ اُس کی حقیقت آفرینیوں اور معجزانہ کارفرمائیوں سے کس کو انکار ہو سکتا ہے۔ نظام انفس و آفاق کے خالق کی مشیت اگر انسانی گروہوں پر راضی ہو تو اُن کو حُسنِ انتخاب کی توفیق عطا فرماتی ہے۔ وہ قوم جو ناجائز مراعات کی آلائشوں سے اپنے ذہنوں کو صاف کر کے مقتدار قوم کا انتخاب کرتی ہے۔ اُس کی کاوشیں ہر موقعہ پر بار آور ہوتی ہیں۔ اور اُس کو ارض و سما کی برکات گھیرے میں لے لیتی ہیں۔ قوموں کے ارتقا و زوال کی تاریخ کو ابتدائے آفرینش سے لے کر ایں دم ہزار تفحّص سے مطالعہ کیجئے۔ آپ کو شاندار کامیابی کا راز اس حقیقت میں مضمر نظر آئیگا۔ کہ افرادِ قوم کی بے لاگ نگاہوں نے اپنے پیشواؤں کے انتخاب میں حُسنِ عمل کا ثبوت پیش کیا۔ فرانسیسی افواج اگر نپولین کے تہوّرانہ انداز کو بھانپنے میں غلطی کرتیں۔ تو یورپ کے برِّ اعظم کو لرزہ بر اندام کرنے میں کون آگے بڑھتا اور غیر مسلموں کی تاریخ میں شجاعت کے کتنے ابواب کم ہوتے۔ سیّد الانبیاء صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد اگر مسلمانانِ مدینہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا خلیفہ تجویز نہ کرتے تو حادثہ کربلا سے پہلے پہلے خدا جانے کتنی کربلاؤں کا سامنا کرنا پڑتا۔ المختصر حسنِ انتخاب سے ہی قومیں زندہ ہیں۔ اور اسی نکتہ کی تذلیل سے جابر سے جابر اقوام صفحۂ ہستی سے مٹ جاتی ہیں۔ نقد و نظر سے قطع نظر! ہم حضرت شیخ التفسیرؒ کے امیر انجمن کے انتخاب پر مسلمانانِ عالم کو عموماً اور اہل پنجاب کو خصوصاً بے شمار سعادتوں سے بہرہ ور دیکھ رہے ہیں۔ کیونکہ ارشادِ نبوی ہے۔ اَلْمَجَالِسُ بِالْاَمَانَةِ (مجالس کا نظام امانت و دیانت سے چلتا ہے) الحمد للہ لاہور جیسے اُم القریٰ میں چند مخلص نفوس کے اجتماع میں

ایک ایسی شخصیت کا انتخاب کیا گیا ہے۔ جس کی زندگی کے تمام تر لمحات دینِ حقّہ کے لئے وقف تھے۔ جس کو ایک آنکھ نے نہیں بلکہ نصف صدی کے طویل عرصے میں لاکھوں آنکھوں نے سفر میں۔ حضر میں۔ بیماری میں۔ تندرستی میں مسجد میں۔ جیل میں۔ جوانی میں اور عین کہولت کی نقاہتوں میں ہر وقت فکر و عمل کی کشمکش میں منہمک پایا۔ اور وُہ داعیِ اجل کو لبّیک کہنے کے دن بھی اصلاحِ قوم کا تحریری پروگرام (خطبہ جمعہ) اپنے پیغمبرانہ ہاتھوں میں لے کر گھر سے باہر نکلے۔ اور آخر وقت موعود پر جنّت فردوس کو سدھارے۔ اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

قرآنِ حکیم کے دو درس

حضرت اقدس نے جہاں تمام اوقاتِ شبانہ روز اشاعتِ کتاب وسنّت کے لئے وقف کر رکھے تھے۔ وہاں دن میں دو دفعہ قرآنِ حمید کا درس دینا شروع فرمایا۔ ہر روز نمازِ فجر کے تقریباً پون گھنٹہ بعد ایک عام درس قرآن مجید ہونے لگا جس کو آپ نے تادمِ واپسیں نبھائے رکھا۔ دوسرا درس تعلیم یافتہ طبقے کے لئے مخصوص تھا۔ اس میں گریجوایٹ ملازمینِ دفاتر اور کالج کے طلباء شامل تھے۔ حضرتِ اعلےٰ اِس درس کو پچیس سال تک بنفسِ نفیس چلاتے رہے۔ بعدازاں دس سال تک آپ کے فرزند ارجمند حضرت مولانا حافظ حبیب اللہ (مہاجر مدنی) آپ کی بجائے نہایت محنت پڑوسی سے کام کرتے رہے۔ اور حضرت مولانا صرف صبح کا درس ہی دیتے رہے۔ اور حافظ حبیب اللہ کے بعد حضرت کی وفات تک حضرت مولانا عبید اللہ انور پڑھاتے رہے۔

مدرسہ قاسم العلوم کا اجراء

انجمن خدام الدین کی تشکیل و تعمیر کے بعد ایک عربی مدرسہ کے اجراء کی تجویز پیش

ہوئی۔ اس پر ہر طرف سے اتفاق و تائید کی آوازیں بلند ہوئیں۔ المختصر بفضل ایزدی مدرسہ جاری ہو گیا۔ اور اس کا نام قاسم العلوم رکھا گیا۔ متعلمین کی رہائش کے لئے انجمن کے پاس کوئی جگہ نہ تھی۔ لہٰذا اندرون شیرانوالہ دروازہ نواں محلہ کے باہر لب بازار ایک مکان کرایہ پر لیا گیا۔ طلبہ کی رہائش کے لئے اُس جگہ کو موزوں سمجھا گیا۔ اور اسباق کا انتظام مسجد لائن سبحان خاں میں کیا گیا۔ عربی کے تمام طلبہ کے علاوہ فارغ التحصیل علماء کرام بھی قرآنِ حکیم کی تفسیر پڑھنے کے لئے حاضر ہونے لگے۔ اب حضرت والاجاہ تین ماہ میں مکمل قرآنِ عزیز کا ترجمہ مع ربط آیات۔ رکوعات کا خلاصہ اور باقی ضروری موضوعات و عنوانات کا استخراج اور اُن پر سیر حاصل روشنی ڈالنا شامل درس کر کے ختم فرماتے تھے۔ اس لئے بفضل خدا تعالےٰ تمام ہندوستان کے متداول مدارس بالخصوص دارالعلوم دیوبند۔ مظاہر العلوم سہارن پور۔ مدرسہ امینیہ دہلی۔ مدرسہ شاہی مراد آباد۔ کے فارغ التحصیل علماء کی جماعتیں آنے لگیں۔ یہ لوگ یکم رمضان سے ذیقعد کے آخیر تک قرآن پاک کی تفسیر پڑھتے تھے۔ ان کی خوراک اور رہائش کا انتظام انجمن خدام الدین کے ذمہ ہوتا تھا۔ علماء کرام کا یہ درس حضرت اعلےٰ نے زندگی کے آخری رمضان المبارک تک جاری رکھا۔ ۱۷۔ رمضان ۱۳۸۲ھ کو جب حضرت شیخ التفسیر عالم جاودانی کو سدھائے تو آپ کی تعزیت میں باہر سے آتے ہوئے علماء کی ایک معتدبہ جماعت شامل تھی۔ کامیاب ہونے والے علماء کو مطبوعہ اسناد مرحمت کی جاتی تھیں۔ اُن سندات پر حضرت مولانا حسین احمد مدنی۔ حضرت مولانا انور شاہ مرحوم اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم کے دستخط ثبوت ہوتے تھے۔ تمام اطراف ہند اور بیرونِ ہند ہزاروں علماء کرام سندِ فراغت حاصل کر کے جا چکے ہیں۔ اور اب حضرت مولانا عبید اللہ انور صاحب جانشین حضرت شیخ التفسیر اپنے والدِ محترم کے مبارک و مسعود طریق پر عام درس کے علاوہ علماء کرام کے درس کا اہتمام بھی کر رہے ہیں۔

مدرسہ قاسم العلوم کی عمارت

علماء کرام کی جماعت کی رہائش کے لئے مکان کرایہ پر لیا جاتا تھا۔ جس سے سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ اس ضرورت کے پیش نظر انجمن نے ایک اپنا مدرسہ بنانے کا فیصلہ کیا۔ لاتن سجان خان میں ایک قطعہ اراضی خرید کیا گیا۔ اور مدرسہ قاسم العلوم کی عمارت تیار کی گئی۔ تعمیرِ عمارت کے بعد حضرت رئیس المفسرین مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم کو تشریف لانے کی دعوت دی۔ آپ تشریف لائے۔ اور اپنے دستِ سعید سے مدرسے کا قفل کھولا۔ مدرسہ کی اوپر نیچے کی منزلوں میں قرآنِ حمید کے نسخے رکھ دیئے گئے تمام حاضرین نے مل کر قرآنِ پاک کی تلاوت کی۔ اور حضرت مولانا عثمانی مرحوم بھی بڑی دیر تک تلاوت فرماتے رہے۔ بعد ازاں علماء کرام کی جماعت کا انتظام اسی مدرسہ میں کیا جاتا ہے۔ مطبخ کا انتظام بھی اسی جگہ ہوتا ہے۔

عربی پڑھنے والے طلبہ کا داخلہ بند

پہلے ذکر کیا گیا ہے کہ عربی پڑھنے والے طلبہ کا انتظام بھی کیا گیا تھا۔ اور یہ سلسلہ کئی سال تک متواتر جاری رہا۔ ۱۹۲۶ء میں جب حضرت اقدس دوسرے حج پر تشریف لے گئے۔ تو آپ نے صوفی محمد یوسف ایم اے پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور کو اپنا قائم مقام مقرر فرمایا۔ حضرت کی غیر موجودگی میں عربی خواں طلباء نے چند بے ضابطگیاں کیں صوفی صاحب نے اُن کو ہر طرح سمجھانے کی سعی جمیلہ فرمائی۔ لیکن ہر طرح کی کوششیں اس بارے میں ناکام ثابت ہوئیں۔ طلباء نادم ہونے کی بجائے اپنے رویّہ پر باقاعدہ ڈٹے رہے۔ صوفی صاحب نے اُن کے معاملے کو حضرت مولانا کی آمد پر ملتوی کر دیا۔ آپ کی واپسی پر تمام واقعات آپ کے سامنے پیش کیے گئے۔ آپ نے حالات کا جائزہ

لے کر تصفیہ فرمایا کہ اگر طلباء اپنے کیئے پر دلی طور پر ندامت کا اظہار کریں۔ تو ان کو معاف کیا جا سکتا ہے۔ اور اگر وہ اپنی غلطی پر اظہارِ تاسف کرنے پر تیار نہ ہوں تو وہ اپنی رہائش کا انتظام باہر کسی جگہ پر کر لیں۔ اور اپنے اسباق مدرسہ قاسم العلوم میں پڑھتے رہیں۔ چونکہ طلباء کی سرکشی بدبختی کی صورت اختیار کر چکی تھی۔ طلباء نے حضرتؒ کے اس فیصلے سے کوئی فائدہ نہ اُٹھایا۔ بلکہ مدرسے سے ناراض ہو کر چلے گئے۔ طلبہ کی اس ہٹ دھرمی کو دیکھ کر اراکین انجمن بہت بیدل ہوئے۔ اور فیصلہ کیا کہ آئندہ باہر سے آنے والے طلباء کو مدرسہ میں داخل نہ کیا جائے۔ اس موقعہ پر مولانا نجم الدین صاحب پروفیسر اورینٹل کالج لاہور نے یہ تجویز پیش کی۔ کہ اپنے مقامی احباب کے لڑکوں کو مدرسے میں داخل کیا جائے۔ تو امید ہے کہ اُن کے اخلاق بھی دُرست ہو جائیں گے۔ اور وہ علوم دینیہ پڑھنے کے بعد اسلام کا صحیح نمونہ پیش کر سکیں گے۔

تجویزِ جدید پر عمل

حضرت مولانا نجم الدین کے اس مشورے کی بنا پر وہ بچے مدرسہ میں داخل کئے جاتے تھے۔ جو پرائمری پاس ہوتے تھے۔ اُن کو ابتدا میں فارسی کی تعلیم دی جانے لگی۔ اور چھ سال کا کورس تجویز کیا گیا۔ اس میں قرآن مجید کا مکمل ترجمہ۔ مشکوٰۃ شریف کنز الدقائق اور منطق میں قطبی تک تعلیم شامل تھی۔ علوم کی تعلیم نصف دن تک ہوتی اور باقی نصف وقت صنعت و حرفت پر لگایا جاتا۔ لکڑی۔ لوہا اور کتابت کا کام سکھایا جاتا۔ طلباء کے والدین کو اختیار دیا جاتا۔ کہ وہ اپنے بچوں کو جونسا کام چاہیں۔ سیکھنے کے لئے تجویز کریں۔ بعض طلباء کو دوکانوں پر تجارت کی مہارت کے لئے بھیجا جاتا تھا۔ اراکین انجمن نے صنعت و فنون کے اساتذہ سے تاکیداً استدعا کی۔ کہ وہ طلباء کو چھ سال کے اندر اندر اپنی روزی کمانے کے قابل بنا دیں۔ لہٰذا ایسا ہی ہوا۔ لیکن اس کا نتیجہ دینی لحاظ سے

نہایت بُرا نکلا۔ لوگوں نے جب اپنے ہونہار لڑکوں کو کمانے کے قابل دیکھا۔ تو اُن کو مدرسے سے ہٹا کر اپنے اپنے کاروبار پر لگا دیا۔ اس وقت اُن کو بڑا سمجھایا بجھایا گیا۔ مگر بعض حرص کے بندوں نے اپنی ضد کو نہ چھوڑا۔ دینی تعلیم کو ادھورا ہی چھوڑ کر صنعت کاری کے پیچھے ہو لئے آخر کار انجمن کو اس تجویز سے دستبردار ہونا پڑا۔

حضرت کا تیسرا حج

۱۹۲۶ء میں حضرت مولانا مرحوم نے دوسرا حج کیا تھا ۱۹۲۸ء میں پروردگارِ عالم نے اپنی رحمت واسعہ سے تیسرے حج کی توفیق ارزاں فرمائی۔ دوسرے اور تیسرے حج میں آپ کے ساتھ مستری رحیم بخش مرحوم بھی رہے۔ حضرت مولانا مرحوم جس روز کراچی میل پر جانے کا ارادہ فرماتے تھے۔ اُسی دن درسِ قرآن مجید کے بعد اعلان فرماتے تھے۔ کہ مَیں بفضلِ خدا تعالےٰ حج پر جا رہا ہوں۔ اُس موقعہ پر مستری رحیم بخش مرحوم اپنے گھر جاتے۔ اور روپیہ جیب میں ڈال کر حضرت کے ہمراہ چل پڑتے۔ حضرت مولاناؒ کے یہ دونوں مبارک سفر انتہائی طمانیت سے گزرے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰالِکَ۔

حضرت مولانا سندھی مرحوم سے ملاقات

۱۹۲۸ء میں جب حضرت والا جاہ بیت اللہ شریف کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے۔ تو حضرت مولانا سندھی بھی ماسکو۔ ٹرکی اور کابل کی سیاحت کے بعد مکہ مکرمہ پہنچ چکے تھے۔ حضرت مولاناؒ کو اپنے عمِ محترم کی مکہ معظمہ میں آمد کا علم ہندوستان میں ہی ہو گیا تھا۔ حضرت سندھیؒ کی ہجرت کے بعد آپ کو اپنے اُستادِ مکرم کی زیارت کا شرف پہلے کابل میں اور اب کئی سال کے بعد مکہ معظمہ میں ہوا۔ حضرت مولانا اس دفعہ جدّہ شریف سے سیدھے مدینہ منورہ تشریف لے گئے تھے۔ اور حج سے تقریباً پانچ دن پہلے مکہ معظمہ

حاضر ہوتے۔ عام دستور یہی ہے کہ جو لوگ مدینۃ الرسولؐ کی زیارت ایّامِ حج سے پہلے کر لیتے ہیں۔ حکومت سعودیہ اُن کی واپسی کا جلدی انتظام کر دیتی ہے۔ لہٰذا حضرت مولانا مرحوم کو حج کے بعد جلد ہی ہندوستان واپس آنا پڑا۔ حج کے تقریباً دس بارہ روز تک حضرت مکّہ معظّمہ میں رہ سکے۔ اس دفعہ ہندوستان کی چند مقتدر ہستیاں حج کے لئے تشریف لے گئی تھیں مثلاً خواجہ عبدالحی شیخ التفسیر جامعہ ملّیہ قرول باغ دہلی حال صدر علوم دینیہ اسلامیہ کالج لاہور۔ حضرت مولانا ظفر علی خاں ایڈیٹر زمیندار۔ حضرت مولانا عبدالقادر قصوری۔ حضرت مولانا عبدالواحد صاحب خطیب جامع مسجد چینیانوالی لاہور اور باقی چند حضرات مکّہ معظّمہ میں موجود تھے۔ لہٰذا حضرت سندھیؒ مرحوم اپنا اکثر وقت انہی لوگوں کے ساتھ گفتگو میں گزارا کرتے تھے۔ اور حضرت مولانا کو اپنا عزیز سمجھ کر بہت کم وقت دیتے تھے۔ القصّہ حضرت کو دس بارہ دن کے بعد حضرتؒ مولانا عبیداللہ سندھیؒ سے اجازت لے کر واپس آنا پڑا۔

حیف در چشم زدن صحبتِ یار آخر شد
روئے گُل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

میدانِ عمل

یعنی

مذہبی اور سیاسی تحریکات

زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ ستیز

آئندہ صفحات پر چند تحریکات کا ذکر کیا گیا ہے۔ اُن میں دراصل جمہور علماء حق کی تحقیقات اور دینی نظریات کی ترجمانی کی گئی ہے۔ اس امر کی مکمل احتیاط برتی گئی ہے کہ علماء حق کے مفاہیم و مطالب سے کسی جگہ بھی انحراف نہ ہو۔ اور اپنی طرف سے کوئی چیز سپردِ قلم نہ کی جائے۔ چونکہ حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح حیات کے نامکمل رہنے کا اندیشہ تھا۔ لہٰذا اُن تحریکات کا مختصر تذکرہ ضروری سمجھا گیا۔

(مُصنّف)

قیام جمعیۃ العلماء ہند

اس موقعہ پر جمعیۃ العلماء ہند کے تعارف کے لئے کتاب "علماء حق" کے اقتباسات نقل کئے جاتے ہیں۔ تاکہ حضرت اقدس کے حالات زندگی کا مطالعہ کرنے والے حضرات پر یہ امر واضح ہو سکے کہ آپ کن مجاہدین کے ساتھ تعلق رکھتے تھے۔ اور آپ کی پرورش کس ماحول میں ہوئی ہے۔ اور کن بلند نگاہ انسانوں نے حضرت جامع صفات کے ساتھ مل کر کام کیا ہے۔

چونکہ یہ میدانِ سیاست کا تذکرہ ہے۔ لہٰذا چند سطور مذہب و سیاست کے باہمی التزام و ارتباط کے متعلق اس وقت پیش کرنے کے بعد اصلی موضوع کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ تاکہ وہ لوگ جو اپنی کوتاہ بینی۔ غلط فہمی اور سفاہت سے علماء حق کو میدانِ سیاست میں سُست گام اور ناکام سمجھنے کے ابلیسی توہمات میں پھنسے ہوئے ہیں۔ واقعات کی روشنی میں یقین کرلیں۔ کہ تمام ادوارِ حیات میں علماء حق نے مذہب و سیاست کو ایک ہی سرچشمہ کے دو دھارے اور ایک ہی تنے کی دو شاخیں سمجھا ہے۔ اور اُن لوگوں کو یقیناً اسلام کی رُوح سے دُور کا واسطہ بھی نہیں ہے۔ مذہب و سیاست کو ایک دوسرے سے جُدا خیال کرتے ہیں۔ سیّد المرسلین صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم ایک ایسی جامع شریعت لے کر دُنیا میں جلوہ افروز ہوئے جس میں خاکروبی سے لے کر خلافتِ راشدہ تک کے تمام شعبے اسلام ہی اسلام ہیں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حُجرے کا تصوّر اسلام کی تمام حقیقتوں کی پُوری عکاسی کر رہا ہے۔ اس رشکِ عرش حجرے کے فرش پر عبادت الٰہی کے لئے جہاں مصلّٰے بچھا رہتا تھا۔ تو اسی حُجرے کی دیواروں پر ہر طرف شمشیر و سنان اور تیر و تفنگ لٹکتے ہُوئے بھی نظر آتے تھے۔ یہ وہ مُقدّس مقام تھا۔ جہاں سے دُنیا بھر کے فقہا۔

محدثین۔مفسرین۔متکلمین۔مردانِ پاکباز۔اولیائے اُمت۔اتقیائے ملت۔مجاہدینِ اسلام اور بڑے بڑے سیاستدان پیغام لے کر جاتے رہے ہیں۔اور تاقیامت کائناتِ ارضی کی فلاح واصلاح کا نظام اسی حجرہ نشین کے مبارک پاپوش کے تسمے سے بندھا ہوا ہے۔ ؎

جو فلسفیوں سے حل نہ ہوا۔اور عقدہ وروں سے کھل نہ سکا

وہ راز اِک کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں

اس وقت ہمارے سامنے مذہب وسیاست کا امتزاج ہے۔اور حقیقت بھی یہی ہے۔کہ کتاب وسُنت کی روشنی میں یہ دونوں نورِ ضمیرِ مصطفویٰ سے قدسی ضیاباریوں کے ساتھ ہویدا ہوتے ہیں۔اور ان کی جدائی کسی طرح بھی ممکن نہیں ہے شاعرِ مشرق علامہ اقبال مرحوم نے اپنی ایک معرکۃ الآرا نظم میں فرمایا ہے۔

ہُوئی دین و دولت میں جس دم جُدائی

ہوس کی امیری۔ہوس کی وزیری

دُوئی مُلک و دیں کے لئے نامرادی

دُوئی چشمِ تہذیب کی نابصیری

اور اس کے بعد حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی جامعیت پر الہامی الفاظ میں یُوں روشنی ڈالتے ہیں۔

یہ اعجاز ہے ایک صحرانشین کا

بشیری ہے۔آئینہ دارِ نذیری

المختصر! کسی وقت کے کلیم نے اپنے وقت کے فرعون سے یہ کبھی بھی مصالحانہ معاہدہ نہیں کیا۔کہ امورِ سلطنت آپ کے ذمہ ہے۔اور عبادت الٰہی کا کام ہم نبھاتے رہیں گے۔

اسلام نے قرآن اور تلوار کو ایک دوسرے کا محافظ قرار دیا ہے۔ شاعرِ اسلام کی زبان سے سُنیئے!

این دو قوّت حافظِ یک دیگر اند
کائناتِ زندگی را محور اند!

اب ہم اپنے موضوع کی وضاحت کے لئے محولہ بالا کتاب کے اقتباسات پیش کرتے ہیں۔ ۱۹۱۹ء پہلا سال ہے جس میں پہلا سال ہے جس میں پُرامن جدّ و جہد کا آغاز ہُوا۔ انقلاب اور حریّت کے متعلق جو مشورے خفیہ ہُوا کرتے تھے اب اس کے لئے اجلاس منعقد ہونے لگے۔ تو علماءِ ملّت جو ہمیشہ انقلاب کی راہ میں پیش پیش اور اپنے نصب العین میں انتہا پسند رہے اس موقعہ پر بھی وہ پیش پیش تھے۔ وطنی مطالبات کے لئے انڈین نیشنل کانگریس (Indian National Congress) تھی۔ جس میں جملہ زعماءِ ہند نے شرکت کی۔ خلافت اسلامیہ سے متعلق مطالبات منوانے کے لئے اسی سال خلافت کمیٹی قائم کی گئی۔ تحفظ اور سیاسیات میں مذہبی حیثیت سے مسلمانوں کی راہنمائی کے لئے جمیعتہ العلماءِ ہند قائم کی گئی۔ جس کا پہلا اجلاس ۲۸ دسمبر ۱۹۱۹ء کو زیرِ صدارت مولانا عبدالباری صاحب فرنگی محلہ امرتسر میں ہُوا۔

۲۳ نومبر ۱۹۱۹ء کو جب دہلی میں خلافت کانفرنس کا پہلا اجلاس اس غرض سے منعقد کیا گیا کہ اتحادیوں سے عموماً اور حکومت برطانیہ سے خصوصاً اُن کے وعدوں کے ایفا کا مطالبہ کیا جائے۔ جو مسلمانوں سے جنگ عمومی کے وقت کئے گئے تھے۔ تو خلافت کے اس جلسہ میں علماء نے اس امر کی ضرورت محسوس کی کہ انہیں ایک رابطہ میں منسلک کیا جائے۔ جن کی اجتماعی قوّت کو ۱۸۵۷ء کے انقلاب نے بالکل منتشر کر دیا تھا۔ ہندوستان کی سیاست محض چاپلوسی خوشامد اور اظہارِ وفاداری پر محدود ہو چکی تھی۔ نیز ۱۸۵۷ء میں علماءِ حق کے ساتھ جو بہیمانہ سلوک کیا گیا تھا اور جس

بے دردی کے ساتھ علماء ہند کو پھانسی اور جلا وطنی کی وحشیانہ سزائیں دی گئی تھیں۔ اس کا قدرتاً یہی اقتضاء تھا کہ اکثر علماء مجبوراً گوشہ نشینی کی زندگی بسر کر رہے تھے چونکہ مسلمانوں کی سیاست نے ۱۹۱۹ء میں پھر پلٹا کھایا اور خوشامد اور تملق کی پالیسی تبدیل ہوئی۔ تو علماء ملت نے دوبارہ سیاسی میدان میں قدم رکھا۔ اور جمعیۃ علماء ہند کا قیام کیا گیا۔" (بحوالہ روشن مستقبل ص ۴۸۵)

حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ جمعیۃ علماء ہند کی ورکنگ کمیٹی کے از ابتدا تا تقسیم ملک ممبر رہے۔ اور سابق صوبہ پنجاب کی جمعیۃ علماء کے ہمیشہ ہی صدر رہے۔

اس موقعہ پر جمعیۃ علماء ہند کے چند کارناموں کو سپرد قلم کیا جاتا ہے۔ تاکہ ان حضرات کی سرگرمیوں کا پورا نقشہ زیر نظر رہے۔

حضرت مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ جو تمام علماء ربانی کے امام و مقتدا تھے۔ ۱۲ مارچ ۱۹۲۰ء کو جمعہ کے دن اپنے رفقاء کے ساتھ مالٹا سے سرکاری حفاظت میں رہا کیے گئے۔ سرکاری مولوی۔ مولوی رحیم بخش جو انگریزی ایجنٹ تھا۔ خیر خواہانہ انداز میں حضرت مولانا موصوف سے درخواست کرنے لگا کہ آپ سیاسی جھگڑوں میں شرکت نہ کریں۔ اور زندگی کے آخری دن یاد خدا میں گزاریں۔ اور خلافت والوں کے ہاتھ نہ پڑیں۔ مگر آپ کا قلبی مذاق ہی خلافت تھا۔ مرض وفات میں کئی مرتبہ فرمایا کہ اگر اس مرض سے اچھا ہو گیا تو اس تحریک کی اشاعت میں سارے ہندوستان کا دورہ کروں گا۔ حضرت شیخ الہندؒ در اصل اس وقت شیخ الہند تھے اور مخالف بھی آپ کے اثر و رسوخ دینی کے قائل تھے گاندھی جی کہا کرتے تھے کہ میں مولانا محمد علی کی جھولی کا ایک مہرہ ہوں۔

کتاب علماء حق حصہ اول میں جہاں صاحب تصنیف نے حضرت شیخ الہند کی سیاسی پارٹی کے عنوان سے حالات قلمبند کئے ہیں وہاں حضرت مولانا عبید اللہ سندھی

کے بیان کے چند فقرات بھی نقل فرماتے ہیں۔ جن سے پتہ چلتا ہے۔ کہ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ وقت کے آئمۂ حریت کی آغوش میں پرورش پاتے رہے۔ اور آپ کا بچپن لڑکپن اور شباب بلکہ فرزندی اور دامادی کے تمام تعلقات حریت و انقلاب کے اثرات لئے ہوتے تھے۔ حضرت سندھیؒ جو آپ کے استاد۔ مقتدا۔ مذہب و سیاست اور پہلے خسر تھے اُن کے الفاظ سنئے۔

"۱۳۲۷ھ میں حضرت شیخ الہندؒ نے مجھے دیوبند طلب فرمایا۔ اور مفصّل حالات سُن کر دیوبند رہ کر کام کرنے کا حکم دیا۔ چار سال تک جمعیۃ الانصار میں کام کرتا رہا۔ اس تحریک کی تاسیس میں مولانا محمد صادق صاحب کراچی مولانا ابو محمد احمد صاحب لاہوری، (حضرت شیخ التفسیرؒ کے دوسرے خسر) اور عزیزی مولوی احمد علی میرے ساتھ شریک تھے۔ پھر حضرت شیخ الہندؒ کے ارشاد سے میرا کام دیوبند سے دہلی منتقل ہوا۔ اور ۱۹۱۳ء مطابق ۱۳۳۱ھ "نظارۃ المعارف القرآنیہ" قائم ہوئی۔ اس کی سرپرستی میں حضرت شیخ الہندؒ کے ساتھ حکیم اجمل خاں اور نواب وقار الملک ایک ہی طرح شریک تھے۔"

(علمائے حق حصہ اوّل)

اگر اس موقعہ پر حضرت شیخ الہندؒ کے کارناموں اور جمعیۃ کی تاریخ پر تبصرہ شروع کر دیں تو یہ چیز اپنی نمایاں حیثیت میں حضرت شیخ التفسیر کے نقوش حیات کو متواتر اور مسلسل پیش کرنے کے سلسلے کو معرض التوا میں ڈال دے گی۔ لہٰذا ہم نہایت ہی اختصار سے انہی واقعات کے چند فقرات ہدیۂ ناظرین کریں گے۔ جس کا تعلق حضرت شیخ التفسیر مرحوم کی زندگی سے براہ راست ہے۔

جمعیۃ کی تاریخ کے ہزاروں اوراق کو سمیٹ کر چند فقرات میں یوں پیش کیا جا سکتا ہے — حضرت شیخ الہندؒ کا مکہ معظمہ جانا وہاں کے سیاسی حالات حضرت مولانا سیّد حسین احمدؒ کی گرفتاری اور حضرت شیخ الہندؒ کی گرفتاری کا تذکرہ صاحب ایمان حضرات

کے لئے اسلامی الوالعزمی کی ایک بے بدل نظیر ہے۔ جبکہ حضرت شیخ الہندؒ فرما رہے تھے۔ "الحمدللہ بمصیبتے گرفتارم نہ معصیتے"۔ بعدازاں اگست ۱۹۱۶ء میں ریشمی خطوط والی سازش کا انکشاف ہوا۔

۷، ۸، ۹ ربیع الاوّل ۱۳۳۹ھ بمطابق ۱۹، ۲۰، ۲۱ اکتوبر ۱۹۲۰ء جمعیۃ علماء ہند کا دوسرا اجلاس منعقد ہوا۔ اور اس کی صدارت بھی حضرت شیخ الہندؒ نے فرمائی اور عام و خاص کو اپنے ارشادات سے مستفیض فرمایا۔ ۱۸ ربیع الاوّل ۱۳۳۹ھ بمطابق ۳۰ نومبر ۱۹۲۰ء بروز منگل آپ نے اس جہانِ فانی سے رحلت فرمائی۔ اِنّا للہ و اِنّا الیہ راجعون۔ ؎

مرنا اس کا ہے کرے جس کا زمانہ ماتم!
ورنہ مرنے کے لئے آتے ہیں دُنیا میں سبھی

اب اکابر دارالعلوم دیوبند کا چوتھا طبقہ شروع ہوا جس میں آسمانِ علم و عرفان کے مندرجہ ذیل شمس و قمر افقِ اسلام پر جلوہ گر ہوتے۔ جمعیۃ کی قیادت اب جن مُبارک ہستیوں کے ہاتھوں میں آئی۔ انہی کی ہم نشینی کا شرف سیّدنا و وسیلتنا فی الدارین حضرت مولانا شیخ التفسیرؒ کو حاصل تھا۔ ان کے اسماء گرامی اور مختصر تعارف درج ذیل ہے۔

مولانا حافظ محمد احمدؒ

حضرت مولانا حافظ محمد احمد صدر مہتمم دارالعلوم دیوبند خلف الرشید حضرت مولانا نانوتوی بانی دیوبند ایک ستودہ صفات اور پاکبازہ عالمِ دین تھے۔ آپ نے جہاں دارالعلوم کے تمام شعبوں کی کماحقہٗ نگرانی فرمائی۔ وہاں مدرسہ کی اقتصادی حالت کو حیرت انگیز معیار تک بلند کر دیا۔ آپ سے پہلے مدرسہ کی آمد و صرف کا اوسط سات ہزار تھا۔ لیکن آپ کی وفات کے وقت اسّی ہزار سے بھی تجاوز کر چکا تھا۔

آپ کے بعد آپ کے رفیق ومشیر فخر الہند حضرت مولانا حبیب الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ جو اپنے وقت کے بے نظیر عالم اور عربی کے بہترین ادیب تھے مہتمم مقرر ہوئے۔ آپ تدبّر، فراست اور دُور اندیشی میں یکتائے روزگار تھے۔ آپ نے چند تصانیف بھی چھوڑی ہیں۔ ۱۹۲۲ء میں جمعیۃ علماء کا اجلاس منعقد کیا گیا جس کی آپ نے صدارت فرمائی۔

حضرت علّامہ مولانا انور شاہ کاشمیریؒ

حضرت مولانا حبیب الرحمٰنؒ کے بعد امام العصر سیدنا علّامہ انور شاہؒ کا دور دورہ آیا۔ آپ کی صفات کا احاطہ ہم جیسے بے بضاعت انسانوں کی قلم سے مشکل بلکہ محال ہے۔ آپ علوم عقلیہ ونقلیہ کے امام غزالی اور فضائل وشمائل اسلام کے علمبردار تھے۔ المختصر! آپ بقولِ زعیم احرار حضرت سیّد السادات مولانا عطاء شاہ بخاریؒ آیۃٌ مِّنْ اٰیَاتِ اللہ تھے۔ حضرت تھانویؒ فرمایا کرتے تھے۔ "میرے نزدیک حقّانیت اسلام کی دلیلوں میں ایک دلیل حضرت مولانا انور شاہ صاحب کا اُمّتِ مسلمہ میں وجود بھی ہے۔ اگر دینِ اسلام میں کسی قسم کی کمی ہوتی تو آپ دینِ اسلام سے کنارہ کش ہو جاتے۔" المختصر! حضرت انور شاہ صاحب جیسی بے بدل شخصیتوں نے جمعیۃ کے شجرِ طیّبہ کی آبیاری میں اپنی تمامتر خداداد ہمّتوں کو صرف کر ڈالا تھا۔ جمعیۃ علماء ہند کے ہشتم اجلاس منعقدہ ۲-۳-۴۔ اکتوبر ۱۹۲۷ء بمقام پشاور آپ نے صدارت کے فرائض انجام دیئے۔ اور حُبِ وطن کی شرعی حیثیت دارالاسلام دارالحرب دارالامان اور متحدہ قومیت کے مسائل پر اس شرح وبسط سے مجتہدانہ روشنی ڈالی کہ جس کی نظیر شاذ ونادر ہی مل سکتی ہے۔ ان کے بعد حضرت علّامہ عزیز الرحمٰن مرحوم مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند کا نامِ نامی آتا ہے اور اُن کے بعد

سیدنا شیخ الہند ثانی حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ

شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند کا ذکر خیر ہے۔ جن کی شخصیت پر حضرت لاہوریؒ کو بہت ناز تھا۔ لاہور کی فضائیں اور انسانی سماعتیں اس حقیقت کی گواہ ہیں۔ کہ جب کبھی حضرت شیخ التفسیر کی زبانِ مبارک پر حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا اسمِ گرامی آتا تو آپ کا چہرہ فرطِ عقیدت سے تمتما اٹھتا۔ آنکھوں میں ایک تہورانہ چمک ہوتی اور آپ کے ضعیف رگ و پے میں حریتِ فکر و عمل کی ایک بجلی دوڑنے لگتی تھی۔ حضرت لاہوریؒ نے حریت کا درسِ اولین حضرت سندھیؒ اور حضرت شیخ الہند سے پڑھا تھا۔ اور مکتبِ حریت میں آپ کو حضرت مدنیؒ کے ہم سبق ہونے کا شرف حاصل تھا۔ حضرت مدنیؒ کی صدارت کے وقت انڈین نیشنل کانگریس مسلم لیگ، احرار اور جمعیۃ علماء ہند سیاسی اور مذہبی جماعتیں تھیں۔ جو اپنے اپنے صوابدید کے مطابق آزادیِ ہند کا کام کر رہی تھیں۔ حضرت مدنیؒ کی صدارت سے لے کر آپ کی وفات تک کے حالات اگر دیکھنے مقصود ہوں تو علماء حق کتاب حصہ اول و دوم کے کم از کم ۱۰۲۸ صفحات کا مطالعہ کیجیے۔ تاکہ آپ پر واضح ہو سکے کہ اس شیر بیشۂ حریت اور دورِ ماضی کے قائدِ انقلاب نے ہندوستان کی سرزمین میں عملی پیکرِ اسلام بن کر کن کن براہیمی اور اسماعیلی کارناموں کو سر انجام دیا۔ اور حضرت لاہوریؒ اور آپ کے باقی رفقاء کار نے ان میں کیا کیا حصہ لیا۔ سنہ ۱۹۴۰ء میں جب کہ دوسری عالمگیر جنگ میں ہندوستانیوں کی شرکت کا سوال پیدا ہوا۔ اور حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی صدارت میں ۲۹۔ ۳۰ ستمبر سنہ ۱۹۴۰ء کو اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں فیصلہ کیا گیا تھا۔ کہ انگریزوں کی مدد کے لئے کوئی وجہ جواز نظر نہیں آتی تو اس وقت علماء کرام نے اپنے اس فیصلے کو تقاریر کے ذریعہ اعلان کرنا شروع کیا۔ تو علماء کی گرفتاریاں عمل میں آنے لگیں۔ ان میں حضرت شیخ التفسیر کا نامِ نامی

سرفہرست ہے۔ اور الفاظ یہ ہیں۔ "حضرت مولانا احمد علی صاحب امیر انجمن خدام الدین لاہور، جو تفسیر و ترجمہ قرآن کے درس میں غیر فانی شہرت کے مالک ہیں۔ اور جن کے تلامذہ اور مستفیضین کی تعداد جو تمام ہندوستان میں پھیلی ہوئی ہے۔ ہزاروں سے بھی متجاوز ہے۔ (کتاب علماء حق حصہ دوم صفحہ ۱۵۰)

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو گھناؤنے ماحول دہشتناک سیاسی صورتیں، توہین و تضحیک کے اوچھے حربے۔ قید و بند کی صعوبتیں غیروں کی چیرہ دستیاں اور راہ حق میں باطل کے پہاڑوں کے حائل ہونے کے جو واقعات پیش آتے شاید ہی اس دور کے کسی انسان کو پیش آتے ہوں۔ مگر یہ کائنات ارضی کا مجسمہ اسلام پیکر علم و عرفان عزم بلند اور پامردی کا کوہسار ہر خطرے میں اس قدر استقامت اور ثابت قدمی سے نبرد آزما رہا۔ اور اپنے جلو کے تمام مجاہدین کو آمادہ پیکار رکھا کہ اس کی نظیر تاریخ اسلام میں عہد صحابہؓ کے سوا شاید مفقود ہو۔ اس مجاہد کبیر اور بطل حریت نے دین مصطفوی کی حفاظت کے لئے سرزمین ہند کے فرزندان توحید کو اس قدر گرمایا کہ آپ کی جماعت کے عامی مسلمان بھی پکار اٹھے۔ ع

ہر آنکہ کشتہ نشد از قبیلہ ما نیست

آپ نے نینی تال جیل میں دو سال دو ماہ اور دو دن کے بلا خیز لمحات بسر کئے۔ اور اس سے پہلے اور بعد بھی آپ کو قید و بند کی بارہا صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں۔ القصہ ہندوستان کی جنگ آزادی تقسیم ہند اور آپ کی وفات تک کے تمام واقعات کا تذکرہ کئی ضخیم جلدوں میں تاریخ حریت کے نام سے معرض وجود میں آسکتا ہے۔ ان تمام واقعات کو شرح و بسط سے دیکھنے کے لئے علماء حق کتاب کے دوسرے حصے کو خصوصیت سے ملاحظہ فرمایا جائے۔ آپ نے جیل سے رہائی کے ایک موقعہ پر جرأت مندانہ فرمایا کہ میں کتوں اور سؤروں سے سمجھوتہ کر سکتا ہوں مگر انگریز و

سے نہیں کر سکتا۔

اب ہم حضرت مدنیؒ کے ایک مکتوب گرامی کی حرف بحرف نقل پیش کرتے ہیں۔جس کے مطالب سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت لاہوریؒ اور حضرت مدنی حضرت شیخ الہندؒ کے مکتبِ عشق کے دو طالب علم تھے۔جن کی زندگی کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ؎

چو می گویم مسلمانم بلرزم
کہ دانم مشکلاتِ لا الٰہ را

مندرجہ ذیل خط حضرت لاہوریؒ نے شیشہ کے فریم میں لگوا کر نہایت اعزاز کے ساتھ اپنی مخصوص تسبیح گاہ (حجرہ) کی سامنے والی الماری میں مقفّل رکھا ہوا تھا۔ اور ایک دفعہ احقرالانام کو نہایت شفقت سے دکھایا تھا۔اور اس وقت اس کے مطالب کو فرطِ عقیدت سے جھوم جھوم کر بیان فرما رہے تھے۔ہائے ہائے وہ دن کس قدر بابرکت تھے۔ ؎

خوشا وہ دور کہ دیدار عام تھا اُس کا

مکتوبِ گرامی حضرت مدنیؒ

سیّدنا المحترم زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ‘

والانامہ باعث سرفرازی ہُوا۔مندرجہ ذیل مضامین سے سخت متاثر ہُوا۔ محترما! کیا آپ سے علاقہ کسی انجمن کے وجود و عدم اور اس کی ممبری پر موقوف ہے۔جس پر آپ متاثر ہوتے ہیں۔ کلّا واللہ ہم اور آپ حضرت شیخ الہند قدس اللہ سرہ العزیز کے دربار کے دریوزہ گر اور اس بناء پر خواجہ تاش ہیں۔ یہ روحانی تعلق کسی طرح ٹوٹ نہیں سکتا۔اگر مادی اسباب حائل بھی ہو جائیں تو کیا ہے۔ہماری

ارواح ایک ہی دربار دُربار کی حاضر باش ہیں۔

گھر کے لوگوں صاحبزادوں اور دیگر احباب پُرسانِ حال سے سلام مسنون عرض کر دیں۔ دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں۔ والسلام۔

ننگ اسلاف

حسین احمد غفرلہٗ

از دارالعلوم دیو بند ۳ ربیع الثانی ۱۳۶۷ھ

مندرجہ بالا مکتوب گرامی کے متعلق حضرت شیخ التفسیرؒ اپنی زبانِ قلم سے فرماتے ہیں۔ "حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک والانامہ اس ناکارہ کے نام۔"

اس والانامہ کا باعث میرا ایک عریضہ ہے۔ جب مُلک تقسیم ہُوا تھا۔ اس وقت جمعیۃ علماء ہند نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ ہماری جمعیۃ کے اراکین جو پاکستان میں رہتے ہیں اُنہیں ہم جمعیۃ علماء ہند سے علیحدہ کرتے ہیں۔ وہ پاکستان میں اپنی صوابدید کے مطابق کام کریں۔ اس اعلان کے بعد میں نے حضرت مدنیؒ کی خدمت میں یہ عریضہ لکھا کہ جن حضرات کے دامن سے وابستہ ہو کر ہمیں قیامت کے دن نجات کا بھروسہ تھا۔ اُنہوں نے ہمیں الگ کر دیا۔"

حضرت فرماتے تھے کہ جب مَیں نے یہ عریضہ لکھا تو اُس وقت مجھ پر رقت طاری تھی۔ جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ میرے دل کی کیفیت نے جب الفاظ کا جامہ پہنا تو حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ اپنی بصیرت اور فراست سے میری قلبی کیفیت سے مطلع ہو گئے۔

موقعہ کے اقتضا کے مطابق ہم حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مدنی مرحوم کے رُوحانی روابط کے ثبوت میں حضرت شیخ التفسیر کے چند رشحاتِ قلم پیش کرتے

ہیں۔ جن سے ناظرین کو یقین ہو جائے گا۔ کہ اللہ والوں کو ایک دوسرے سے کس قدر باہمی تعلق ہوتا ہے۔ اور ان کے رشتہ یگانگت میں اخلاص کا کتنا دخل ہوتا ہے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر پاکستان کے معزز علماء اور باقی احباب کرام نے حضرت شیخ التفسیرؒ کے نام متعدد تعزیت نامے بھیجے تو آپ نے تمام حضرات کو علیحدہ علیحدہ جواب دینے کی بجائے مندرجہ ذیل عبارت خدام الدین میں شائع کرادی۔

پیغامِ تعزیت بھیجنے والوں کی خدمت میں عرض

امام المحدثین عمدۃ المحققین جبل الاستقامۃ الجامع بین الشریعت والطریقت والفائق علی جمیع الاقران فی العلوم النقلیۃ والعقلیہ شیخ العرب والعجم اعلیحضرت مولانا ومفتدانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ تعالےٰ کی وفات حسرت آیات پر اس ناکارہ کو حضرتؒ کا ایک ادنیٰ غلام خیال فرما کر میرے نام پر پیغاماتِ تعزیت بھیجے جا رہے ہیں۔ اللہ تعالےٰ کا شکر ہے کہ مجھے اس نسبت کے باعث یاد کیا جا رہا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ نسبت بھی قیامت کے دن میری نجات کا باعث بنے گی۔ حضرتؒ کی حیات طیبہ میں تو جب میں ان کے مناقب صبح کے درس قرآن مجید یا جمعہ میں بیان کرتا تھا تو بفضلہ تعالےٰ یہ چیز ثابت کر دیتا تھا کہ میرے حضرت مدنی کی نظیر پاکستان اور ہندوستان میں نہیں ہے۔ بلکہ میرا عقیدہ ہے کہ ان کی نظیر دنیا بھر میں بھی نہیں ہے۔

تحریکِ خاکساراں

حق و صداقت کی تائید حُریّت و جہاد کی جان ہے۔ ہر شخص اس مجاہدانہ اقدام کی جرأت نہیں رکھتا۔ لیکن اس صداقت کی تائید جو مخالف کی پارٹی میں پائی جائے یقیناً پیغمبرانہ فعل کے مشابہ ہے۔ اپنوں کی مدحت سرائی لاکھوں کا شیوہ ہے۔ مگر

لاکھوں میں شاید ایک آدھ زبان ہوگی۔ جس سے مخالف کی خوبی کی تحسین نکل سکتی ہو۔ بڑے بڑے جبہ پوش فرقہ پرستی کو اپنا امتیازی نشان بنائے بیٹھے ہیں۔ اغیار کے حسینؓ کی تعریف اس مسلک میں حرام ہے۔ اور اپنے یزید کی قصیدہ خوانی ثواب ہے مگر اللہ تعالےٰ کی کرم فرمائی سے خلقِ خُدا میں ایسے انسان بھی قیامت تک موجود رہیں گے جو دشمن کی زبان سے نکلے ہُوئے کلمۂ خیر کو کلمۂ خیر ہی کہیں گے۔ اور دوست کی بُرائی کو بُرائی سے ہی تعبیر کریں گے۔

خاکسار تحریک، کا بانی علامہ عنایت اللہ مشرقی دماغی قوتوں کے اعتبار سے ایک بے نظیر شخصیت کا حامل تھا۔ لہٰذا اس کی طالب علمی کا زمانہ انتہا درجے کی ناموری اور جاذبیت رکھتا ہے۔ یہی وہ چیز تھی جس نے مسٹر عنایت اللہ مشرقی کو علّامہ بننے پر آمادہ کیا۔ اور آخر کار علّامہ صاحب کو مذہبی رہنمائی کا شوق پیدا ہُوا تذکرہ اور اشارات وغیرہ تصانیف لکھیں۔ مولوی کا غلط مذہب بڑے اہتمام سے شائع ہونے لگا۔ علماء حق نے اس تعلّی آمیز روش پر نظرِ غائر ڈالی۔ تو دینِ حقّہ کی توہین و تضحیک کی صورت سامنے آئی۔ اخبارات اور رسائل اور عام جلسوں میں علّامہ صاحب کی بیباکی کے تذکرے ہونے لگے۔ جہاں باقی علماء ملّت نے علّامہ کی لن ترانیوں اور انا الموجود لا غیری کے نعروں کی مخالفت کی وہاں حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اِس غلط قیادت کی چیرہ دستیوں سے عوام کو آگاہ کیا۔ اور ایک چھوٹا سا رسالہ بھی اس ضمن میں چھپوایا۔

اب خاکسار تحریک ہر جگہ زور پکڑنے لگی۔ تو گورنمنٹ نے اس کی سرکوبی میں قدم اُٹھایا۔ اس ضمن میں چند گرفتاریاں ہُوئیں۔ اور ان کے جلسوں اور جلوسوں پر پابندیاں عاید ہوگئیں۔ خاکساروں نے حکومت کے اس رویّہ کو بنظرِ استحقار دیکھا۔ اور سول نافرمانی کے طور پر ایک منظّم جلوس نکالا۔ جب وہ جلوس نوگزے (لاہور) کی قبر

کے قریب پہنچا۔ تو اُس کو روکنے کی کوشش کی گئی جس پر خاکسار رضا کاروں اور پولیس کے درمیان تصادم ہوگیا۔ لاہور سٹی کا انگریز سپرنٹنڈنٹ پولیس Superintendent Police اس حادثے میں زخمی ہُوا۔ جس کے نتیجے میں خاکساروں کے جلوس پر گولی چلائی گئی۔ اور کئی خاکسار شہید ہوئے۔ بعد ازاں حکومت کا رویّہ خاکساروں کے خلاف اور بھی متشدّدانہ ہوگیا۔ اب خاکساروں نے گرفتاری سے بچنے کے لئے شہر کی مساجد میں پناہ لی۔ اور مسجد لائن سبحان خاں (جامع مسجد شیرانوالہ) میں بھی آگھُسے۔ وزیراعظم پنجاب سر سکندر حیات خاں نے حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ کو بُلا بھیجا۔ اُس کا خیال تھا کہ حضرت مولاناؒ ہمارے مُوقّف کی تائید کریں گے۔ اور خاکساروں کو مساجد سے نکالنے کے علاوہ اُن کی گرفتاری کا فتویٰ بھی دیں گے۔ لہٰذا سر سکندر حیات خاں نے حضرت کی خدمتِ اقدس میں حاکمانہ انداز میں کہا۔ مولانا! آپ نے ہماری سرکار کے باغیوں کو اپنی مسجد میں پناہ دے رکھی ہے۔ حضرت نے نہایت مرسلانہ جُرأت سے جواب میں فرمایا۔ کہ "خاکسار آپ کی سرکار کے باغی ہوں گے۔ میری سرکارِ مدینہؐ کے باغی تو نہیں ہیں۔"

یہ کہہ کر ناراضگی کی صورت میں سر سکندر حیات خاں کی کوٹھی سے باہر تشریف لے آئے۔ اور اُس کی چائے وغیرہ میں شامل نہ ہوئے۔ سر سکندر حیات خاں نے واپسی پر کار پیش کی۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ آپ کی کار میں پاؤں رکھنا میرے جوتے کی توہین ہے۔ حکومت کے لئے یہ نعرۂ حق ناقابلِ برداشت تھا۔ لہٰذا اگلے دن حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو گرفتار کر لیا گیا۔ لیکن گرفتار ہونے سے پیشتر آپ اخبارات میں یہ بیان شائع کروا چکے تھے۔ کہ "مسلمان مصیبت کے وقت مساجد کو بطور قلعہ استعمال کر سکتے ہیں۔"

حضرت شیخ التفسیرؒ کی زندگی کا یہ واقعہ اور پھر اس دورِ تعصب و فتن میں اس بے لاگ

تائیدِ حق کی مثال شاید کسی دوسری جگہ نہ مل سکے۔ آپ علامہ مشرقی کی روش کی شکایت توکرتے تھے۔ مگر اُن کے بھولے بھالے رضاکاروں کی موت کو شہادت اور اُن کی زندگی کو مجاہدانہ زندگی سے تعبیر کرتے تھے۔ ہمارا بھی فرض ہے کہ ہم اس مبارک زندگی کو اپنے لئے مشعلِ راہ بنائیں۔

اسی ضمن میں یہ واقعہ بھی ہر لحاظ سے قابلِ بیان ہے۔ کہ حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی نے جن کی اسلامی سرگرمیوں میں حضرت ابوذر غفاریؓ کی مجذوبانہ جھلکیں نظر آتی ہیں۔ سرحد میں ایک جلسے کا انتظام کروایا۔ اس جلسے میں اُس وقت کے مقتدر علماء کرام نے شرکت کی۔ علماء کی مجلسِ مشاورت میں یہ بات کافی دیر تک جاری رہی۔ کہ علامہ مشرقی کے مخالفانہ رویّہ کی تردید کس کے ذمے ڈالی جائے۔ آخر کار تمام علماء نے متفقہ طور پر فیصلہ دیا۔ کہ حضرت مولانا احمد علی صاحب اس جُراٗت مندانہ کام کی تکمیل کے لئے سب سے زیادہ موزوں ہیں۔ لہٰذا آپ نے اسٹیج پر تشریف لاکر ایک ہاتھ میں قرآن مجید اور دوسرے ہاتھ میں تذکرہ پکڑ کر حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ کہ آپ ان دونوں میں سے کس کی پیروی کریں گے۔

حاضرین نے کہا۔ کہ ہم قرآن مجید کی پیروی کریں گے۔ بعد ازاں آپ نے تذکرے کی چند عبارات پڑھ کر کتاب و سُنّت کی روشنی میں اُن کی تردید کی۔ حاضرینِ جلسہ آپ کی ایمان افروز تقریر سے اس قدر متاثر ہوئے۔ کہ سرحد کے اکثر لوگ علامہ صاحب کی جماعت سے نکل گئے۔

محولہ بالا واقعات کے باوجود احقر نے حضرت مولانا عبید اللہ انور صاحب سے سُنا ہے۔ کہ علامہ مشرقی کئی دفعہ جمعہ کی نماز کے لئے مسجد اچھرہ میں تشریف لاتے۔ اور میرے سامنے صاف اقرار فرماتے تھے۔ کہ "مولانا! میں آپ کا مخالف نہیں ہوں۔ بلکہ علماء سُو کا مخالف ہوں"۔ اس رجوع و انابت کے پیشِ نظر ہم خدا تعالےٰ سے دُعا کرتے

ہیں کہ وہ اپنے فضلِ عمیم سے ہمارے محترم بھائی کی فروگزاشتوں سے درگزر کرے۔ اور اپنے جوارِ رحمت میں جگہ مرحمت فرمائے۔

جہادِ کشمیر

قیامِ پاکستان کے فوراً بعد کشمیر میں بعض وجوہات پر جنگ چھڑ گئی۔ کشمیر کی اس صورتِ حال کو تمام مکاتیبِ فکر (Schools of Thoughts) کے رہنماؤں نے جہاد کا نام دیا۔ مگر مودودی صاحب نے پوری جسارت سے جمہور علماء کے اس سوادِ اعظم سے علیحدگی اختیار کی۔ اور جہادِ کشمیر کو فساد کے لفظ سے تعبیر کر کے مسلمانوں کے جذبات کو ٹھیس لگائی۔ اللہ اللہ! مودودی صاحب کی قلم ہلی۔ اور مسلمانانِ پاکستان کی تمام مجاہدانہ سرگرمیاں لایعنی ہو گئیں۔ اور عصرِ حاضر کے اس انوکھے اجتہاد نے دشمنانِ مذہب و ملت کو کھلے بندوں موقعہ دیا۔ کہ وہ مودودی صاحب کے ننگِ ملک فتوے کو بڑے بڑے پوسٹروں پر شائع کروا کر تمام کشمیر اور ہندوستان میں پراپیگنڈا کرتے پھریں۔ کہ مفکرِ اسلام حضرت مودودی صاحب نے کشمیر کے جہاد کو فساد فی الارض ثابت کیا ہے۔ ؎

علاج ضعفِ یقیں اُن سے ہو نہیں سکتا
غریب اگرچہ ہیں۔ رازی کے نکتہ ہائے دقیق
اُسی طلسمِ کہن میں اسیر ہے۔ آدم!
بغل میں اُس کی ہیں۔ اب تک بتانِ عہدِ عتیق
اقبال مرحوم

مذکورہ بالا اشعار میں مودودی صاحب کی نفسیاتی کیفیت کا دُھندلا سا نقشہ نظر آیا تھا۔ لہٰذا اُن کو لکھا گیا۔

اب تصویر کا دوسرا رُخ بھی ملاحظہ ہو۔ لاہور کے اُمّ القریٰ سے جو آواز بلند ہوئی

ہے۔ وہ ملک کے گوشے گوشے میں زندگی بن کر پھیل جاتی ہے۔ حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس جنگ کو جہادِ اسلام کے نام سے تعبیر فرمایا۔ اور نہایت مجاہدانہ مستعدی سے اس میں حصّہ لیا۔ کئی دفعہ روپے۔ کپڑے اور باقی ضروریات کی چیزیں مجاہدینِ کشمیر کے لئے فراہم کی گئیں۔ اور لاہور ہی میں کشمیری نمایندوں کے حوالے کی گئیں۔ روزانہ درس قرآن مجید۔ جمعہ کی تقاریر اور باقی مختلف مقامات پر ریزولیشنوں اور تقریروں کے ذریعے حضرت مرحوم نے مسلمانانِ پاکستان کو اس اسلامی جہاد کی ترغیب دلائی۔ اور آخرکار دس ہزار کی ایک رقمِ خطیر لے کر خود راولپنڈی تشریف لے گئے۔ اور یہ رقم کشمیر کے پہلے صدر سردار ابراہیم صاحب کے حوالے کی۔ اس مبارک سفر میں آپ کے ہمراہ آپ کے صاحبزادے قاری عبید اللہ انور صاحب بھی موجود تھے۔

راقم الحروف کو اچھی طرح یاد ہے۔ کہ کمترین نے جب اپنے آقائے رُوحانی کو لاہور میں مجاہدینِ کشمیر کی امداد کے لئے رات دن کام کرتے دیکھا۔ تو اپنے گاؤں نتھو والہ میں جا کر اپنے احباب سے مشورہ کیا۔ تو اُنہوں نے نہایت سرگرمی سے ہنگامی چندے کی فراہمی شروع کر دی۔ پہلی دفعہ مبلغ گیارہ سو روپے اکٹھے ہوئے۔ جن کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد کے مطابق خدام الدین کے دفتر میں منشی سلطان احمد کے پاس جمع کرایا گیا۔ اور اُن کی رسیدات اب تک کمترین کے پاس موجود ہیں۔ دوسری دفعہ جب کمترین اپنے گاؤں میں واپس گیا۔ تو اُنہی احباب کے مشورے سے کپڑوں کی فراہمی کا کام شروع کیا گیا۔ تمام کپڑوں کا وزن ساڑھے پانچ من تھا۔ اُن کو ننکانہ اسٹیشن کے راستے لاہور پہنچایا گیا۔ اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادِ گرامی کے مطابق وہاں سے ہی کشمیر بھیجے گئے۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالےٰ تمام مخیّر حضرات کی کوششوں کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے۔

پنڈت نہرو کی شاطرانہ یقین دہانی

وادیِ کشمیر میں جب یہ جنگ زوروں پر تھی۔ اور مسلمان قبائل نہایت سرفروشانہ سرگرمی سے ہندو ڈوگروں سے برسرِ پیکار تھے۔ تقریباً آدھا کشمیر فتح ہو چکا تھا اور مسلمان مجاہدین سری نگر اور جموں پر حملہ آور ہونا چاہتے تھے۔ تو اس وقت پنڈت نہرو نے نہایت شاطرانہ انداز میں مونٹ بیٹن اور باقی مدبّرینِ برطانیہ کی وساطت سے یو۔این۔او سے پاکستان پر زور ڈالوایا۔ کہ ہر دو طرف سے جنگ کو بند کر دیا جائے۔ اور ساتھ ہی پنڈت جی نے اس بات کا یقین دلایا۔ کہ حالات کے پُرسکون ہونے پر کشمیر میں غیر جانبدارانہ استصوابِ رائے عامہ کرایا جائے گا۔ اس نازک ترین مرحلہ کی پُرفریب سیاست کو ہمارے محبوب وزیرِ اعظم لیاقت علی خاں مرحوم کما حقّہٗ نہ بھانپ سکے۔ لہٰذا پنڈت جی اور برطانوی سامریوں کے جھانسے میں آگئے۔ اور دونوں طرف سے جنگ بندی کا اعلان کروایا گیا۔ نہرو جی کامیاب ہو گئے۔ کیونکہ استصوابِ رائے عامہ کے نتیجے کو وہ اُس وقت بھی جانتے تھے۔ اور اب تک بھی اُن کو اس فیصلے میں اپنی شکست کا اعتراف ہے۔ صد ہزار افسوس سے کہا جاتا ہے۔ کہ اُس دن سے دونوں طرف کی فوجیں جنگ بندی کی لائنوں پر کھڑی ہیں۔ اور مظلوم کشمیریوں کے محبِ وطن وزیرِ اعظم شیخ محمد عبداللہ کشمیر کی آزادی کے مطالبے کے جرم میں پابندِ سلاسل ہیں ع اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

مندرجہ بالا واقعہ حضرت مولانا عبیداللہ انور صاحب نے نقل کروایا ہے۔

صدر آزاد کشمیر جناب علی احمد شاہ صاحب کی دعوت

حضرت مولانا محمد صابر صاحب جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی طرح

صاحب النّعل۔ صاحب الوسادہ اور صاحب المطہرہ کہلانے کے مستحق ہیں۔ اس ضمن میں فرماتے ہیں۔ کہ جناب علی احمد شاہ صاحب صدر آزاد کشمیر نے حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ کو کشمیر میں تشریف لانے کی دعوت دی۔ حضرت والا جاہ کے خادم خاص مولانا محمد صابر صاحب بھی حضرتؒ کی معیّت میں کشمیر پہنچے۔ صدر مذکور نے اعزاز و اکرام کے بعد حضرتؒ کی خدمتِ عالیہ میں عرض کیا۔ کہ آپ قرآنِ عزیز کا ایک ایسا ترجمہ کریں۔ جو چند مشہور فرقوں کے نزدیک مصدّقہ و مسلمہ ہو۔ تاکہ اسلامی فرقوں کے درمیان تالیف و موانست کی رُوح پیدا کی جا سکے۔ حضرت قطب الاقطاب نے اس مجدّدانہ اور مصلحانہ مہتم بالشّان کام کرنے کا بتوفیقِ ایزدی وعدہ فرمایا۔ اور بعد ازاں اس وعدہ کو انتہائی محنت پژوہی اور پیغمبرانہ مساعی سے پورا کر دکھایا۔ اب یہ قرآنِ مترجم (دیوبندی۔ بریلوی۔ اہلِ حدیث اور شیعہ حضرات کا مصدّقہ) انجمن خُدّام الدین سے مل سکتا ہے۔

اس موقعہ پر صدر آزاد کشمیر نے حضرت مسیح الاُمّت کی خدمتِ اقدس میں یہ بھی عرض کیا۔ کہ میرا ارادہ ہے کہ میں اپنی ریاست میں علماء کرام کو مجسٹریٹوں کے اختیارات سونپ دوں۔ اس کے جواب میں حضرت نے اپنی بصیرت اور بالغ النظری سے کام لیتے ہوئے فرمایا۔ کہ میں آپ کی اس تجویز کو ہر لحاظ سے قابلِ صد تحسین سمجھتا ہوں بلکہ تجدید و احیائے اسلام میں یہ قدم لاکھوں برکات کا حامل ہو گا۔ لیکن علماء کرام میں ہر شخص اس استعداد کا مالک نہیں ہوتا ہے۔ کہ وہ باقاعدہ طور پر عصر حاضر کے ٹرینڈ ججوں کی طرح مقدمات کے تمام جُزئیات پر نظرِ تعمّق ڈال سکے۔ اور اپنے دلائل مخالف و مطابق (Arguments for and against) کی روشنی میں صحیح نتائج اخذ کر کے پوری مفتیانہ حزم و احتیاط سے دفعات کو سامنے رکھ کر ضبطِ تحریر میں لا سکے۔ اور پھر وقتِ ضرورت اس کو پیش کر سکے۔ اور ساتھ ہی آپ نے یہ بھی فرمایا۔ کہ اس خامی

کا سبب مدارس عربیہ کے طریقِ درس و تدریس پر منحصر ہے۔ کیونکہ ان میں علماء کرام کو متداولہ مخصوص کتب کے علاوہ تحریر و تقریر اور نتائج کے استخراج و استنباط کی مشق نہیں کرائی جاتی۔ لہٰذا ممکن ہے۔ کہ اگر تمام علماء کو حج کے فرائض سونپے جائیں۔ تو یہ امر جدید طبقے کی نظر میں علماء کرام کی تضحیک کا باعث بنے۔ حضرت والا مقام نے ساتھ ہی مربیانہ انداز میں فرمایا۔ کہ اگر آپ چند مخصوص علماء کرام کو (Training) تربیت کے لئے میرے پاس بھیج دیں۔ تو انشاء اللہ تعالےٰ آپ کی تجویز کو بروئے کار لانے کی پوری کوشش کی جائے گی۔ لہٰذا صدرِ محترم نے علماء کی ایک منتخبہ جماعت حضرتؒ کی خدمتِ عالیہ میں لاہور بھیج دی۔ جس کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بتوفیقِ ایزدِ متعال رات دن کی محنتِ شاقہ سے مجوزہ معیار تک پہنچا دیا۔ اور اُن کو باقاعدہ سندات بھی دی گئیں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِکَ

انجمن حمایتِ اسلام کی سرپرستی

سرزمینِ ہند میں اسلامی اقدار کو ملیا میٹ کیا جا رہا تھا۔ اور مغربی تعلیم و تہذیب کو اہلِ ہند نے اپنانے میں ایک دوسرے سے پیش قدمی کرنے کی ٹھان رکھی تھی۔ ہندو لوگ جن کی سرشت میں غلامی کی نحوست گھر کر چکی تھی۔ خاندانِ مغلیہ کے زوال کے بعد اپنے نئے دیوتاؤں (انگریز لوگ) کے جان و دل سے پجاری بن چکے تھے۔ اور حکومت کی نظروں میں اپنا وقار بڑھا رہے تھے۔ اور ادھر فرنگی لوگ اپنی سلطنت کا استحکام اور دوام اسی حکمتِ عملی میں دیکھ رہے تھے۔ کہ ہندوستانیوں کے تہذیب و تمدن بلکہ مذہب کو بھی ختم کیا جائے۔

چونکہ ہندوازم فطرت کے اصولوں کے خلاف چند ایک من گھڑت تصوّرات کا نام ہے۔ لہٰذا ہندوؤں کے لئے مذہب فروشی کا سودا بڑا منفعت بخش ثابت ہوا۔ مگر

اس کے برعکس مسلمانوں کو اس قدم میں بڑا خسارہ نظر آیا۔ محبانِ مذہب و ملّت نے افرادِ قوم کو اپنی تہذیب اور اپنے مذہب کی حفاظت کی تاکید فرمائی۔ علامہ اقبال مرحوم جو اپنے دل میں مذہبِ اسلام کی بقا کے لئے ایک بے پناہ جذبہ رکھتے تھے مختلف طریق سے باقی ناصحانِ ملّت کے ساتھ مسلمانوں کی ناؤ کو گرداب بلا سے بچانے کی کوشش کرتے رہے مذہب کے عنوان سے تین اشعار لکھے۔ اور مسلمانوں کو حفاظتِ مذہب کا پیغام دیا۔

مذہب

اپنی ملّت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی
اُن کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوّتِ مذہب سے مستحکم ہے جمعیّت تری
دامنِ دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیّت کہاں
اور جمعیّت ہوئی رخصت تو ملّت بھی گئی!

خیر! علماء تو علماء عام مسلمان بھی انگریزی تہذیب سے اکثر نفور رہتے۔ مگر زمانے کا تقاضا تھا۔ کہ اس غلامی کے دور میں مسلمانانِ ہند بھی ہندوؤں کے دوش بدوش شاہراہِ ترقی پر گامزن ہوں۔ لہٰذا ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد سر سیّد مرحوم نے یہ مسئلہ مسلمانوں کے سامنے بڑی شدّومد کے ساتھ پیش کیا۔ اور اُن کی شبانہ روز کوششوں نے عام مسلمانوں کے رجحان کو بدل دیا۔ چنانچہ بنگال۔ پنجاب اور سرحد میں انگریزی تعلیم کا عام چرچا ہو گیا۔ اس وقت پنجاب میں انجمن حمایت اسلام نے مسلمانوں کی بیداری اور عصرِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق اُن کو تعلیم و تربیت دینے کا بیڑا اُٹھایا۔ اُس موقعہ پر ہمسایہ

آقائے روحانی حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی انجمن حمایت اسلام کی رکنیت قبول فرمائی۔ حضرت اقدس کا رونگھٹا رونگھٹا انگریزی تہذیب و تمدن کے خلاف تھا۔ مگر حالات زمانہ کے اقتضا کے مطابق آپ اکثر کہا کرتے تھے۔ کہ ہم چاہتے ہیں۔ کہ جہاں ہندو اور سکھ ڈاکٹر موجود ہوں۔ وہاں مسلمان نوجوان بھی ایم۔ بی۔ بی۔ ایس (M.B.B.S.) کی اعزازی ڈگری سے سرفراز ہوں۔ اگر ہندو وکیل عدالتوں میں ججی کے عہدے سنبھالیں تو مسلمان بھی اُن کے مقابلے میں دستارِ فضیلت پہن کر کھڑے ہوں۔

القصّہ! آپ انجمن حمایت اسلام کے ہمیشہ وائس پریذیڈنٹ (Vice President) رہے۔ دینی مشاغل کی کثرت کی وجہ سے آپ اس انجمن کی صدارت قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ اور کئی دفعہ نائب صدر کے عہدے سے استعفےٰ بھی پیش کیا۔ مگر آپ کے رفقائے کار آپ کے وجودِ مسعود کی برکات سے محروم ہونا نہیں چاہتے تھے۔ لہٰذا آپ لاہور کے تقریباً سارے قیام میں اس عہدہ پر سرفراز رہے۔

اس جگہ پر یہ واقعہ بھی ضرور قابلِ ذکر ہے۔ کہ آپ انجمن حمایت اسلام میں کسی مرزائی کی شمولیت کو شرعاً ناجائز سمجھتے تھے۔ اور اس مسئلے پر مجلسِ شوریٰ میں متعدد دفعہ بحث تمحیص بھی ہوئی۔ اور آخر کار حضرت کی تبحّرِ علمی اور بیباک صداقت غالب آئی۔ اور ایک عجیب واقعہ نے اس بحث کو اپنے پراسرار انداز میں ختم کر دیا۔ اور بعد ازاں مرزائیوں کو اس انجمن میں قدم رکھنے کا موقعہ نہ ملا۔ ایک دن جب مرزائیوں کی رکنیت کے متعلق بحث ہو رہی تھی۔ تو مرزا یعقوب محفل سے اُٹھا اور سیڑھیوں پر سے نیچے جا رہا تھا تو اس پر اچانک فالج کا حملہ ہُوا۔ اور وہ سیڑھیوں میں ہی گر گیا۔ اور کچھ عرصہ بعد اس عارضہ سے راہیِ ملکِ عدم ہُوا۔

میکلیگن انجینئرنگ کالج

سیرتِ نبویؐ اور سیرتِ صحابہ کرامؓ کا مطالعہ کرنے والوں پر یہ حقیقت روزِ روشن

کی طرح واضح ہے کہ مسلمانانِ عالم نے اپنے محبوب پیغمبر خدا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و ناموس کو اپنے ایمان کی روحِ رواں سمجھا ہوا ہے۔ اور اُن کے عشق و محبت کی تمام تر قربانیاں دینِ مصطفوی کی حفاظت کی خاطر وقف ہیں۔ اور یہ ہزار صداقتوں کی ایک صداقت ہے۔ کہ پروردگارِ عالم نے آمنہ کے لال سے بڑھ کر انسانیت کے لئے کوئی بڑا محسن پیدا ہی نہیں کیا۔ اور پھر اس برگزیدہ ہستی کو سیّد الاوّلین والآخرین بنا کر بھیجا۔

وہ دانائے سُبُل ختم الرُسل مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا۔ فروغِ وادیٔ سینا
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسین وہی طٰہٰ

تو اب کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ کوئی شقی ازل ناموسِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہاتھ بڑھائے اور لاکھوں شمشیریں اُس کے پرخچے اُڑانے کے لئے بے نیام نہ ہوں۔ اور کوئی زبان آپ کی شانِ رسالت کے خلاف ہلے۔ تو اُس کو حلق سے کاٹ کر باہر نہ پھینکا جائے۔

سُرخیوں سے خون کی آتا ہے۔ تاریخوں میں رنگ
کربلاؤں سے ہے۔ دینِ مصطفےٰ کی آبرو!

۱۹۳۱ء کے شروع میں میکلیگن انجنیئرنگ کالج لاہور کے انگریز پرنسپل نے رسولِ انس و جاں صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں زبانِ تشنیع دراز کی۔ مسلمان طالب علموں نے اس اخبث النّاس کی حرکتِ ناروا کے خلاف سخت احتجاج کیا۔ مگر طلبہ کی عقیدت سے بھری ہوئی آواز صدا بصحرا ہو کر رہ گئی۔ آخرکار اُنہوں نے ہڑتال کر دی۔ اب شہر کی آبادی دو گروہوں میں تقسیم ہونے لگی۔ ہندو۔ سکھ اور عیسائیوں نے پرنسپل کی حمایت شروع کر دی۔ اور جب اس واقعہ کی خبر مجاہدِ کبیر حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ کو ہوئی۔

تو آپ فوراً میدانِ عمل میں کود پڑے۔ اور طلباء کی حمایت کا ببانگ دہل اعلان کر دیا۔
علامہ اقبال مرحوم نے بھی طالب علموں کی پورے زور سے پشت پناہی فرمائی۔ اُس وقت کے اقتضا کے مطابق ایک کمیٹی کی تشکیل ہوئی۔ اور اس واقعہ نے تمام شہر میں ایک نمایاں تحریک کی صورت اختیار کر لی حضرت مولانا مرحوم اور آپ کے رفقائے کار کی سرگرمیوں سے تمام مسلمانوں میں ایک ہیجان پیدا ہو گیا۔ اُس وقت اگرچہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو گرفتار کیا گیا۔ مگر آپ کی گرفتاری عوام کے جذبات پر جلتی کا کام کر گئی۔ انجام کار بفضلِ ایزد تعالےٰ پرنسپل اور اربابِ حکومت کو اپنی خباثت سے تائب ہونا پڑا۔ طلبہ کو نہایت عزت سے واپس بلایا گیا۔ اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ اور باقی گرفتار شدگان کو رہا کیا گیا۔

تحریکِ مرزائیت

تحریکِ مرزائیت پر قلم اُٹھانے سے پیشتر فرنگی حکومت کی شاطرانہ روش کی طرف چند اشارات کا پیش کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ جنگ پلاسی اور بکسر میں اسلامیانِ ہند کی شکست اور میسور کی چوتھی لڑائی میں سلطان شہید کی مجاہدانہ اور سرفروشانہ کوششوں کا خاک و خون کی نذر ہو کر رہ جانا دراصل غلامی کی ایک پوری تاریک صدی کا پیش خیمہ تھا۔ لارڈ ولزلی کے سفاکانہ عزائم نے خونِ مسلم کی حرارت کو برسوں تک ٹھنڈا کرنے کے لئے سب سڈی ایری سسٹم (Subsidiary System) جاری کیا۔ جس کی رُو سے مسلم اور ہندو حکمران طاقتوں کو یکے بعد دیگرے بے دست و پا کر دیا۔ ۱۸۵۷ء میں زیرِ دام پرندوں کی طرح اہلِ ہند نے آزادیٔ وطن کی ایک ناتمام سی کوشش کی۔ مگر اس جنبش نے جال کے حلقوں کو اور بھی مضبوط کر دیا۔ اور اب فرنگی شکاری ہمیشہ کے لئے چوکنا ہو کر سوچنے لگا۔ کہ آئندہ

اسیرانِ قفس کو غلامی کی ذلّت کے احساس سے کسی نہ کسی طرح محروم کر دیا جاتے۔ اُس نے قفس کی تیلیاں طلائی اور نقرئی تیار کیں۔ اور سمندر پار سے پھولوں کے گلدستے لاکر پنجروں کے ارد گرد ڈھیر لگا دیئے۔ وُہ پرندے جن کو کئی دنوں سے ایک حبّہ بھی نصیب نہیں ہُوا تھا۔ وہ شکاری کے رحم و کرم پر اپنی اسیری کے دن بسر کرنے لگے اس پُرفن سامریِ وقت نے جذبۂ آزادی کو ختم کرنے کے لئے اہلِ قفس پر ایک خاص انداز میں داد و دہش کی بارش شروع کر دی۔ اِس موقعہ پر نبّاضِ اقوام علّامہ اقبالؒ اہلِ ہند کو انگریزوں کی پُرفریب چال سے آنسو بہا بہا کر آگاہ فرمانے لگے۔

آ بتاؤں تجھ کو رمزِ آیۂ اِنَّ الْمُلُوْکَ
سلطنت اقوامِ غالب کی ہے اِک جادوگری
خواب سے بیدار ہوتا ہے۔ ذرا محکوم اگر
پھر سُلا دیتی ہے اُس کو حکمراں کی ساحری
جادوئے محمود کی تاثیر سے چشمِ ایّاز
دیکھتی ہے۔ حلقۂ گردن میں سازِ دلبری
دیوِ استبداد ہے نیلی قبا میں پائے کوب
تُو سمجھتا ہے۔ یہ آزادی کی ہے نیلم پری
مجلسِ آئین و اصلاح و رعایات و حقوق
طبِ مغرب میں مزے میٹھے۔ اثر خواب آوری
اِس سرابِ رنگ و بُو کو گلستاں سمجھا ہے تُو
آہ۔ اے ناداں قفس کو آشیاں سمجھا ہے تُو

انگریز محکوم ہندوستانیوں کو ظاہراً مراعات دے رہے تھے لیکن حقیقت میں اُن کے رگ و پے سے جذبۂ حمیّت اور احساسِ حریّت نکال رہے تھے۔ ہندوؤں

کو تعلیم اور اعلیٰ ملازمتوں کی تھپکیوں سے سُلا کر مسلمانوں کی تاک میں بیٹھے ہوئے تھے۔
ان میں انتشار و نفاق پیدا کرنے کے لئے ہر قسم کا حربہ استعمال کیا جا رہا تھا۔ جہاں
باقی ہزاروں فریب کاریوں سے مسلمانوں کی جمعیت میں بگاڑ پیدا کیا گیا۔ وہاں مرزا
غلام احمد قادیانی کے ذریعے نئی نبوّت کا دروازہ بھی کھول دیا گیا۔ ختمِ نبوّت کا
عقیدہ اسلامیانِ عالم کی مرکزیت کا رازدار ہے۔ اور چودہ سو برس سے تمام کلمہ گو
حضرات اس پر متفق ہیں۔ اب اجرائے نبوّت کے اعلان سے ملّتِ بیضا کے دامن کو
پارہ پارہ کرنے کی کوشش کی گئی۔ چونکہ اس نبوّت کو برطانیہ کی حمایت حاصل تھی۔
لہٰذا مسلمانوں کی پوری مخالفت کے باوجود بھی اس جماعت کو ہمیشہ بڑھنے کا ہی
موقعہ ملا۔ مرزا صاحب نے جہاں اپنے نبی۔ مجدّد۔ مسیح موعود۔ کرشن اور اوتار ہونے
کا دعوے کیا وہاں غیر احمدیوں کو سُوروں اور کُتّوں سے بدتر بھی کہا۔ (نجم الہدیٰ صنا مرزا صاحب)

اس نبوّت نے حکومتِ برطانیہ کے استحکام و دوام کی دُعائیں مانگیں۔ جہاد
کو یکسر حرام قرار دیا۔ حالانکہ مسلمانوں کا ابتداء سے یہی عقیدہ چلا آتا ہے۔ کہ جہاد
اسلام اور اسلام جہاد ہے۔ (تریاق القلوب ص۱۵ مصنّفہ مرزا غلام احمد قادیانی)

تمام مسلمانوں نے عموماً اور مجلسِ احرار اسلام نے خصوصاً اس قادیانی نبوّت
کی روک تھام میں ہر قسم کی قربانی پیش کی۔ حضرت مولانا قطب الاقطاب رحمۃ اللہ
علیہ نے ہر موقعہ پر احمدیت کی مخالفت میں جمہور علماء کا ساتھ دیا۔ قید و بند سے
بھی گریز نہ فرمایا۔ ۱۹۵۳ء میں جب آپ تحریک تحفظ ختم نبوّت کے سلسلے میں گرفتار
ہوئے۔ کسی باخبر انسان نے آپ کو لاہور کے اسٹیشن پر ہتھکڑی لگے ہُوئے دیکھا۔
تو بے ساختہ پکار اُٹھا۔ کہ یہ پیرانہ سالی میں جُھکی ہُوئی کمر والے حضرت مولانا احمد علی
تو نہیں ہیں۔ بلکہ عصرِ حاضر کے امام احمد بن حنبلؒ ہیں۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مرزا صاحب کی طرح اپنے مخالفوں کو سب و شتم

سے کبھی یاد نہیں کیا تھا۔ بلکہ نہایت احسن طریق سے اپنی رائے کا اظہار فرمادیا کرتے تھے۔ آپ نے تحریری اور تقریری طور پر حُسنِ مجادلت سے کام لیا۔ اور ہمیشہ دلائل و براہین سے حقانیت کی دعوت دیتے رہے۔

مَودُودِیت

عقل عیّار ہے۔ سو بھیس بنا لیتی ہے
عشق بیچارہ نہ مُلّا ہے نہ زاہد نہ حکیم (اقبال مرحوم)

سرسیّد مرحوم کی زندگی جہاں مغربی تہذیب کی مویدبنی۔ وہاں قرآنِ حکیم کی من گھڑت تاویلوں کے لئے بڑی حد تک راہ صاف کر گئی۔ اب مسلمانوں میں وُہ علّامے پیدا ہونے لگے۔ جنہوں نے اسلام کا مُنہ چڑایا۔ اور عہدِ نبوی اور عہدِ صحابہؓ کو دقیانوسی عہد سمجھا۔ علماء کو اُن کی تاویلوں سے اختلاف تھا۔ ورنہ یونیورسٹی کی تعمیر میں اُن کی نیست بخیر تھی۔

داعیٔ اسلام فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کے ارشادِ گرامی کا مفہوم یوں بھی بیان ہو سکتا ہے۔ کہ سابقہ اُمتوں میں بہتّر بہتّر فرقے بنے۔ اور تمام کے تمام واصلِ جہنّم ہُوئے۔ میری اُمّت کے بہتّر فرقے تو اُسی طرح جہنّم کا ایندھن بنیں گے لیکن ایک جماعت ہوگی۔ جس کو میرا اور میرے صحابہ کبارؓ کا مسلک و مشرب محبوب ہوگا۔ وہ جنّت کی وارث ہوگی۔ اب معلوم ہُوا کہ باقی بہتّر فرقے بھی اپنے مسلمان ہونے کے دعویدار ہوں گے۔

سرزمین ہند میں شیعہ و سُنّی فرقے موجود تھے۔ بعد ازاں مرزائی اور چکڑالوی فرقوں نے جنم لیا۔ اور اب علاّموں کی عام پیداوار کے سلسلے میں مودودیّت اور پرویزیّت کے فرقے بھی منظرِ عام پر آکر اپنی قدر و قیمت کا مطالبہ بڑی بلند آہنگی سے کر رہے ہیں۔

دراصل سیّد ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے کسی گوشۂ عزلت میں بیٹھ کر اسلام

کے تدریجی ادوار پر نظر ڈالی۔ اور ایسی تنقیص و تردید کی نظر ڈالی۔ کہ اسلام کے مجدّد اوّل حضرت عمر بن عبد العزیزؒ سے لے کر ائمۂ اربعہ۔ امام غزالی۔ امامِ ربّانی شاہ ولی اللہ دہلوی۔ سیّد احمد بریلوی اور سیّد اسماعیل شہیدؒ۔ غرضکہ تمام مجتہدین اور مجددین کی پگڑیوں پر ہاتھ ڈالا۔ اپنی کتاب "تجدید و احیائے دین" میں ایسی سحرکاری سے اسلاف کرام کی تعریف و تحسین کی ہے۔ کہ کم فہم انسان پڑھتے پڑھتے محظوظ ہو جاتا ہے۔ لیکن بعد میں ہر عظیم المرتبت شخصیت پر ایسی من گھڑت تاویلوں سے اتہامات تراشے ہیں۔ کہ خدا کی پناہ! حضرت عمر بن عبد العزیزؒ۔ امام غزالیؒ۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سیّد احمد بریلوی مرحوم اور سیّد اسماعیل شہید تو خصوصیت سے اس کتاب کے تمام اوراق میں معتوب و مغضوب نظر آتے ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے۔ کہ اسلامیانِ عالم کی چودہ سو برس کی عقیدت پر ایک نہایت اوچھے ہتھیار سے کاری ضرب لگائی گئی ہے۔ اور اس پر طرّہ یہ ہے۔ کہ تمام مصلحینِ ملّت کو جزوی مجدّد قرار دیا۔ اور ایک مجدّد کامل کا خود ساختہ عنوان بڑی آب و تاب سے پیش کیا ہے۔ جس کو کتاب و سنّت کی تعبیرات سے دُور کا واسطہ بھی نہیں ہے۔ شاید وہ تہذیبِ نوی کا مجددِ کامل جس کی زندگی زہد و ریاضت سے مبرّا اور مولویانہ اور صوفیانہ وضع و قطع سے بے تعلق ہو گی۔ اپنی ذات والا صفات کو یقین کرتے ہیں۔ اور اُدھر باقی حضرات اسلاف کے ناموں کے ساتھ امام۔ حجۃ الاسلام۔ حضرت قدوۃ السالکین کے القاب سے بھی گھبرا اُٹھتے ہیں جبکہ اپنا نام سیّد ابو الاعلیٰ مودودی کے طلسمی القاب سے ایسا مزیّن کیا ہے کہ قدسیانِ قضا و قدر کی گردنیں فرطِ عقیدت سے جھک جائیں۔ تو کچھ عجب نہیں ہے۔ باقی تصانیف میں بھی اسلاف کی تنقیص کا پہلو نمایاں نظر آتا ہے۔ اور بہت سی ایسی عبارات موجود ہیں جن میں جمہور علماء کرام سے نظریاتی اختلاف بھی پایا جاتا ہے۔ المختصر! مجددِ کامل کے نشے میں تمام اکابرِ مذہب و ملّت کو لتاڑنے کی ایک دلفریب پوشیدہ کوشش کی گئی ہے۔

خطبات کے عنوان سے مودودی صاحب کی ایک تصنیف ہے جس میں "عالمگیر اجتماع" کے موضوع پر آپ نے مناسکِ حج پر قلم اُٹھایا ہے۔ مگر وہ کعبہ جس کو پروردگارِ عالم نے اپنا گھر فرمایا ہے۔ جس کو اسلام نے دار الامن کا خطاب دیا ہے۔ اور جس کے متعلق قرآنِ حکیم نے فِیْهِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِیْمَ کا اعلان فرمایا ہے۔ اُس مقدّس جگہ کو مودودی صاحب نے ہندوؤں کے ہردوار اور بنارس سے تشبیہ دی ہے۔ اور وہاں کے فردوسی ماحول کو زمانہ جاہلیت کی یادگار بلکہ بعثتِ نبوی سے پیشتر کے بدترین دَور کی زندہ مثال بتایا ہے۔ (العیاذ باللہ)

خیر! حضرت شیخ التفسیرؒ جن کی زندگی کا نصب العین اپنے دور کے نفوس کی اصلاح تھا۔ نہایت خاموشی کے ساتھ اس اُمّت گیر فتنے کا مطالعہ کرتے رہے۔ اور آخر کار آپ نے اس کی تردید و اصلاح کے لئے اقدام فرمایا۔ اگرچہ جماعت اسلامی میں بزعمِ خود چند ادیب و صحافی موجود ہیں۔ مگر بفضلِ ایزد متعال حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی صدائے حق کو ہر جگہ غلبہ و استیلا حاصل رہا۔ خاص و عام کو مودودی صاحب کے عقائد سے آگاہی ہوئی۔ اور اس طرح سے سادہ لوح مسلمان ایک آئی ہوئی آفت سے بچ گئے۔ حضرت والا مقام نے نوائے پاکستان اخبار اور باقی مناسب جگہوں پر تقاریر کے ذریعے اس تازہ فتنے کی پُر زور تردید فرمائی۔ اور اللہ تعالےٰ نے آپ کو فتح و کامرانی سے نوازا۔

ہزار تعجب سے دیکھا جاتا ہے۔ کہ زمانے کے شام و سحر میں حیران کن حادثات جنم لے رہے ہیں۔ کعبۃ اللہ کی زیارت سے پیشتر کعبۃ اللہ کے ماحول کو بنارس اور ہردوار کا ہم پلّہ بنانے والے مودودی صاحب آج حرم پاک کے لئے شاہی احکام کی تعمیل میں غلاف تیار کروا کر حج کے لئے تشریف لے جا رہے ہیں۔ اور اپنے سفر سے پہلے تمام مغربی پاکستان میں غلاف کعبہ کی نمائش کا ایک ساحرانہ مظاہرہ

ہو رہا ہے۔ حالانکہ بہتر تو یہ ہے۔ کہ پہلے بیچارے کعبۃ اللہ کو ہردوار اور بنارس کے ہندووانہ اور مشرکانہ اثرات سے پاک کرتے اور پھر اُس کی پاکیزگی کا تمام دُنیا میں اعلان کرواتے۔ اور بعد ازاں کعبہ شریف کو غلاف کے قابل سمجھتے۔ مگر دروغ گو را حافظہ نباشد! والا معاملہ ہُوا۔ کاش! تہذیبِ حاضر کا یہ علمی دیوتا خدا تعالیٰ سے ڈرتا۔ اور ارشاد نبوی پر غور کرتا۔ کَفٰی بِالْمَرْءِ کَذِبًا اَنْ یُّحَدِّثَ بِکُلِّ مَا سَمِعَ (مسلم) ترجمہ (انسان کے جھوٹا ہونے کے لئے یہی کافی ہے۔ کہ جو کچھ سُنے بلا تحقیق کہتا پھرے) مودودی صاحب حج کرنے سے پہلے ہی فرماتے تھے کہ لوگ وہاں بڑے ذوق و شوق سے جاتے ہیں۔ اور جب واپس آتے ہیں۔ تو اُن کی عقیدت پاش پاش ہو جاتی ہے۔ ہم تو حیران ہیں۔ کہ سُنی سُنائی بات پر کعبۃ اللہ کی تنقیص سے بھی باز نہ رہ سکے۔

خدا تعالیٰ کا لاکھ شکر ہے کہ حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ نے زمانے کے اسلامی تقاضے کو پُورا کیا۔ مگر مودودی صاحب کے تقدّس کی پروا نہ کی۔

پرویزیت

اسلام میں فتنوں کا آغاز کب سے ہُوا؟ اُن کی تدریجی زندگی اور اُن کے اسباب و علل کیا ہیں؟ اور اُن سے کون لوگ اور کس حد تک متاثر ہُوتے؟ یہ اور اس قسم کے باقی سوالات پر سرسری نظر ڈالنے کے لئے بھی ہزاروں صفحات کی وسعت درکار ہے نصّ قرآنی سے ثابت ہے۔ کہ ابلیس رجیم لَاُغْوِیَنَّھُمْ اَجْمَعِیْنَ پر ڈٹا ہوا ہے۔ اور اُدھر قرآنِ عزیز نے بھی فتنہ بازوں کی قلعی کھول کر رکھ دی ہے۔ ارشادِ خداوندی ملاحظہ ہو۔

ھُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ مِنْہُ اٰیٰتٌ مُّحْکَمٰتٌ ھُنَّ اُمُّ الْکِتٰبِ وَاُخَرُ

مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ ۚؐ وَ مَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ ۘؔ وَ الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَ مَا یَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝

(سورہ آل عمران پارہ ۳ رکوع ۱)

ترجمہ (وہی اللہ تعالیٰ ہے جس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی ہے۔ اس میں بعض آیات واضح المعانی ہیں۔ وہی آیات دراصل کتاب اللہ کے بنیادی پتھر ہیں۔ اور دوسری آیات وہ ہیں جن کے معانی معلوم و متعیّن نہیں۔ اب جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے۔ وہ متشابہات کی پیروی کرتے ہیں۔ اُن کی غرض و غایت گمراہی اور فتنہ پھیلانا ہوتی ہے۔ اور ساتھ ہی وہ تاویل کی تلاش کرتے ہیں۔ حالانکہ اُن آیات کی تاویل کوئی نہیں کرسکتا۔ سوائے باری تعالیٰ کے۔ اور وہ لوگ جو علم میں پختہ کار ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم اس کتاب منزّل من اللہ پر ایمان لاتے ہیں۔ اور اس کی ہر جزو ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے۔ اور سمجھانے سے وُہی سمجھتے ہیں جن کو حق تعالیٰ نے عقلِ سلیم عطا فرما رکھی ہو)

آیاتِ محولہ بالا سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہے۔ کہ تمام فتنہ جُو علماء (علماءِ سُوء) گمراہی پھیلانے کے لئے من گھڑت تاویلات کا سہارا لیتے ہیں حالانکہ احکامِ خداوندی کا انحصار آیاتِ محکمات پر ہوتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ارشادِ نبوی بھی ملاحظہ ہو۔ مَنْ اَطَاعَنِیْ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۔ وَمَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ عَصَی اللّٰهَ ۔ (مسلم) جس نے میری اطاعت کی۔ اُس نے حقیقۃً اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔ اور جس نے میری نافرمانی کی اُس نے یقیناً خدا تعالیٰ کی نافرمانی کی)

لہٰذا وہ لوگ جو دینِ حق کے متلاشی ہیں۔ کتاب و سُنّت کے اِتّباع میں اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کرتے ہیں۔ وہ احادیثِ نبوی کو کتاب اللہ کی تشریح و توضیح یقین کرتے

ہیں۔ اور اسلاف کرام سے یہی مذہب چلا آتا ہے۔ مگر سابقہ ہزاروں فتنہ پرور علماء کی طرح اب سے کچھ عرصہ پیشتر عبداللہ چکڑالوی کے دل میں شیطان نے یہ وسوسہ ڈالا کہ " احادیث مقدسہ کا سلسلہ (نعوذ باللہ من ذالک) سراسر بے بنیاد ہے۔ دین کو اگر صحیح معنوں میں سمجھنا ہو۔ تو صرف قرآن مجید کافی ہے۔ قرآن مجید کی مجمل آیات کی تشریح مفصل آیات کر دیتی ہیں۔ لہٰذا احادیث کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔" اس منکر حدیث بدنصیب انسان کے چیلے چانٹوں نے اس معاملے کو یہاں تک طول دیا۔ کہ غلام جیلانی برق نے دو قرآن کے بعد دو اسلام ایک کتاب لکھی۔ جس میں احادیث مقدسہ۔ سلسلہ روایت و درایت اور ثقہ رواۃ پر وہ سوقیانہ حملے کئے۔ کہ خدا کی پناہ! امام بخاریؒ (جن کی وفات پر کسی بزرگ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت تیزی سے کہیں جاتے دیکھا۔ تو عرض کیا۔ حضورؐ! آپ اتنی جلدی کدھر تشریف لے جا رہے ہیں۔ تو آپ نے جواب میں فرمایا۔ کہ امام زماں فوت ہو گیا ہے۔ اُس کے جنازے کے لئے جا رہا ہوں) جیسے عظیم المرتبت امام فن کو لغو اور بازاری آدمی کا مقام دیا ہے۔ موضوعات کی آڑ میں متواتر اور صحیح احادیث پر پوری شقاوت سے پھبتیاں کہی ہیں۔ اور آج کل غلام احمد پرویز (پرویز کے نام سے ہی انکار حدیث بلکہ انکارِ رسالت کا واقعہ سامنے آ جاتا ہے) نے اسی نابکار سلسلے کی تائید میں اپنے ادیبانہ انداز میں انکارِ حدیث کے فتنے کو اس قدر ہوا دے رکھی ہے کہ تمام مسلمانانِ پاکستان کی جان کے لالے پڑ گئے ہیں۔ علماء کرام نے اس فتنے کا ہر جگہ بڑی شدّ و مد سے مقابلہ کیا۔ اسی ضمن میں دیال سنگھ کالج واقعہ نسبت روڈ لاہور میں حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ کے وصال سے تقریباً ۲۲ دن پہلے ایک جلسہ منعقد ہوا۔ جس میں لاہور اور مضافات کے صاحبِ علم و فضل کو تقاریر کے لئے مدعو کیا گیا۔ ہر بزرگ نے اپنی علمی استعداد کے مطابق سُنّتِ نبویؐ کی اہمیّت پر روشنی ڈالی۔ اور منکرینِ حدیث کی معاندانہ روش پر

کتاب و سُنّت سے دلائل پیش کئے۔ حسنِ اتفاق سے اس جلسے کی صدارت کے فرائض سیّد العلماء امام الاتقیا حضرت شیخ التفسیر علیہ رحمۃ سرانجام دے رہے تھے۔ جلسے کے اختتام پر اپنی جگہ سے اُٹھے اور نہایت مرسلانہ بے خوفی سے فرمانے لگے۔ کہ "منکرِ حدیث منکرِ قرآن ہے۔ اور منکرِ قرآن خارج از اسلام ہے۔" یہ آواز اگرچہ سابقہ تقاریر کا حاصل تھی۔ لیکن زبان حضرت قطب الاقطاب کی تھی۔ تمام مجمع کے قلوب میں اس مختصر مگر جامع صوتِ ہادی نے وہ تاثیر پیدا کی۔ کہ تمام مغربی پاکستان میں حضرتِ اقدس کے الفاظ زبانِ زدِ خاص و عام ہو گئے۔ اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی وفاتِ حسرت آثار کے چند دن بعد لاہور کے گلی کوچوں میں آدم قد اشتہار چسپاں نظر آتے۔ کہ "غلام احمد پرویز بفتوائے حضرتِ شیخ التفسیرؒ خارج از اسلام ہے۔"

اللہ! اللہ! باطل نے جہاں کہیں بھی سر اُٹھایا۔ حضرت رحمۃ اللہ نے وہاں ہی اُس کو دبانے کی پُوری کوشش کی۔ آپ کا وجودِ مسعود شریعت مصطفوی کا محافظ تھا۔ اور آپ کی رُوحِ پاک ہر وقت قوم کے نوجوانوں کو پیغام دیتی رہتی تھی۔

عزّتِ ملّتِ بیضا کی حفاظت کے لئے
دوش پر لاکھ بھی سر ہوں تو کٹاتے جاؤ (ظفر علی مرحوم)

اگرچہ ہمارا ارادہ ہے کہ حضرت کی کرامات کا تذکرہ اسی کتاب کی جلد دوم میں بفضلِ خدا تعالےٰ کیا جائے گا۔ مگر اس جگہ پر اس تاریخی واقعہ کا بیان کرنا ازبسکہ ضروری ہے۔

اگلے دن اخبارات میں پڑھا گیا۔ اور پھر موقر جریدہ ہفت روزہ خُدّام الدین میں اخبارات کے اقتباسات دیکھے گئے۔ کہ چند سرپھروں نے غلام احمد پرویز کو دیال سنگھ کالج میں کسی موضوع پر تقریر کے لئے مدعو کیا۔ اس سازش کی خبر جب باقی طلبہ حق پرست کو ہوئی تو انھوں نے سخت احتجاج کیا۔ کہ جس کالج کو حضرت

شیخ التفسیرؒ کے قدوم میمنت لزوم کی آمد سعید نے شرف و مجد عطا کیا ہو۔ وہاں پرویز جیسا منکرِ حدیث قدم نہیں رکھ سکتا۔ لہٰذا تائیدِ ایزدی سے احتجاج کنندگان اپنے مقصد میں کامیاب رہے۔ الحمد للہ علیٰ ذالک! یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دروازے کے غلاموں کی فتح ہے۔ جو قیامت تک مہرِ عالمتاب کی طرح ضوفشانی کرتی رہے گی۔

ہفت روزہ خدّام الدین

مسیح الاُمّت حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ کہ انجمن خدّام الدین نے ہفت روزہ خدّام الدین کو جاری کر کے اشاعتِ دین کے سلسلے میں نہایت احسن اقدام کیا ہے۔ اور اس انجمن سے اللہ تعالیٰ نے اس رسالے کا اجرا کروا کر وہ مہتم بالشان کام لیا ہے۔ جو اس سے پیشتر کبھی نہیں لیا تھا حقیقت یہ ہے۔ کہ حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ کی یہ دیرینہ خواہش تھی۔ جس کو پروردگارِ عالم نے آخری عمر میں پُورا فرمایا۔ اور اب کم از کم ایک لاکھ افراد کو روزانہ اس جریدۂ ارشاد سے متمتع ہونے کا موقعہ میسّر آتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کے تمام اوقات اس ہفت روزہ کی تیاری کے لئے وقف ہو کر رہ گئے تھے۔ خالقِ دوجہاں نے آپ کے مخلصانہ عزائم کو جہاں آپ کی سعادتِ دارین کا ذریعہ بنا رکھا تھا۔ وہاں آپ کے حلقہ بگوشوں کے لئے بھی یہ نعمتِ ہدایت و نجات کا باعث بنی ہوئی تھی۔

اگرچہ یہ مُوقر جریدہ اپنی صوری حیثیت سے پاکستان کے باقی جرائد و رسائل کا لگّا نہ کھا سکتا تھا۔ مگر اس کی معنوی حیثیت تمام ملک میں اپنی نظیر نہیں رکھتی تھی۔ اس کو امرِ تکوینی کہہ لیجئے یا دورِ حاضرہ کی شقاوت! ہم تو پاکستان کے جن حصّے میں آباد ہیں۔ اُس کے متعلق پُورے وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ اس حصّے کے ہر شہر

ہر قصبہ اور قریہ قریہ میں اختلافی مسائل نے عام مسلمانوں کی نمازیں جنازے۔
معاشرتی معاملات بلکہ قبرستانوں اور مساجد کو بھی جُدا جُدا کر دیا ہے۔ علماءِ سُو جب تک
اپنے محلّے یا شہر والوں میں جُوتی پیزار نہیں کروا لیتے چین سے نہیں بیٹھتے۔ ع

دینِ مُلّا فی سبیل اللہ فساد

والا معاملہ بنا ہُوا ہے۔ اور اس مناقشانہ اندازِ حیات کا نتیجہ یہ ہے ؎

اُٹھا مَیں مدرسہ و خانقاہ سے غمناک
نہ زندگی نہ مُحبّت نہ معرفت نہ نگاہ — اقبال مرحوم

لیکن خُدائے قدوس کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ کہ اس گئے گزرے زمانے میں حضرت
شیخ التفسیرؒ کو منعمِ حقیقی نے وُہ وسعتِ قلبی عطا فرما رکھی تھی جس کو تعصّب اور بے جا مراعات
سے کوئی تعلق نہ تھا۔ آپ ہادیٔ زماں بن کر کتاب و سُنّت کی خدمات میں شبانہ روز
منہمک رہتے تھے۔ بلا امتیاز مذہب و مِلّت آپ ہر انسان سے مروت و رافت سے
پیش آتے تھے۔ آپ صراطِ مستقیم پر قائم تھے۔ اور اُسی منہاجِ نبوّت کی وضاحت
فرماتے رہتے تھے۔ علماءِ سُو کی طرح مخالف فرقوں پر حملے کرنا آپ کی وجاہت و
ثقاہت کے کُلّیۃً خلاف تھا۔ آپ نے ہمیشہ اپنے سچے مسلک کی تبلیغ فرمائی۔ اور سیدھی
راہ پر چلتے رہے۔ مخالف راہوں پر چلنے والوں کے کبھی بھی پیچھے نہ پڑتے تھے۔ کیونکہ
یہ بھی کجروی کے مترادف ہے۔ لہٰذا آپ کی سرپرستی میں جب تک رسالہ جاری رہا
اس کی خریداری میں مغربی پاکستان کے تمام مذہبی فرقوں نے حصّہ لیا۔ مملکتِ خُداداد
کے تمام بڑے بڑے شہروں اور بیرونِ مُلک لندن۔ مغربی جرمنی۔ امریکہ۔ الجزائر۔
کویت۔ مکّہ مُعظّمہ اور مدینہ منوّرہ میں اس مرسلانہ آواز پر لبّیک کہنے والے موجود تھے۔
حقیقت یہ تھی کہ یہ شجرِ طیّبہ اپنی وسعتوں اور رفعتوں میں مَثَلُ کَلِمَۃٍ طَیِّبَۃٍ کَشَجَرَۃٍ
طَیِّبَۃٍ اَصْلُہَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُہَا فِی السَّمَآءِ کا مصداق بن رہا تھا۔ ہم تو یہ کہتے ہُوئے

بھی باک نہیں رکھتے۔ کہ پروردگار عالم نے حضرت والا صفات کی حیات مرضیہ کے انوار کو تمام عالم اسلام میں چمکنے کا موقعہ مرحمت فرمایا۔ اور اس مقبول خاص و عام رسالے کے ذریعے آپ کی محبت کو خلق خدا میں عام کر کے اور تقریباً سات سال تک آپ کے مجددانہ مسلک کی سلامت روی کا خاص و عام کو گرویدہ بنا کر اس دور فتن میں دین حنیف کی ایک لازوال حجت قائم کر دی ہے۔ کہ اسلام کا مہر درخشاں اپنی پوری تابانیوں سے تا قیامت مستقبل کے تمام ادوار میں چمکتا رہے گا۔ اس رسالے میں نہ تو کوئی دور حاضرہ کی فوٹو گرافی کے مظاہرے ہوتے ہیں۔ اور نہ ہی بڑے بڑے ادباء و شعراء کا کلام ہوتا ہے۔ مگر مندرجہ ذیل شعر اس کی قبولیت کی غمازی کر رہا ہے۔

نہ بادہ ہے۔ نہ صراحی۔ نہ دور پیمانہ
فقط نگاہ سے رنگیں ہے بزم جانانہ

ہم انشاء اللہ تعالیٰ اس کتاب کے دوسرے حصّے میں حضرت والا جاہ کی تبلیغی سرگرمیوں کے ذکر خیر میں اس رسالے کے اُن اصلاحی و روحانی فیوضات کو واقعات کی روشنی میں پیش کریں گے۔ جو اس مبارک صحیفہ ہدایت کے نفاذ سے تعلق رکھتے تھے۔

الحمد للہ تعالیٰ مرشد عالم۔ پیشوائے رُوحانیاں کا یہ جلایا ہُوا روشن چراغ تعصب کی آندھیوں کے باوجود اب تک تمام اطراف مُلک اور بیرون مُلک کتاب و سُنّت کی ضیا پاشیاں کر رہا ہے۔ اور انشاء اللہ العزیز مستقبل میں بھی اس چراغ ایزد افروز سے رشد و ہدایت کی شعاعیں نکلتی ہی رہیں گی۔ ؎

حقیقت ابدی ہے مقام شبّیری
بدلتے رہتے ہیں انداز کوفی و شامی

اس موقعہ پر احقر اپنی ایک نظم بھی حوالہ قلم کرتا ہے۔ جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی

مبارک زندگی میں لکھ کر آپ کے سامنے تصحیح کے لئے پیش کی گئی۔ چونکہ ہر بند میں
حضرت کی تعریف کا پہلو نکلتا تھا۔ لہٰذا آپ نے اُن الفاظ کو چُن چن کر کاٹ دیا۔ حضرت
کی عارفانہ کرمفرمائیوں کا یہ بھی ایک بڑا ثبوت ہے۔ کہ احقر نے چند منٹوں میں تمام
مجروح نظم کو آپ کی ہدایت کے مطابق ٹھیک کر کے اُسی محفل میں دوبارہ پیش کر دیا
اس دفعہ بھی آپ کی ناقدانہ نگاہوں میں ایک لفظ آگیا۔ جس کو آپ نے قلم زد کر دیا۔
کمترین نے اس کو بھی تبدیل کر کے آخری دفعہ پیش کیا۔ اور آخر کار اشاعت کی
اجازت مل گئی۔

نظم

ہفت روزہ خدام الدین

رہنمائے دینِ قیمؔ۔ ہادیِ پیر و جواں ناشرِ حکمت۔ علومِ باطنی کا ترجماں
اس گئے گزرے زمانے میں ہدایت کا نشاں کیوں نہ ہو۔ اسرارِ قرآنی کا ہے یہ راز داں

سونے والوں کے لئے پیغام بیداری ہے یہ
جاگنے والوں کے حق میں کیف و سرشاری ہے یہ

کتنی احسن خدمتِ اسلام کی تدبیر ہے دیکھئے خطبہ عجب قرآن کی تفسیر ہے
اس کے ہر مفہوم میں ایمان کی تنویر ہے یہ حدیثِ سیدِ الکونین کی تعبیر ہے

طالبِ حق کے لئے پیغامِ نورانی ہے یہ
درسِ فرقانی ہے۔ یہ۔ اور ذکرِ سُبحانی ہے یہ

ذکر کی مجلس ہے۔ یا آثارِ رحمت کا ظہور ذاکر و شاغل کے حق میں دولتِ کیف و سرور
کشف کی دُنیا۔ وہ ارشادات میں پیغامِ نور قلبِ مردہ کے لئے۔ ہر بات ہے۔ آوازِ صور

ہادیٔ راہِ طریقت کا حکیمانہ بیان
تشنہ کاموں کے لئے دریائے رحمت ہے رواں

"ہفت روزہ" ملّتِ اسلام کا شاہکار ہے
"ہفت روزہ" دینِ مرسل کا علمبردار ہے
چشمِ بینا کے لئے یہ مطلعِ انوار ہے
ظلمتِ باطل سے ہر دم برسرِ پیکار ہے

سرمدی دولت کا حامل۔ داعیٔ راہِ یقیں
مشعلِ نورِ ہدایت۔ قاسمِ دینِ متیں!

یا الٰہی اس مجلّہ کی اشاعت عام ہو
اس کی برکت سے زمانے میں سعادت عام ہو
خادمِ ملّت ہے۔ یہ اس کی سیادت عام ہو
قائدِ مذہب ہے۔ یہ اس کی قیادت عام ہو

درحقیقت یہ نوشتہ ہے۔ ترا لطفِ عمیم
ہم سمجھتے ہیں۔ اسے گلہائے جنّت کی شمیم

وفات حسرت آیات

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ (سورہ الرحمٰن پارہ ۲۷)

حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ کی مبارک زندگی کی چھہتر بہاریں اپنی قدسی وملکوتی فضاؤں سے ہمکنار ہو کر ختم ہوئیں۔ اور یکم رمضان ۱۳۸۱ھ سے آخری بہار تتمۂ حیات بن کر آئی۔ اور پوری صدی کے فیوض وبرکات کی تمام وسعتوں کو اپنے دامن میں لپیٹ کر ۱۷ رمضان المبارک کو چلتی بنی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن! حضرت شیخ المشائخ کے اس سانحۂ ارتحال سے لاکھوں قلوب مجروح ہوئے۔ اور بڑے بڑے صبر واستقلال والے یتیموں کی طرح آنسو بہاتے اور آہیں بھرتے ہوئے دیکھے گئے۔ وہ قیامت خیز لمحات بار بار دل کو آتشِ غم سے جلاتے ہیں۔ جب احقر بھالیکے ریلوے اسٹیشن سے آنسو بہاتا ہُوا حضرت کے ولایت کدہ تک پہنچا۔ مگر جب آپ کے ملک شمائل چہرے

پر نظر ڈالی تو کمترین پر ایک سکتہ سا طاری ہو گیا۔ آنسو خشک ہو چکے تھے۔ حیرت زدہ نگاہیں حضرت اقدس کے نورانی چہرے پر تھیں۔ اور دل عالم محسوسات سے کسی باہر کی دُنیا میں معلوم ہوتا تھا۔ مگر چند منٹوں کے بعد قلب کا احساس واپس ہُوا۔ آنسو اُمڈ آئے۔ اور دل کی بربادی کی ترجمانی کرنے لگے۔ اتنے میں فیصلہ ہُوا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو اُٹھا کر دروازے سے باہر بازار میں لے جایا جائے۔ خدائے ذوالمنن کا ہزار ہزار شکر ہے کہ مجھ احقرالانام کو اُس امام الاتقیاء کے فرقِ اقدس کے نیچے اپنے گنہگار ہاتھوں کا سہارا دینے کی سعادت نصیب ہُوئی۔ جن کا مثیل شاید ساری اُمت میں بھی نہ ہو۔ صحن سے گلی تک تقریباً سات قدم کا فاصلہ ہے۔ جو لاکھوں مجروح احساسات سے طے کیا گیا۔ اُس دن میری رُوح پر کسی عاشق صادق کے اُس لطیف احساس کا راز افشا ہُوا۔ جس کو اُس نے مندرجہ ذیل شعر میں پیش کیا ہے۔ ؎

ساربان آہستہ راں۔ کآں رامِ جاں در محمل است
اُشتراں را بار بر پشت است و مارا بر دل است

آہ! اُن لمحات میں خونچکاں داستانیں بھری ہوئی تھیں۔ وا مصیبتا! وہ جانکاہ ساعت ہمیشہ یاد رہے گی۔ اُس وقت بیکس زائرین اپنے رُوحانی باپ کا آخری دیدار اشک آگیں نگاہوں سے کر رہے تھے۔ کسی کو چارپائی کے پاس کھڑے ہونے کی اجازت نہ تھی۔ منتظمین میں سے ایک نے کہا۔ کہ اہلِ خانہ کے سوا یہاں کوئی بھی کھڑا نہ ہو۔ احقر یہ آواز سُن کر اپنے بچے امین الدین کا بازو پکڑ کر سامنے والے دروازے کے ساتھ پشت لگا کر کھڑا ہو گیا۔ اندیشہ تھا کہ کہیں ہم کو کوئی اس جگہ سے پرے نہ ہٹا دے۔ اُس وقت ایک لمحے کے لئے خیال آیا۔ کہ آخر بفضل ایزد تعالےٰ کمترین بھی کسی خفیف سی نسبت سے حضرتِ اعلیٰ کے اقربا میں شامل ہے۔ مگر اُس وقت حضرت زینب خواہر امام حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے الفاظ یاد آتے۔ جو آپ نے اپنے کمسن صاحبزادوں عون اور محمد کو میدانِ کربلا

میں رُخصت کرتے وقت فرماتے تھے۔ کہ "بیٹا اگر تم سے کوئی پوچھے۔ کہ تم کون ہو۔ تو ہرگز نہ کہنا۔ کہ ہم امام حسینؑ کے بھانجے ہیں۔ بلکہ کہنا کہ ہم امام صاحب کے غلام ہیں۔

خیر! مسجد لالہ سبحان خاں کے دروازے سے لے کر حضرت اقدس کے دروازے تک زائرین کا ایک ہجوم تھا۔ اور نماز ظہر کے بعد جنازہ اُٹھایا گیا۔ جنازے کے ساتھ ہر قسم اور ہر فرقے کے لوگ تھے۔ حُفّاظ۔ علماء۔ وُکلاء۔ عوام۔ حُکّام۔ فُقراء۔ اولیاء کرام اپنے اور بیگانے غرضکہ مغربی پاکستان کے مختلف شہروں اور دیہاتوں سے جس قدر عقیدتمند حاضر ہو سکتے تھے حاضر ہوئے۔ جس کی تعداد لاہور کے باخبر حلقوں نے لاکھوں تک بتائی ہے۔ مگر اس مقام پر احقر ایک صاحب کا ضرور ذکر کرے گا۔ جن کو پیشتر ازیں کبھی نہیں دیکھا گیا تھا۔ مگر اُس دن وہ شخص اس امام ربّانی کے جنازے کا اہتمام ہزار جان سے کروا رہے تھے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہُوا۔ کہ یہ لاہور کے ڈی۔ایس۔پی جناب شیخ ابرار احمد صاحب تھے۔ جن کی حُسنِ کارکردگی کی جس قدر تعریف و تحسین کی جائے کم ہے۔ احقر اتنا کہنے کی ضرور جسارت کرتا ہے کہ اُنھوں نے اس مقدس فریضہ کی ادائیگی کے صلے میں اپنے تمام سابقہ گناہوں کا کفّارہ بفضلِ ایزد کروالیا ہو۔ تو کچھ عجب نہیں۔ ع

طے شود جادہ صد سالہ بآہے گاہے

پروردگارِ عالم کی قسم! یوں معلوم ہوتا تھا کہ یہ کوئی رجال الغیب میں سے ہیں۔ جو آج ہدایت خداوند تعالےٰ کے مطابق اس امامِ زماں کی آخری خدمت پر مامور ہیں۔ اور کمترین کو اُس خوش نصیب نوجوان سے اس قدر عقیدت ہوگئی ہے کہ اُن کے حسین چہرے کے خد و خال احقر کے حافظے میں ہمیشہ محفوظ رہیں گے۔

احقر اس وقت حضرت والاجاہ کے جنازے کی تفصیل پیش کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا ہے۔ کیونکہ ابھی کل کی بات ہے کہ لاکھوں انسانوں نے اُس مردِ حق آگاہ کے جنازے کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اللہ! اللہ! انسانی نفوس کے اس تلاطم کی سوگواری

میں مؤکلینِ ارض و سما کی شرکت معلوم ہوتی تھی۔ میانی صاحب کے مبارک قبرستان تک جنازے کی فضاؤں میں لَا يَرَوْنَ فِيهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيرًا۔ (لوگ وہاں نہ دھوپ دیکھتے ہیں۔ اور نہ ہی سردی کی شدت محسوس کرتے ہیں) کا مقدس سماں نظر آتا تھا۔ چند دفعہ ہوا نے سرد آہیں بھریں۔ اور اسی طرح بادل نے عقیدت کے آنسو بہائے۔ مگر جنازے کے اہتمام میں قدرت کے یہ خدام ممد و معاون ثابت ہوئے۔ بازار انسانوں کے سروں سے سیلِ رواں بنے ہوئے تھے۔ اور چھتوں اور منڈیروں پر بے شمار مرد و زن اپنے ام القریٰ کے ہادی کے آخری دیدار کے لیے جمع ہو گئے تھے۔ یونیورسٹی گراؤنڈ کی پنہائیاں اس وقت تنگ معلوم ہوتی تھیں۔ جب اسلامیانِ پاکستان نے اپنے روحانی باپ کے وجودِ مسعود کو وہاں جا کر رکھا۔ صفیں سیدھی ہوئیں۔ آواز آئی کہ مغربی پاکستان کے اکثر علماء حاضر ہو چکے ہیں۔ اور اُن سب کا فیصلہ ہے کہ حضرت مولانا عبید اللہ انور صاحب نمازِ جنازہ پڑھائیں۔ جنازہ پڑھایا گیا اور میانی صاحب تک لے جایا گیا۔ المختصر! سیدنا و مخدومنا کا جسدِ اطہر غروبِ آفتاب کے فوراً بعد لاہور کے اس جنت نشان قبرستان میں سپردِ خاک کیا گیا۔ اگرچہ ظاہری آنکھیں بند تھیں۔ مگر شہیدِ قرآن حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ کا دل تجلیاتِ الٰہی سے سرشار تھا۔ ؎

نگاہ ایک تجلی سے ہے۔ اگر محروم
دو صد ہزار تجلی تلافیٔ مافات

ہائے وہ چہرۂ انور جس پر نَضْرَةَ النَّعِيمِ کی جھلکیں نظر آ رہی تھیں۔ آج ہماری نگاہوں سے ہمیشہ کے لئے چھپ گیا۔ مگر یقیناً ایسے اولیاء کرام بھی وہاں موجود تھے جو گوشِ دل سے یہ دعوتِ حق بھی سُن رہے تھے۔ يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝ فَادْخُلِي فِي عِبَادِي ۝ وَادْخُلِي جَنَّتِي ۝ (سورہ الفجر آخری) (اے روحِ مطمئنہ اپنے پروردگار کے حضور میں اس حالت میں حاضر ہو۔ کہ تو اُس کی راہ میں اپنی متاعِ جان قربان کر چکی ہے۔ اور وہ تیری قربانی کو شرفِ قبولیت عطا کر چکا ہے۔ آ تیرے میرے محبوب بندوں

کی صف میں کھڑے ہو جاتے۔ آیئے میرے مہمان خانے میں ابدالآباد تک آرام کیجئے)۔

حضرات! اولیاء کرام کی قبور کا جائزہ لیتا ہو۔ تو لاہور کے ایک قلندر کی زبان سے حقیقت بھرا کلام سنئے۔ ؎

مقام بندۂ مومن کا ہے ورائے سپہر
زمیں سے تابہ ثریا تمام لات و منات
حریم ذات ہے اُس کا نشیمنِ ابدی!
نہ تیرہ خاک لحد ہے۔ نہ جلوہ گاہِ صفات

خود آگہاں کہ ازیں خاک داں بروں جستند
طلسمِ مہر و سپہر و ستارہ بشکستند

اس موقعہ پر عشق و محبت کے دائمی حقائق پر بھی نظر ڈالتے جایئے!

رُخصتِ محبوب کا مقصد فنا ہوتا اگر!
جوشِ اُلفت بھی دلِ عاشق سے کر جاتا سفر
عشق کچھ محبوب کے مرنے سے مر جاتا نہیں
رُوح میں غم بن کے رہتا ہے مگر جاتا نہیں
ہے۔ بقائے عشق سے پیدا بقا محبوب کی
زندگانی ہے۔ عدم ناآشنا محبوب کی

حقیقت یہ ہے۔ کہ حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ ہم سے جُدا ہو گئے۔ اور لاکھوں عُشاق تڑپ تڑپ کر ہمیشہ کہتے رہیں گے۔ ؎

ہم یتیموں سے بھی ابتر حال ہیں
ہائے ہم پامال ہیں۔ پامال ہیں

کیفیّتِ نزع

حضرت مولانا عبید اللہ انور صاحب فرماتے تھے۔ کہ محترم اباجی گھر سے جمعہ کا تحریری خطبہ لے کر مسجد میں تشریف لے گئے۔ مَیں بھی آپ کے ساتھ تھا۔ مَیں نے حجرے میں آکر عرض کیا کہ مَیں آپ کے لئے پانی گرم کر دوں۔ فرمایا۔ مَیں آج تندرست ہوں خود ہی گرم کر لونگا۔ لہٰذا آپ نے غُسل کا خود ہی انتظام فرمایا۔ گیارہ بجے کے بعد طبیعت خراب ہوگئی۔ تین بجے تک حُجرے میں اور تکلیف بڑھتی گئی۔ اس کے بعد آپ کو گھر لایا گیا۔ مغرب کے بعد قدرے افاقہ معلوم ہُوا۔ ساڑھے آٹھ بجے حالت بالکل ہی دگرگوں ہوگئی۔ حافظ حمید اللہ صاحب کو ڈاکٹر صاحب کے بُلانے کو کہا گیا۔ مَیں اباجی کے ارشاد کے مطابق گھر پر رہا۔ آپ پر سکرات طاری ہوگئے جب ہوش آتا۔ تو فرماتے۔ کہ مولوی انور مَیں نے نماز نہیں پڑھی۔ مَیں مٹی کا ڈھیلا پاس لاتا۔ تو تیمّم فرماتے نماز کی نیّت باندھ لیتے۔ پھر غشی طاری ہو جاتی اور چارپائی پر گر جاتے۔ پھر ہوش آتا تو فرماتے! مَیں نے نماز نہیں پڑھی۔ مَیں پھر تیمّم کرواتا۔ تو نماز کی نیّت باندھ لیتے۔ اب پھر بیہوشی کے عالم میں چارپائی پر لیٹ جاتے۔ اور آگے ہاتھ بڑھاتے۔ جیسے کسی سے مصافحہ کر رہے ہیں۔ چنانچہ اسی محویت میں جانِ عزیز جاں آفریں کے سپرد کر دی۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ!

دو ضروری خواب

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی فوتیدگی کے موقعہ پر مختلف عقیدتمندوں اور باصفا حضرات کو رویائے صادقہ اور الہامات کی صورت میں بعض کیفیاتِ مستقبلہ سے آگاہی بخشی گئی۔ مگر ہم اس موقعہ پر فقط دو خوابوں کے نقل کرنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔ پہلا خواب حافظ حبیب اللہ مہاجر مدنی فرزندِ جلیل حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبِ گرامی سے لفظ بلفظ نقل

کیا جاتا ہے۔ جو اُنہی دنوں میں مؤقر جریدہ ہفت روزہ خدّام الدین میں شائع ہوا تھا۔

از مدینہ منوّرہ

مکتوبِ گرامی

۲۲ رمضان المبارک ۱۳۸۱ھ
۲۶ فروری ۱۹۶۲ء یوم الاثنین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد

بہ پیشگاہ علیا حضرۃ مخدومۃ المکرمہ والدہ ماجدہ صاحبہ مدظلہا و برادر عزیز مولوی عبید اللہ انور سلمہٗ و برادر عزیز مولوی حمید اللہ سلمہٗ

سلام مسنون۔ حبیب اللہ از المدینۃ المنوّرہ

دفتر "خدام الدین" لاہور سے فرستادہ برقیہ موصول ہُوا۔ اپنی ناقص استعداد کے مطابق صرف آدھا پڑھ سکا ہوں۔ آدھا نہیں سمجھ سکا۔ بہت تلاش کیا کہ کوئی انگریزی خواندہ اگر مل جائے۔ تو پُورا برقیہ سمجھ سکوں۔ لیکن تادم تحریر نہیں ملا۔ جو سمجھ سکا ہوں اس کا مفہوم یہ ہے کہ "حضرت مولانا احمد علی صاحب کی حرکتِ قلب بند ہونے سے وفات ہو گئی ہے۔"

اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا الیہ راجعون[51]۔ اللّٰھم اجرنی فی مصیبتی۔

العین[52] تدمع والقلب یحزن۔ وما نقول الّا ما یرضیٰ بہ ربنا۔

---

[51] بے شک ہم تو اللہ کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ اے اللہ میری مصیبت میں میرا اجر عطا فرما۔

[52] آنکھ آنسو بہاتی ہے اور دل غمگین ہے۔ اور ہم صرف وہ بات کہیں گے جس سے ہمارا رب راضی ہو۔

صدق اللہ العلی العظیم۔[۵۳] ما اصاب من مصیبۃ فی الارض ولا فی انفسکم الا فی کتاب من قبل ھا ان ذلک علی اللہ یسیر۔ لکیلا تا سوٗ علی ما فاتکم۔ ماشاء اللہ کائن۔

انما اشکو بثی وحزنی الی اللہ۔

اللہ تبارک و تعالےٰ اپنے فضل و کرم سے ہم سب کو اپنے مقبول بندوں میں بنا لے۔

اللہ نے اپنے مقبول بندوں کی یہ علامت ذکر فرمائی ہے۔

[۵۴] ولما رائی المومنون الاحزاب قالوا ھذا ما وعدنا اللہ ورسولہ وصدق اللہ ورسولہ وما زادھم الا ایمانا وتسلیما۔ اللہ تبارک و تعالےٰ کا وعدہ ہے۔

---

۵۳ اللہ تعالےٰ سچا ہے۔ وہ بلند اور بڑا ہے۔ جو کوئی مصیبت زمین پر یا خود تم پر پڑتی ہے وہ اس سے پیشتر کہ ہم اسے پیدا کریں۔ کتاب میں لکھی ہوتی ہے۔ بے شک یہ اللہ کے نزدیک آسان بات ہے۔ تاکہ جو چیز تمہارے ہاتھ سے جاتی رہے اس پر رنج نہ کرو۔ جو اللہ تعالےٰ چاہے وُہ ہو کر رہتا ہے۔ مَیں تو اپنی پریشانی اور غم کا اظہار اللہ ہی کے سامنے کرتا ہوں۔

۵۴ اور جب مومنوں نے فوجوں کو دیکھا۔ تو کہا۔ کہ یہ وُہ ہے۔ جس کا ہم سے اللہ اور اس کے رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم نے وعدہ کیا تھا۔ اور اللہ اور اس کے رسولؐ نے سچ کہا تھا۔ اور اس سے ان کے ایمان اور فرمانبرداری میں ترقی ہوگئی۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۗ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ۝ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۝ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ۝ [۵۵]

اللھم اھدنا فیمن ھدیت وعافنا فیمن عافیت وتولنا فیمن تولیت وبارک لنا فیما اعطیت [۵۶]

حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب مدظلہٗ صاحبزادہ حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ

اللہ تبارک وتعالیٰ کا پہلے سے وعدہ ہے کہ اعزہ واقارب کی وفات کی مصیبت کا صدمہ تم کو دُنیا میں ضرور پہنچے گا۔ جو اس صدمہ پر صبر کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمتیں اور عمومی رحمتیں ان پر نازل ہوں گی۔ اگر صبر کرے گا تو اللہ تبارک وتعالیٰ سے اجر پائے گا۔ اگر بندۂ عاجز صبر نہ کرے تو

---

۵۵ اور ہم تمہیں کچھ خوف اور بھوک اور مالوں جانوں اور پھلوں کے نقصان سے ضرور آزمائینگے اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دو۔ وہ لوگ کہ جب اُنہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے۔ تو کہتے ہیں۔ بے شک ہم تو اللہ کے ہیں۔ اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ یہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے مہربانیاں ہیں اور رحمت اور یہی ہدایت پانے والے ہیں۔

۵۶ اے اللہ جن کو تُو نے ہدایت دی ہے۔ ان میں شامل کرکے ہمیں بھی ہدایت دے اور جن کو تُو نے عافیت دی ہے۔ ان میں شامل کرکے ہمیں بھی عافیت عطا فرما اور ہمارے کاموں کو بنا۔ ان لوگوں میں شامل کرکے جن کے کام تُو نے بنائے اور ہمیں برکت عطا فرما۔ ان لوگوں میں شامل کرکے جن کو تُو نے برکت دی ہے۔

تقدیرالٰہی کے آگے انسان کر بھی کیا سکتا ہے؟ اگر صبر کرے تو انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب[57]۔ بہت ہی بڑی مصیبت پیش آئی۔ لیکن شریعت کی طرف سے بشارت بھی عظمیٰ ہے۔

ان عظم الجزاء مع عظم البلاء۔ جتنی بڑی مصیبت ہوگی اجر بھی اتنا ہی بڑا ملے گا۔
اللہ تبارک اپنے فضل سے ہم سب کو اجر عظیم عطا فرمائے۔ فی الدنیا والآخرۃ۔ آمین۔

مَیں نے خواب میں دیکھا کہ لاہور مسجد لائن بسحان خاں میں گیا ہوں۔ نماز عصر کا وقت ہے۔ لوگ جمع ہو رہے ہیں۔ دن خوب سفید ہے۔ سورج اپنی پوری تابانی پر ہے کہ یکایک سُورج کو گرہن لگا۔ اور سیکنڈوں میں تمام عالم سیاہ و تاریک ہو گیا۔ اندھیرا گھپ اندھیرا سورج غروب ہوتا ہے تو آہستہ آہستہ دن کا نور کم ہوتا ہے۔ اور رات کی تاریکی چھاتی ہے۔ لیکن یہ تو یکایک عالم تاریک ہو گیا۔ بغتۃً فجأۃً۔ یکبارگی دُنیا اندھیر ہو گئی۔ ہاتھ کو ہاتھ سُجھائی نہیں دیتا۔ ایسی سخت تاریکی تھی کہ مجھے خواب میں ہی سخت وحشت و گھبراہٹ ہوئی۔ نہایت ہی قلق و اضطراب میں مَیں اُٹھا۔ خواب کی تعبیر اسی وقت مَیں نے یہ سمجھی۔ کہ اشارہ ہے اعلیحضرت قبلہ ابّا جان کے وصال کی طرف۔ ان للہ ما اخذ ولہٗ ما اعطی وکل شیئ عندہٗ اجلٌ مسمی[58]۔ آخر میں پھر یہ عرض کرتا ہوں۔ انما اشکو بثّی وحزنی الی اللہ[59]۔

---

[57] صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر دیا جائے گا۔

[58] اللہ کے لئے ہے جو اس نے لیا اور اُس کے لئے جو اُس نے دیا۔ اور ہر شئے کی اس کے ہاں ایک مُدّت معیّن ہے۔

[59] مَیں تو اپنی پریشانی اور غم کا اظہار اللہ کے سامنے کرتا ہوں۔ اے رب ہمارے بے شک تُو جانتا ہے جو ہم چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں۔ اور اللہ پر کوئی شئے مخفی نہیں۔ خواہ وہ زمین میں ہو یا آسمان میں۔

ربنا انك تعلم ما نخفی وما نعلن۔ وما یخفی علی اللہ من شیئٍ فی الارض ولا فی السماء۔

ہمشیرہ صاحبہ کو سلام مسنون کے بعد خط بھی سُنا دینا۔ اس مصیبت میں ہم سب برابر کے شریک ہیں۔

سب کو سلام مسنون

والسلام مع الاکرام

دُوسرا خواب

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد احقر کو قصبہ شاہ کوٹ جانے کا اتفاق ہُوا حضرت اقدس شاہ کوٹ میں دو دفعہ تشریف لے گئے تھے۔ وہاں سینکڑوں کی تعداد میں حضرتؒ کے عقیدتمند موجود ہیں۔ نمازِ ظہر کے بعد چند احباب کے حلقے میں مختلف دینی باتیں ہوتی رہیں ضمناً حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ذکرِ خیر بھی آتا رہا۔ ایک صاحب نے حافظ عبدالغنی صاحب کا خواب بیان کیا۔ جو کہ آپ نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کی رات وقت سحور سے پہلے دیکھا تھا۔ خواب کو سُن کر احقر کی طبیعت میں ایک سکون آمیز سرور پیدا ہُوا۔ حاضرین میں سے ایک صاحب کو حافظ موصوف کے بُلانے کے لئے بھیجا گیا۔ حافظ صاحب تشریف لائے تو پہلے اُنھوں نے نماز ظہر پڑھی۔ اور بعد ازاں اپنا خواب دو دفعہ میرے سامنے بیان کیا خواب حسبِ ذیل ہے :-

محترم حافظ عبدالغنی صاحب کا خواب

جمعہ کے دن نماز عشاء کے ساتھ تراویح پڑھی گئیں۔ بعد ازاں مَیں تلاوتِ قرآن مجید میں مشغول رہا۔ خلافِ معمول قدرے دیر سے سویا۔ سحری سے پیشتر بفضلِ ایزدمتعال بیدار ہُوا

تو مندرجہ ذیل خواب اپنی نمایاں کیفیات کے ساتھ میرے قلب و روح کو فرحت و انبساط بخش رہا تھا۔

مَیں نے حضرت والاجاہ کی وفات کی رات خواب میں لاکھوں انسانوں کا ایک مجمع دیکھا۔ مَیں نے ایک بزرگ کی خدمت میں عرض کیا۔ کہ حضرت مجمع کے بیچ میں جو بزرگ کھڑے ہیں۔ اُن کی تعریف کیا ہے؟ ابھی اُس شخص نے جواب نہیں دیا تھا۔ کہ وہ بزرگ جن کے متعلق مَیں نے سوال کیا تھا میرے پاس آکر فرمانے لگے۔ کہ آپ مجھ کو نہیں جانتے ہیں؟ مَیں نے عرض کیا۔ کہ حضور! مَیں آپ کو نہیں جانتا ہوں۔ تب اُنھوں نے فرمایا کہ مَیں اللہ تعالےٰ کا پیغمبر ابراہیمؑ ہوں۔ مَیں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے نہایت ادب سے مصافحہ کیا۔ اور پھر معانقہ بھی کیا۔ بعد ازاں سیّدنا ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا۔ آیئے۔ آپ کو ایک اور پیغمبر کی زیارت بھی کرواتے ہیں۔ آگے گئے۔ تو ایک سفید ریش۔ سفید پوش فرشتہ شمائل بزرگ نظر آئے۔ اُس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ یہ حضرت موسےٰ کلیم اللہ ہیں۔ مَیں نے فرطِ عقیدت سے اُن کے ساتھ بھی مصافحہ کیا۔ اور معانقہ کیا۔ اِس کے بعد سیّدنا خلیل الرحمٰن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ آج ہمارے ایک دوست کی مجلس ہے۔ لہٰذا ہم آج ہزاروں کی تعداد میں آئے ہُوئے ہیں۔

خواب بیان کرنے کے بعد حافظ صاحب فرمانے لگے۔ کہ مَیں نماز فجر کے بعد جب لاری کے اڈّہ پر گیا۔ تو اخبار میں حضرت مولانا احمد علی مرحوم کی وفات کے متعلق پڑھا۔ اُس وقت مجھ کو پُورا یقین ہوگیا۔ کہ میرے خواب کی تعبیر کیا ہے۔ احقر نے یہ ساری داستان سُن کر حافظ صاحب سے عرض کیا۔ کہ کیا آپ حضرت مولانا مرحوم کے مریدوں میں سے ہیں جس کا جواب حافظ صاحب نے نفی میں دیا۔ اور فرمایا۔ اُن کے متعلق میرے دل میں یہ عقیدت ضرور ہے۔ کہ وُہ اتنے عظیم المرتبت بزرگ تھے۔ جس کی تربیت میں اولیائے کرام پرورش پاتے تھے۔

ایک تعزیتی جلسے کی کاروائی

لاہور کے تمام مکاتیبِ فکر سے تعلق رکھنے والے علماء کرام نے گیارہ مارچ ۱۹۶۲ء کو باغ بیرون موچی دروازہ میں ۱۰ بجے صبح زیر صدارت حضرت مولانا عبید اللہ انور صاحب ایک جلسہ منعقد کیا۔ جس میں تمام حضرات نے باری باری حضرتؒ کی رُوحِ پُرفتوح کو خراجِ عقیدت پیش کیا۔ احقر اس موقعہ پر بعض حضرات کے ملفوظات کو ہدیۂ قارئین کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہے۔

حضرت مولانا عبد الحنّان صاحب خطیب جامع مسجد راولپنڈی

"ہم اس مقام پر حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ کے کارناموں کو اجاگر کرنے کے لئے اکٹھے ہوئے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ ہم اپنے بڑوں کے مناقب تو بیان کرتے ہیں مگر عبرت حاصل نہیں کرتے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا وجودِ مسعود جینِ حیات میں بھی عبرت تھا۔ اور اُن کی رُخصت بھی ہمارے لئے دعوتِ عمل ہے۔ یہ خدائے قدوس کی طرف سے نقیب بن کر آئے تھے۔ یہ دعوت الی اللہ دینے والی اور دلوں کو مانج کر صاف کرنے والی ہستی تھی۔ اُن کے ہر فعلِ حیات میں ہمارے لئے درس تھا۔ اللہ! اللہ! لاہور کے سارے قیام میں قرآن حکیم کا نسخہ پیش نظر ہی رہا۔ سترہ روزے رکھے۔ علماء کرام کی جماعت کو درس دیتے رہے۔ اس جمعرات کو بھی درس دیا۔ جب دُنیائے فانی کو الوداع کہا۔ آج وُہ اللہ تعالےٰ کی آغوشِ رحمت میں آرام فرما رہے ہیں۔ ہماری عقیدت اُن کی بارگاہ میں بالکل ناچیز ہے۔ حضرت کے فراق میں یقیناً درسِ قرآن کی جگہ بھی روتی ہے۔ اس رمضان میں پاکستان کو بالعموم اور اسلامی دُنیا کو بالخصوص بڑا صدمہ پہنچا ہے۔ مگر جانا سب کو ہے۔ بعض کا ہونا بھی زمین پر وبال ہوتا ہے۔ لیکن اللہ والے جب کسی قبرستان میں دفن

ہوتے ہیں۔ تو مُردے بھی خوش ہوتے ہیں۔ حضرت سیّدنا شاہ عبدالقادر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے چالیس سال میں ایک جگہ بیٹھ کر قرآن مجید کا ترجمہ مکمل کیا۔ جب انتقال ہُوا۔ تو شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ کہ شاہ عبدالقادرؒ کو جس قبرستان میں دفن کیا گیا ہے۔ اُس کے اردگرد بارہ بارہ میل کے مُردوں سے اللہ تعالےٰ نے عذاب اُٹھالیا ہے۔ لہٰذا ہمارے حضرت شیخ التفسیر کا وجود مسعود میانی صاحب میں انشاء اللہ تعالےٰ آرام کرنے والوں کے لئے رحمت کا باعث ہے۔ ہمیشہ نظام ظاہری و باطنی کا سبق دیتے رہے۔ ہزاروں نے آپ سے فلسفۂ اسلام پڑھا۔ آپ نے دُنیا سے دل نہیں لگایا۔ کبھی کسی کی غیبت نہیں کی۔ آپ کا دِل اور زبان ہمیشہ ذِکرِ الٰہی میں شاغل رہا۔

حضرت مولانا عبدالحنان صاحب نے دُعا کے بعد فرمایا۔ کہ اگر آج ہم میں شاہ جی مرحوم حضرت مدنی مرحوم یا امام الاولیاء حضرت امروٹی مرحوم ہوتے۔ تو وہ حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ کے کمالات بیان فرماتے۔

حضرت قاضی احسان احمد صاحب شجاع آبادی

مولانا موصوف کے بعد حضرت قاضی احسان احمد صاحب شجاع آبادی خطیب پاکستان نے اپنے کلیمانہ انداز میں حاضرین کو خطاب فرمایا۔ اور شکایت آمیز طریق سے کہا۔ پاکستان ریڈیو کو فلمی گیتوں سے فرصت نہ تھی۔ اس لئے جنازے کا اعلان نہ کیا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے فیوض و برکات کی وسعتوں کی طرف اشارہ فرماتے ہُوئے ارشاد فرمایا۔ کہ آپ کے فرزندِ جلیل حافظ حبیب اللہ مسجدِ نبویؐ کے بابِ صدیقؓ میں بیٹھ کر اسلامی ممالک کے علماء و فضلاء کو درس قرآن مجید دیتے ہیں مجھے تو اُن کو وہاں دیکھ کر ہی اس مصرعہ کا مفہوم سمجھ میں آیا۔

پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

حُسنِ تکلم سے سامعین کو مسحور کرتے۔ بیان فرمایا ۱۹۵۳ء میں مَیں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ

کو جیل کی کوٹھڑی میں دیکھا کہ ساری ساری رات عبادتِ الٰہی میں کھڑے ہیں۔ اور پھر قاضی صاحب نے آہیں بھر کر فرمایا۔ کہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ کہ حضرت زمین پر لیٹے ہوئے تھے۔ اور آپ کی ڈاڑھی مبارک کو مٹی لگی ہوئی تھی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو قرآن کا عشق تھا۔ مگر تم کبھی کسی غلام کے پیچھے اور کبھی کسی غلام کے پیچھے۔ پھر فرمایا اور خطیبانہ عظمت سے فرمایا۔ کہ لوگ مرتے ہیں تو لوگ روتے ہیں۔ عمرؓ تو مرے گا تو تجھ کو اسلام روئیگا!

حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی

رسولِ پاک صلّی اللہ علیہ وسلّم کے وصال کے بعد کے حالات پیش کرنے کے بعد صحابۂ کرام کی شان میں فرمایا کہ بشیر شتربان کا سر صدر امریکہ کے اشارے سے اونچا ہو گیا۔ تو جن شتربانوں کو خدا نے کہا تھا۔ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ! اُن کی عظمت کا کیا کہنا!

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق فرمایا کہ قرآن کے الفاظ بھی نازل ہوئے اور معانی بھی نازل ہوتے۔ لہٰذا منکرِ حدیث منکرِ قرآن ہے۔ اور منکرِ قرآن خارج از اسلام کا فتوے لگا کر دُنیا سے چل بسے۔

ماسٹر تاج الدین صاحب انصاری

حضرت اتمامِ حجّت کے طور پر سامعین سے اپنے وعظ کا اقرار کرواتے تھے۔ ہم نے بزرگوں سے سُنا ہے۔ کہ لاہور پر کئی دفعہ عذابِ الٰہی آیا۔ مگر حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ نے ہاتھ پھیلا دیئے تو عذاب ٹل گیا۔

مولانا عبد الحکیم صاحب راولپنڈی

اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی حفاظت اور خدمت کے لئے اپنے بندوں سے چُن کر ایک

صاحبِ تقویٰ۔ صاحبِ علم و فضل کو ظاہری و باطنی کمالات سے مزیّن کر کے ایک مثالی زندگی عطا فرمائی۔

ایک موقع پر حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ علماء کرام میں سے کسی پر ہاتھ اُٹھاؤ۔ پھر دیکھو تم سے کیا ہوتا ہے۔ وہ قلندرانہ چیلنج تھا۔ جس کا فقط اُن کو ہی حق تھا۔

قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید!

آپ کے فضائل و شمائل پیش کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ حضرت عبدالقادر رائے پوری نے اپنے مریدوں سے فرمایا۔ کہ آپ کو میرے پاس آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ کے پاس حضرت مولانا احمد علی صاحب موجود ہیں۔

حضرت مدنی مرحوم نے اپنے لواحقین کو کئی بار فرمایا تھا۔ کہ اگر تم کو میرے پاس آنے کا موقعہ نہ ہو۔ تو شیرانوالہ کا رُخ کیا کرو۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ ہر موقعہ پر مجاہدانہ اقدام فرماتے تھے۔ ہر تحریک میں پیش پیش ہوتے تھے۔ ہماری حاضری صرف سعادت حاصل کرنے کے لئے ہوتی تھی۔

شیخ حسام الدین صاحب

مَیں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مدّاحوں میں اپنا نام درج کروانے کے لئے کھڑا ہُوا ہُوں۔ حضرت کی زبان پر کمزوری کے باوجود صدائے حق گونجتی ہی رہی۔ وہ صرف معلّم ہی نہیں تھے۔ وہ صرف شیخ التفسیر ہی نہیں تھے۔ بلکہ ہم جیسے تہذیب نو کے روندے ہُوئے انسانوں کو ایک آنکھ کے اشارے سے بدلنے کا گُر بھی جانتے تھے۔

قُدرت نے اپنے بندوں کو کیوں چُن چُن کر بُلا لیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ معاشرے میں بغاوت ہے۔ باغی کی جائداد ضبط کی جاتی ہے۔ اُس کو پھانسی پر لٹکایا جاتا ہے۔ اگرچہ

مشیتِ ایزدی نے ابھی تک یہ کارروائی شروع نہیں کی۔ مگر ڈر لگتا ہے کہ اب ہم عذاب کی لپیٹ میں نہ آجائیں۔ کیونکہ "تم بھی آجاؤ تم بھی آجاؤ۔ ہمیں تم سے شرم آتی ہے" کا پروگرام ہوگیا ہے۔

خاں صاحبان سینکڑے مرے مگر اُن کی کرسیاں خالی نہ رہیں۔ لیکن علامہ کفایت اللہ شاہ جیؒ۔ حضرت مولانا مدنی مرحوم اور حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ کی کرسیاں ہمیشہ ہی خالی رہیں گی۔ دُعا ہے کہ اُنھوں نے ہم کو جس سانچے میں ڈھالا تھا ہم اُسی میں رہیں۔ ہم تو اُن کی نگاہوں سے ہی ایک ڈگر پر آتے تھے۔

کائنات کے چلانے والا روز روز ایسی ہستیاں نہیں بھیجا کرتا۔ ارشادِ نبوی صحیح ہے عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْل۔

حضرت مولانا عبدالستار خاں نیازی

اس تعزیت کے لئے ہم کیوں حاضر ہوئے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ ہم کو کیوں محبوب تھے درحقیقت حضرت رحمۃ اللہ علیہ مرد مجاہد تھے۔ انگریزوں کی قہرمانی طاقت کو ہمیشہ نفوسِ قدسیا[illegible] چیلنج دیتے رہے۔ اور وہ مستلنے جنھوں نے اُس باطل کو ختم کرنا اپنا مقصدِ حیات سمجھا ہو[illegible] تھا۔ اُن میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ فردِ محترم تھے۔ حضرت نے ہر تحریک میں اپنی قوم کی قلند[illegible] ترجمانی کی۔ وہ ایک فرد نہ تھے۔ اُن کی ذات کام کرنے والوں کے لئے ایک پناہ تھی۔ اُ[illegible] کے اشاروں میں بھی سہارا ہوتا تھا۔ حضرت مرحوم کا ایک فقرہ ہی ہماری ہمتوں کو بڑھا دیتا [illegible] تحریک ختمِ نبوّت میں آپ نے مجاہدانہ اور قلندرانہ حصّہ لیا۔ آپ کا طریق ہمارے لئے مشعل[illegible] ہے۔ آپ نے اس کو ماضی کا کردار ہی نہیں بنا لیا۔ بلکہ اس عمل کو جاری رکھا۔ کچھ ناپاک لوگو[illegible] نے رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی شان میں گستاخیاں کیں۔ تو آپ نے اپنی تم[illegible] مساعیِ جمیلہ شانِ رسالت کی حفاظت کے لئے وقف کردیں۔ حضرتؒ کی زندگی میں ایک [illegible]

تسلسل تھا۔ وہ آج سے پچاس سال پہلے جس منہاج صداقت پر تھے۔ آخری دم تک اسی پر ہی قائم رہے۔

میری رہائی کے بعد مجھ کو میرے غریب خانے پر ملنے کے لئے آئے۔ میں نے آپ کی نشست کا نیچے انتظام کیا ہوا تھا۔ ملنے کے بعد جب واپس تشریف لے جانے لگے۔ تو فرمایا۔ میں اُوپر والے کمرے میں آپ کی چارپائی تک بھی جانا چاہتا ہوں تاکہ مجھ کو قدم قدم پر ثواب ملے۔ حضرات۔ آپ بھی اپنے آپ کو اُس تلوار کی دھار پر لائیے! اور کہیے۔ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

مولانا سیّد داؤد غزنوی مرحوم

جانے والوں نے اپنے خیمے جنّت میں گاڑھ دیئے ہیں۔ حضرتؒ کی رحلت پر سارا ملک سوگوار ہے۔ حضرت مرحوم نے نصف صدی تک قرآن حکیم کا درس دیا اور یہ مسلسل اور پیہم خدمت بہت بڑی چیز ہے۔ آپ زہد و تقویٰ کی بے نظیر مثال تھے۔

ان کے بعد قرار دادیں پاس ہوئیں۔ اور آغا شورش کاشمیری نے اپنے خاص انداز میں ہدیہ عقیدت پیش کیا۔ اور جلسہ برخاست ہوا۔

اسی جلسے میں مندرجہ ذیل نظم پڑھی گئی۔ جو احقر الانام نے اپنے والد روحانی کے فراق [illegible] لکھی تھی

حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ کے حضور میں!

لال دین اخگر بی، اے۔ بی، ٹی۔ ہائی سکول بھالیکے

اے شہیدِ درسِ قرآنِ مُبین — ڈھونڈتی ہیں تُجھ کو آنکھیں ہر کہیں
آج ہے تیرا مکاں خُلدِ بریں — ہائے تجھ سا مہرباں مِلتا نہیں

تیری صورت یاد آتی ہے ہمیں
تیری فرقت خوں رلاتی ہے ہمیں

سب کی آنکھیں تیرے غم میں اشکبار ‏ ‏ ‏ ‏ سب کے دل تیری جدائی میں فگار
تو نہیں تو کس طرح آئے قرار ‏ ‏ ‏ ‏ جس کو دیکھیں پھر رہا ہے سوگوار

آہ و زاری میں اثر کوئی نہیں
اس شبِ غم کی سحر کوئی نہیں

تیری مرقد مطلعِ انوار ہے ‏ ‏ ‏ ‏ تیری تربت مرجعِ اخیار ہے
تیری منزل منزلِ احرار ہے ‏ ‏ ‏ ‏ تیری خلوت مخزنِ اسرار ہے

وارثِ پیغمبراں تھی تیری ذات
اللہ اللہ بندۂ مولیٰ صفات

اے امامِ اتقیائے ایں زماں ‏ ‏ ‏ ‏ اے امیرِ لشکرِ روحانیاں
قلبِ تو شرعِ مبیں را رازداں ‏ ‏ ‏ ‏ جانِ تو با قدسیاں است ہم زباں

ہم نشینِ انبیاء قدسی نہاد
منزلت در جنتِ فردوس باد

ذوقِ قرآں تیری الفت کا ثمر ‏ ‏ ‏ ‏ علم و عرفاں تیری صحبت کا ثمر
اے خوشا تیری زیارت کا ثمر ‏ ‏ ‏ ‏ مل گیا دنیا میں جنت کا ثمر

تیری سیرت عارفوں میں لاجواب
تیری ہستی رہنمائے شیخ و شاب

اے کہ سب یُمن و سعادت تجھ سے تھی ‏ ‏ ‏ ‏ اے کہ سب حسنِ مروت تجھ سے تھی
لاکھ انسانوں میں الفت تجھ سے تھی ‏ ‏ ‏ ‏ سب کے ایماں میں حرارت تجھ سے تھی

ہم یتیموں سے بھی ابتر حال ہیں

ہائے ہم پامال ہیں، پامال ہیں

حریّت تھی تیری فطرت کا خمیر مردِ حق، درویش رُو، روشن ضمیر
پدرِ مشفق، نرم خو، مثلِ حریر سرتاپا شفقت، محبّت کا سفیر

بایزیدؒ عصرِ حاضر بالیقیں
قطبِ دوراں، ہادیٔ روشن جبیں

درسِ قرآں رحمتِ حق کا نشاں چہرہ تاباں اور الہامی زباں
رُوحِ قرآں اور ترا حسنِ بیاں سُن رہے ہیں شوق سے کرّوبیاں

آج یزدانی نوا خاموش ہے
آج نورانی فضا مدہوش ہے

الوداع اے سیّدِ والا گہر رو رہے ہیں گو تجھے دیوار و در
متفق ہیں اس پہ سارے ہمعصر مدنیؒ و شاہ جیؒ تھے تیرے ہمسفر

اس لئے رضواں سے ہے دعوت آگئی
اپنے حق میں اک قیامت آگئی

اخبارات کے چند اقتباسات

احسان بی اے نے "دو عظیم قومی اکابر کا سفرِ آخرت" کے عنوان سے کوہستان ۳ مارچ ۱۹۶۲ء میں حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ اور حمید نظامی کے جنازے کے متعلق حسبِ ذیل بیان دیا۔ "ہزاروں افراد نے اشکبار آنکھوں اور دھڑکتے ہوئے دلوں کے ساتھ دو جلیل القدر ہستیں سپردِ خاک کیں۔"

حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ کے جنازے کی مکمل تفصیل کے بعد رقمطراز ہوتے ہیں۔ "اب چارپائی ہمارے قریب آئی ـــ اور قریب ـ آگے کھڑے ہوئے لوگوں کو

بٹھادیا گیا۔ اور مَیں نے دیکھا۔ سُرخ گلاب کے پھُولوں کی چادر میں سے نکلا ہُوا سر جس کے دُودھ جیسے سفید لمبے بال کنگھی کر کے پیچھے کی طرف سنوار دیئے گئے تھے۔ مولانا احمد علیؒ کا جسدِ خاکی ارادت گزاروں کے کندھوں پر ہلکے ہولے ہلکورے لیتا ہُوا میری نگاہوں سے قریب تر ہوتا گیا۔ اور پھر مجھ کو پیشانی نظر آئی۔ کشادہ خُوبصورت پیشانی جس پر ستّر سال کے سجدوں کے نشان مرتسم تھے۔ میرے دل نے بڑی ہی بلند آواز میں پکارا۔ کون کہتا ہے۔ کہ دُنیا چھوڑنے کے بعد آدمی سب کچھ یہیں چھوڑ کر چلا جاتا ہے سکندر بادشاہ جب دُنیا سے چلا۔ تو

- ہاتھ خالی کفن سے باہر تھا۔

لیکن فقیر احمد علیؒ اپنی زندگی بھر کی کمائی اپنے ساتھ لے کر جا رہے تھے۔ یہ دُنیا اُن سے اُس کمائی کا ایک حبّہ تک چھیننے میں ناکام رہی تھی۔

میانی صاحب کے قبرستان میں داخل ہو کر حضرتؒ کی قبر کے بالکل قریب جا کر بیان کرتے ہیں۔ "مجھے ایک دفعہ پھر مولانا کے دیدار نصیب ہُوئے اس دفعہ میں بہت قریب تھا۔ چارپائی بچھی ہُوئی تھی۔ پُرانی میلی دری اور کھدّر کا معمولی روئی دار گدھا نعش کے نیچے بچھا ہُوا تھا۔ مولانا کی فقیرانہ زندگی کے سادہ ساتھی قبر تک ساتھ آئے تھے۔ جنازہ ہاتھوں ہاتھ اُٹھا کر لایا گیا۔ اور مَیں سوچتا رہ گیا۔ یہ فقیر جو نہ افسر تھا۔ نہ کسی مُلک کا والی۔ جس کے گھر والے اُسے کسی شان و شوکت کے ساتھ وداع نہ کر سکے تھے۔ لاکھوں دلوں میں اتنی محبت اور عقیدت کس طرح پیدا کر سکا تھا؟ کیا محمد مصطفےٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی غلامی اتنی ہی معجز اثر ہے۔ کہ اُس پر نثار کرنے والا بغیر کسی ظاہری طنطنے کے لاکھوں بلکہ کروڑوں دلوں کو چپکے ہی چپکے مسخر کر لیتا ہے۔

مولانا نصر اللہ خاں عزیز

"مَیں مولانا احمد علی مرحوم کو کیوں بڑا آدمی سمجھتا ہوں؟" کے موضوع کے پیشِ نظر حضرت

رحمۃ اللہ علیہ کی وضعداری پر لکھتے ہیں۔

"میں نے مولانا احمد علیؒ کو سب سے پہلے خواجہ عبدالحی صاحب فاروقی کے یہاں دیکھا اُس وقت وہ کوئی تیس اکتیس برس کے نوجوان آدمی تھے۔ مجھ سے کوئی گیارہ برس بڑے۔ اُن کا حُلیہ جہاں تک مجھے یاد ہے۔ یہ تھا۔

سر پر سفید پگڑی۔ بدن پر سفید کُرتہ۔ شرعی پاجامہ اور دیسی جُوتا۔ اب یہ یاد نہیں کہ کندھوں پر چادر بھی تھی یا نہیں۔ اور بالکل یہی لباس اُن کی زندگی بھر کا لباس رہا۔ گرمی یا سردی کے اعتبار سے صرف سُوتی یا اُونی کپڑے کا فرق واقع ہوتا۔ ورنہ وضع قطع میں کوئی تغیّر نہ ہوتا۔ اور یہ وضعداری ہی حقیقت میں اُن کی سیرت کا سب سے بڑا جوہر تھا۔ اور ان کی عظمت کردار کا موجب۔ ان کے اکابر کی بھی یہی وضع تھی۔ اور اسی وضع کو اُنھوں نے اپنی زندگی کا عنوان بنا لیا تھا۔ اور یہ پابندیٔ وضع تھی جس کے باعث ان کی ساری زندگی کا عنوان اوّل سے آخر تک ایک ہی رہا۔ لباس اور ظاہری وضع قطع میں ہی نہیں۔ بلکہ عقائد۔ اعمال مشاغل۔ طرز۔ اسلوب تقریر۔ انداز تحریر اور دوستی و دشمنی کے تعلقات میں بھی میں ان لوگوں میں سے تھا جن پر وہ بیحد مہربان تھے۔

"ایک مجاہد۔ ایک عالم اور ایک مفسّر"

کے عنوان پر مولانا منظور حسن صاحب نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ۱۹ اپریل ۱۹۶۲ء روزنامہ کوہستان میں ایک مفصّل مضمون لکھا ہے۔ جس کے اقتباسات انشاء اللہ العزیز اسی کتاب کی جلد دوم میں پیش کئے جائیں گے۔

ایک اور اخباری اقتباس

لاہور۔ "مولانا احمد علی کی وفات پر شہر کے کونے کونے میں رنج و غم کا اظہار کیا گیا۔ اِس سلسلے میں شعبۂ علوم اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی کے اساتذہ اور طلباء کا ایک تعزیّتی اجلاس صدرِ شعبہ علّامہ علاؤالدین صدیقی کی صدارت میں منعقد ہُوا۔ جس میں مولانا مرحوم کی وفات پر گہرے افسوس

اور رنج و الم کا اظہار کیا گیا۔ اجلاس میں کہا گیا کہ مولانا مرحوم کی وفات سے علم اور رُوحانیت کی دُنیا میں جو خلا پیدا ہُوا ہے۔ وُہ پُورا نہیں ہو سکتا۔ اس سانحہ سے پاکستان ایک عظیم رُوحانی شخصیت اور کتاب وسُنّت کے ایک جاں فروش خادم سے محروم ہو گیا ہے! اجلاس میں مرحوم کے لئے دُعائے مغفرت بھی کی گئی۔

حکیم شمس الحق خاں کا بیان

پاکستان یونانی طبّیہ کالج کے پرنسپل حکیم شمس الحق خان نے مولانا مرحوم کی رحلت پر بیان دیتے ہُوئے فرمایا۔ کہ آپ کی موت ایک جہان کی موت ہے۔ آپ بلاشُبہ ایک چشمۂ فیض تھے۔ آپ نے اپنی تمام زندگی دینِ مبین کی خدمت و اشاعت میں صرف کی مخالفینِ اسلام کے سامنے آپ ایک آہنی دیوار تھے۔ اُنھوں نے کہا۔ کہ "مرحوم صحیح معنوں میں بطلِ حریت اور ایک باعمل مجاہد تھے۔"

ہم حضرت مولانا داوٗد غزنویؒ کا بیان پیشتر ازیں بھی نقل کر چکے ہیں۔ اس موقعہ پر بھی آپ کے ارشاداتِ گرامی یقیناً قابلِ ذکر ہیں۔ لہٰذا سپردِ قلم کیے جاتے ہیں۔

مولانا داوٗد غزنوی کا بیان

جمعیّتِ اہلِ حدیث مغربی پاکستان کے مولانا داوٗد غزنویؒ نے مولانا کی وفات حسرت آیات پر اپنے بیان میں کہا۔ کہ مولانا احمد علی کی وفات میرے لئے انتہائی صدمہ کا باعث ہے۔ مرحوم مُلک کے ممتاز علماء میں سے تھے۔ ان کے سانحہ ارتحال سے ملّت اسلامیہ کو جو نقصان پُہنچا ہے۔ وہ ناقابلِ تلافی ہے۔ اُنھوں نے کہا کہ مولانا مرحوم نے توحید و سُنّت کی اشاعت اور بدعات کو مٹانے کے لئے جو تکالیف برداشت کی ہیں آج کے نوجوان علماء اُن کا تصوّر بھی نہیں کر سکتے۔ جب تک یہاں انگریز رہا مرحوم نے انگریزی

استعمار کے خلاف جہاد جاری رکھا۔ اور اس کی راہ میں تمام مصائب کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ میں نے اُنہیں ہر مرحلے میں مخلص و ہمدرد رفیق پایا۔ مولانا داؤد غزنویؒ نے کہا۔ کہ آج ملّت اسلامیہ ایک عالمِ باعمل۔ مجاہد فی سبیل اللہ۔ عابد و زاہد اور علوم قرآن کے معلّم و مبلّغ سے محروم ہو گئی ہے۔ دُعا ہے کہ حق سبحانہٗ و تعالےٰ مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔

۲۵ر فروری ۱۹۶۲ء روز نامہ کوہستان نے ایڈیٹوریل کے اختتام پر

"ایک عالم باعمل کی موت"

کے عنوان سے مندرجہ ذیل سطور شائع فرمائیں :-

انجمن خدّام الدین کے امیر شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علیؒ کا انتقال ملّت اسلامیہ کے لیے ایک عظیم سانحہ ہے۔ مرحوم ایک جیّد عالم۔ اَن تھک مجاہد اور عظیم المرتبت مبلّغ تھے۔ آپ کی زندگی فقر و درویشی۔ تبلیغ و اشاعتِ دین اور ملّتِ اسلامیہ کی خدمت کے مختلف دائروں میں گزری۔ یہ اعزاز اُنہی کو حاصل ہے۔ کہ پاکستان اور دوسرے اسلامی ممالک کے ساڑھے چار ہزار مستند علماء نے آپ سے قرآنِ پاک کی تفسیر پڑھی۔ تیرہ مرتبہ حرمین شریفین کی زیارت کی۔ اور سات مرتبہ جنگِ آزادی کے سلسلے میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ ان کی ذات سے بلاشبہ اشاعت و تبلیغِ دین کا ایک طویل دور عبارت ہے۔ اور ان کی موت سے ملک کے دینی اور تبلیغی حلقوں میں ایک ایسا خلا پیدا ہو گیا ہے۔ جو کبھی پُر نہیں ہو سکے گا۔ اللہ تعالےٰ مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ اور اُن کے پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔

روزنامہ امروز ۲۴۔ فروری ۱۹۶۲ء

لاکھوں مسلمانوں نے اشکبار آنکھوں اور دھڑکتے دلوں سے مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ

کو سپردِ خاک کر دیا۔ جس وقت مولانا مرحوم کی میّت کو قبر میں اُتارا جا رہا تھا۔ تو چاروں طرف سسکیاں اور آہیں سُنائی دے رہی تھیں۔ اس شہر نے مدّتوں بعد اتنی عظیم نمازِ جنازہ دیکھی ہے۔ اس کے بعد دو کالموں میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے جنازے کی مفصّل داستان بیان فرمائی ہے۔

نوائے وقت ۲۴ فروری ۱۹۶۲ء

نے حضرت کی علالت۔ جنازے کی سوگوار کیفیّت اور حالاتِ زندگی کے علاوہ مفصّل طور پر کارنامے بھی بیان کئے ہیں۔ جس کو طوالت کے خوف سے یہاں نقل نہیں کیا جاتا ہے

روزنامہ زمیندار ۶۔ اپریل ۱۹۶۲ء

عنوان

"علماء کرام اگر شیخ المشائخ مولانا احمد علیؒ کی کتابِ زندگی پڑھیں۔ تو قوم کی بگڑی بن سکتی ہے۔"

لاہور ۵ ر اپریل ۱۹۶۲ء (شوکت بٹ سٹاف رپورٹر)

قطب الاقطاب شیخ المشائخ حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ کے نقشِ قدم پر چل کر علماء قوم کی بگڑی بنا سکتے ہیں۔ وُہ نیک نیّت۔ فیّاض۔ صابر۔ متحمّل۔ بُردبار۔ راستباز۔ خلق سے محبّت رکھنے والے۔ صُلح جُو اور رضائے الٰہی پر توکّل رکھنے کے علاوہ خدا کے سوائے کسی کی عبادت نہیں کرتے تھے۔ وُہ مسلمانوں کو بُرائیوں سے بچاتے رہے۔ قرآن سے نزدیک لانے میں کوشاں رہے۔ شفقت برتنا سکھاتے رہے۔ مخالفوں سے صلح جوئی اور دشمنوں سے مہربانی کرنے کا سبق دیتے رہے۔ مسجد کو انہوں نے دینی ثقافتی اور معاشرتی

مرکز بنایا۔

ملک عبدالحمید وارثی نے حضرت مولانا احمد علی مغفور کو یوں خراجِ عقیدت پیش کیا۔
آپ اُن مشائخ میں سے تھے۔ جس کے متعلق رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے فرمایا ہے۔
"جس شخص نے میری سُنت کو زندہ کیا۔ اُس نے مجھے زندہ کیا۔ اور جس نے مجھے زندہ کیا۔
وہ بہشت میں میرے ساتھ ہوگا۔" علما۔ جن کی حیثیت ڈیرہ داروں کی
ہوگئی ہے۔ اگر حضرتِ علامہ مرحوم کے نقش قدم پر چلیں۔ تو ملّتِ بیضا کی بگڑی بن جائے۔
علامہ مرحوم نے تمام عمر درس و تدریس اور اشاعتِ اسلام کا سلسلہ جاری رکھا۔ مگر اس
کا کبھی معاوضہ وصول نہ کیا۔ بلکہ سالانہ لاکھوں روپیہ اس فریضہ کی نذر کر دیا۔ وہ ساری
زندگی انگریزی سامراج کے خلاف جہاد کرتے رہے۔ قید و بند کی بارہا صعوبتیں جھیلیں۔
مگر آپ نے اپنی قوم کے اس پردیسی ڈاکو کو کبھی معاف نہ کیا۔ وہ بیک وقت عالم بھی تھے۔
فقیہہ بھی تھے۔ مفسر بھی تھے۔ محدث بھی تھے۔ امام بھی تھے۔ مجاہد بھی تھے۔ درویش بھی تھے۔
صوفی بھی تھے۔ اور ایک سیاسی رہنما بھی۔ اُنہوں نے نصف صدی جس استقامت سے
دین کی خدمت کی ہے۔ اس کی نظیر صحابہ کرام کے بعد خال خال ملتی ہے۔"

اسی پرچے میں "مولانا احمد علی مرحوم" کے عنوان پر ایڈیٹوریل لکھا ہے۔ جس میں
صاحبِ قلم نے اپنے مخصوص انداز میں حضرت مرحوم کی خدمتِ عالیہ میں عقیدت کے پھول
پیش کئے ہیں۔

پروفیسر محمد فاروقی نے بھی حضرت شیخ التفسیر کے محاسن و محامد بیان فرماتے ہیں۔
جن میں حضرت جیسی عظیم المرتبت شخصیت کے مقام کی نشان دہی موجود ہے۔ اسی کے
ابتدائی حصے میں شورش کاشمیری کی نظم "بیادِ رفتگاں" حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی وفات
پر ایک دل سوز، غم انگیز

اور الم آفرین مرثیہ ہے

مولانا احمد علی مرحوم

میری نظر میں

(کوثر نیازی)

بنظرِ اختصار مولانا کوثر نیازی کی تحریر سے صرف چند فقرات حوالۂ قلم کئے جاتے ہیں۔

"مولانا احمد علی مرحوم ایک عالمِ باعمل صوفیٔ باصفا۔ شیخِ طریقت اور کتاب و سُنّت کے علیم مبلّغ تھے۔ مولانا نے درس و تدریس کے علاوہ مُلکی اور ملّی سرگرمیوں میں بھی حصّہ لیا۔ مولانا ان علماءِ حق میں سے ایک تھے۔ جنہوں نے ضلالت و بدعات اور بے دینی و الحاد کے اُمڈتے ہوئے طوفان میں کتاب و سُنّت کا چراغ جلائے رکھا۔ اور مغربی تہذیب جو مفاسد لا رہی تھی اُن سے اپنے انداز میں اُمّت کو بچانے کی جد و جہد جاری رکھی۔ علاّمہ علاؤ الدین صدیقی اور مَیں ایک دفعہ بادامی باغ میں حضرتؒ کے ایک مُرید خاص کے کارخانے میں حاضر ہوئے تو آپ کو ایک چٹائی پر بیٹھے ہوئے جہاد بالقلم میں مصروف پایا۔ ملاقات ہوئی شفقت سے پیش آتے۔ اہلِ لاہور کا بار بار شکوہ کرتے۔ اپنی ذات کے لئے نہیں۔ دین کے لئے۔ انہیں شکایت یہ تھی۔ کہ اُن کے قائم کردہ مدرسے میں مُلک اور بیرونِ ملک ہر جگہ کے طالبانِ دین تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ اور اب تک ساڑھے چار ہزار علماء سندِ فراغت حاصل کر چکے ہیں۔ مگر لاہور شہر اس نعمت سے کُلّیتہً محروم ہے۔ لاہوری اس مدرسے کے ذریعے ایک عالم بھی تیار نہیں کر سکے۔ مولانا فالج کے بعد سے ایک ایک بات کو کئی کئی دفعہ دُہراتے تھے۔ ہم دیر تک سر جھکائے اہل لاہور کے خلاف ایک بے لوث خادمِ دین کا استغاثہ سُنتے رہے۔ الخ

اسی اخبار کے اسی صفحہ پر

"بیسویں صدی کی ایک مثالی شخصیّت" کے موضوع پر

شیخ عبدالغفار اثرؔ نے حضرت سیّد الاولیاء کی خدمتِ اقدس میں خراجِ ارادت پیش کیا ہے۔
محولہ بالا اخبار کے دوسرے صفحے پر آغا شورش کاشمیری نے

مردِ درویش کا جنازہ

کے مضمون پر اپنے ادیبانہ و ساحرانہ انداز میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی یاد میں اپنے جذبات کو ہدیۂ قارئین کیا ہے۔ مندرجہ بالا مضامین کے اقتباسات انشاء اللہ تعالےٰ اسی کتاب کے حصّہ دوم میں پیش کئے جائیں گے۔

"رسالہ اقدام ۴۔ مارچ ۱۹۶۲ء" میں

حضرت مولانا مرحوم کے مختصر سوانح حیات اور کارناموں پر روشنی ڈالی گئی۔ اور اپنی خادمانہ عقیدت کا اظہار کیا گیا۔

روزنامہ آفاق ۲۴ فروری ۱۹۶۲ء

پاکستان کے نامور عالم اور ممتاز مذہبی رہنما مولانا احمد علی انتقال فرما گئے۔ پاکستان بھر میں رنج والم کی لہر دوڑ گئی۔ برصغیر پاک و ہند کی ممتاز ترین دینی و علمی شخصیت حضرت العلامہ مولانا احمد علی آج یہاں ساڑھے نو بجے شب اچانک حرکتِ قلب بند ہو جانے سے انتقال فرما گئے۔ آپ نے تحریکِ آزادی میں نمایاں حصّہ لیا تھا۔ اس بناپر آپ کئی بار جیل میں گئے۔ بعد ازاں آپ کے مختصر حالاتِ زندگی اور کارہائے نمایاں کا مختصر ذکر کیا گیا ہے آپ کی تصانیف گنوائی گئی ہیں۔ اور آپ کی مذہبی اور ملّی خدمات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

اخبارات ہمعصر شاہد ہیں۔ کہ شیعہ حضرات نے بھی مولانا مرحوم کی وفات پر اظہارِ تاسف فرمایا۔ الغرض! حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے کامل صلح جو مسلمان ہونے کا یہ ایک بیّن ثبوت

ہے۔ کہ آپ کی وفات سے تمام ہند و پاک میں ایک ماتم کی صف بچھ گئی۔ اور تمام مکاتیبِ فکر کے مقتداؤں نے آپ کو تحسین و تکریم سے یاد کیا ہے۔ دُعا ہے کہ پروردگارِ عالم ہم کو حضرت شیخ التفسیر کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق ارزاں فرمائے۔

نظم

نذرِ شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ

علامہ انور صابری

اے کلام اللہ کے دانائے اسرار و رموز — منکشف تھے ذہن پر تیرے مشیّت کے کنُوز

بابِ علمِ مصطفٰےؐ تیرا دلِ آگاہ تھا — تو صراطِ مستقیمِ حق کا خضرِ راہ تھا

تیری پیشانی تھی انور شاہ کی آئینہ دار — دیں پوری کا فیض تھا تیری جبیں سے آشکار

تجھ سے ملتا تھا نبوّت کے حقائق کا سُراغ — رہنمائے فکر تھا محمُود و قاسم کا دماغ

تُو قرونِ اوّلیں کا پیکرِ تفسیر تھا — خوابِ ماضی کی مجسّم دلنشیں تعبیر تھا

تیرے اندازِ بیاں میں جذبۂ ایثار تھا — عشق تیرا گوہرِ گنجینۂ کردار تھا

حکمت و دانش کو تُو نے صاحبِ عرفاں کیا — زندگی کو ہم مزاجِ مقصدِ قرآں کیا

بربطِ جبریل کے نغمے ترے کانوں میں تھے — ولولے ایماں کے رقصاں تیری شریانوں میں تھے

تجھ کو "سندھی" نے سکھائے تھے رموزِ انقلاب — تھی خرد آموز تیرے واسطے اُمّ الکتاب

درس نے تیرے کیے پیدا وُہی خدّامِ دیں — جن کی ہستی دولتِ ختمِ رسالت کی امیں

فلسفۂ اسلام کا تا زیست سمجھاتا رہا — فقر کو آدابِ سلطانی کے سکھلاتا رہا

تُو رہا لاہور میں اور دل مدینے میں رہا — بن کے اِک موتی محمّدؐ کے خزینے میں رہا

تھی دلیلِ زندگیٔ عصر تو تیری حیات — رُوح کا پیمانہ تھا یا بحرِ تقدیسِ صفات

انور خورشید نسبت جاودانی بن گیا — نور آنکھوں کا تری خود تیرا امجد کو بچہ
بایزید دورِ حاضر کا تجھے زیبا خطاب — تھا ترا ذوقِ عبادت اولیاء کا ہمرکاب

گلشنِ فردوس کے سانچے میں ڈھلتی جائے گی
تیری تربت سے سدا خوشبو نکلتی جائے گی

حضرت کی وفات اور آپ کی چند پیشگوئیاں

این کارِ حکیمے نیست دامانِ کلیمے گیر
صد بندۂ ساحل مست یک بندۂ دریا مست

اقبال مرحوم

اولیائے کرام کا گروہ یعنی اُمتِ محمدیہ کے علماء خیر جن کی روحوں پر پاکیزہ فطرت اسلاف کی محبت میں رہ کر قرآن و حدیث کا رنگ غالب آچکا تھا۔ اُن کو یقین تھا کہ حضرت مخدومنا مولانا دورِ حاضرہ کے ابوحنیفہ ہیں۔ یا امام احمد بن حنبل یا بایزید بسطامی کے انوار کو اپنے اندر لئے ہوئے ہیں۔ آپ عمل کے میدان میں قرونِ اولیٰ کی سی شان رکھتے تھے۔ وہ لوگ جن کی قسمت میں حضرت کی نگاہِ پاکباز کے سامنے اپنے قلوب کو اصلاح و تزکیہ کے لئے پیش کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ اُن میں سے ہر ایک یقین سے اس حقیقت کا اقرار کرتا ہے۔ ؎

من نمیدانم چہ افسوں مے کند
رُوح را در تن دگرگوں مے کند
صحبتِ او ہر خزف را دُر کند
حکمتِ او ہر تہی را پُر کند

خیر! میں آج کی فرصت میں حضرت شیخ التفسیر مرحوم کی چند باتوں کو حوالہ قلم کر رہا ہوں۔ جن کا تعلق آپ کے سانحۂ ارتحال سے تھا۔ ولایت اور انکشاف حالات مستقبلہ کتنی قریب سی چیزیں ہیں۔ حضرت مرحوم کی زبانِ مبارک پر عالمِ جاودانی کو سدھارنے کے اشارات

نہیں۔ بلکہ توضیحات ہوتی تھیں۔ مگر ہم قسمت کے ہیٹوں میں کوئی صدیق اکبرؓ کے دل و دماغ کا آدمی نہ تھا۔ جو ان باتوں کا وجدانی تجزیہ کرتا اور اس جنیدِ دوراں کی رحلت سے برسوں پیشتر۔ اور پھر مہینوں قبل بلکہ ہفتوں کے لحاظ سے اعلان کر دیتا۔ کہ حضرت شیخ المشائخ بزمِ ولایت کے رُوحِ رواں اور عصرِ حاضر کے امام سُبحانی اپنی مبارک ناسُوتی زندگی کے ایّام ختم کر چکے ہیں۔ اور فلاں مہینے میں کسی نہ کسی دن اپنی متاعِ جان جانِ آفریں کے حوالے کرنے والے ہیں۔ واقعات کی روشنی میں اس بحث کو حل کیا جاتا ہے۔ ۱۹۵۸ء میں ہمارے گاوں کی جامع مسجد کے خطیب مفتی ابوالشفا کندیاں شریف سے واپس آئے تو فرمایا۔ وہاں ایک مجذوب نے کچھ محویت وجذب کے عالم میں چند باتیں بیان فرمائیں۔ جو کہ ہر لحاظ سے صحیح تھیں۔ اور اُسی استغراق و انہماکِ مجذوبانہ میں پکار کر کہنے لگا کہ "لوگو! تمہارا یہ خیال ہے کہ لاہور میں صرف ایک حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ موجود ہیں۔ آؤ اگر زندہ علی ہجویری دیکھنا ہو۔ تو شیرانوالہ دروازہ میں حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی صاحب کو دیکھو۔ لیکن اُن کا وقت بہت تھوڑا ہے"۔ اس واقعہ کو سُننے کے بعد میں کئی دوستوں سے بیان کر چکا تھا۔ مگر مجھ کو کیا خبر تھی کہ اُن کا وقت تھوڑا ہے۔ اس کی کیا تحدید تھی؟ حضرت عالی مقام سے ایک دفعہ یہ واقعہ عرض کیا۔ مگر خُدائے حکیم کی حکمتِ بالغہ کا اندازہ فرمایئے۔ کہ مجھ کو آخری جملہ حضرت مرحوم کے سامنے بیان کرنا بھول گیا۔ حضرت مرحوم نے غالباً دوبارہ مجھ سے سُنا اور خاموش رہے۔ لیکن حضور والا کی محفلِ عظمت و کرامت سے باہر آکر یہ خیال آیا۔ کہ الحمد للہ آخری جملہ خُدا تعالےٰ نے میری زبان پر نہ آنے دیا۔ یہ وُہ پیشینگوئی تھی۔ جو ایک مجذوبِ وقت کی زبان پر جاری ہوئی۔ مجھ کو جب یہ بات یاد آتی۔ دل دھک سا رہ جاتا۔ اور حضرت کے مبارک چہرے پر حسرت کی نگاہیں ڈالا کرتا تھا۔ ایک رات کو نمازِ عشاء کے بعد حسبِ معمول باقی عقیدت کیشوں کے ہمراہ میں اور میرا چھوٹا بچہ امین الدین حضرت مرحوم کے درِ ولایت تک گئے۔ وہاں خُدّام نے رُخصت ہوتے ہوتے مصافحہ کیا۔ اُس وقت ہمارے والدِ رُوحانی نے امین الدین کے سر پر پدرانہ شفقت سے دستِ سعید پھیرتے ہوئے

فرمایا - بیٹا ہم نہیں ہوں گے - مگر تجھ کو یاد رہے گا - کہ مَیں یہاں آیا کرتا تھا - اس وقت مجھ کو بچّہ کی سعادت کا خیال مسرور کر رہا تھا - مگر مجھ کوتاہ بین کو کیا خبر تھی کہ ہمارے شفیق و رؤف مربّی تقریباً چھ مہینے کے بعد فردوسِ بریں میں جا بسیں گے -

میری اہلیہ نے مجھ سے بیان کیا - کہ سیّدنا و مولانا حضرت باباجی مرحوم وفات سے چند دن پہلے اپنے پوتوں کا نام لے کر فرمانے لگے - کہ اجمل ہم کو یاد رکھے گا - مگر اکمل ہمیں بھُول جائے گا - ؎

ہر کہ از سرّ نبی گیرد نصیب !
ہم بہ جبریلِ امیں گردد قریب

بزرگو اور عزیزو ! اگر حضرت فردوس آشیانی کے پوتے جن کی عمر اب ۶ اور ۴ سال ہو گی - دس سال کے بعد سولہ اور چودہ سال کے ہو سکتے تھے - (خُدا تعالےٰ ان کی عمر دراز کرے اور ہادیانہ زندگی عطا فرمائے) تو لازماً اُس وقت حضرت والا جاہ کو دونوں ہی یاد رکھ سکتے تھے - اور پھر چھ سال کے بچّے کے متعلق خود فرما رہے ہیں - کہ اجمل کو ہم یاد رہینگے - مگر اکمل ہم کو بھُول جائے گا - کیا دو سال کے بعد اکمل اجمل کی طرح چھ سال کی عمر پوری کر کے باہوش نہ بن جاتا - مگر حضُور والا شان کی پیشینگوئی تو اپنی رحلت کے متعلق تھی جس کو وا حسرتا وا مصیبتا - آپ کی وفاتِ حسرت آثار کے بعد بیان کیا گیا - اور اُس وقت اُن الہامی مگر جانگداز الفاظ پر غور نہ کیا گیا -

مولانا محمد صابر صاحب جو حضرت قطب الاقطاب مرحوم کے عرصۂ پچیس سال سے خادمِ خاص تھے - فرماتے ہیں - کہ حاجی دین محمد صاحب جن کے کارخانے میں حضرت خطبۂ جمعہ کی تحریر و ترتیب کے لئے تشریف لے جاتے تھے - اُن کو آپ نے یومِ وصال سے دو تین دن پہلے ہی فرمایا کہ مَیں اب اس جمعہ کے بعد یہاں نہیں آیا کرونگا - خود مولانا محمد صابر جن کو پروردگارِ عالم نے حضرت مرحوم کی صحبت میں رکھ کر فی الواقع صبر و توکل کی جیتی جاگتی

تصویر بنا دیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت مرحوم سے اس جمعہ (یوم وصال) کے لئے اپنے سسرال جانے کی رخصت طلب کی تو اپنی سابقہ عادت شریفہ کے بالکل برعکس انکار فرما دیا۔ اور میں خاموش ہو گیا۔ وہ آبدیدہ ہو کر بیان فرماتے تھے۔ کہ مجھ کو کیا خبر تھی کہ اس انکار میں بھی میرے آقا کی میرے لئے لاکھوں شفقتیں بھری ہوئی تھیں۔

وفات سے چند دن پہلے ایک نیا کفن تیار کرایا گیا۔ مسلمانو! یہ سب کچھ ہوا۔ اور اس عالم ربانی اور مرد حق آگاہ کی رحلت پر لاکھوں دل زخمی ہوئے۔ مگر آج بارہ سو برس کے بعد حضرت شیخ التفسیر مرحوم کی رفیع المنصبی کی مشارکت حضرت شیخ الحدیث امام بخاریؒ سے ظاہر ہوئی۔

قبر سے فردوسی خوشبو

لاہور کے باشندوں نے یک زبان ہو کر پکارنا شروع کر دیا۔ کہ حضرت مولانا سید الابرار والاخیار کی تربت پاک سے فردوسی خوشبوئیں آنے لگی ہیں۔ نہایت معتمد افراد نے جا کر پتہ لگایا۔ حضرت کی مرقد اقدس کی پاکیزہ مٹی کا ہر طرح کیمیکل Chemical معائنہ کیا گیا لیکن یہ معلوم ہونا تھا نہ ہوا۔ کہ اس شمیم جانفزا کو کس چیز سے منسوب کیا جائے۔ لہٰذا یہ بات زبان زد خاص و عام ہو کر قدسی حقیقت کی صورت اختیار کر گئی۔ کہ حضرت شیخ التفسیر مرحوم کی لحد پاک رَوْضَةٌ مِّنَ الرِّيَاضِ الْجَنَّةِ بن چکی ہے۔ جس طرح آپ کی زندگی آيَةٌ مِّنْ آيَاتِ اللهِ تھی۔ اس طرح آپ کی موت بھی صداقت اسلام کا ایک نشان بن گئی۔ اور اب کس کے کان سن سکتے ہیں۔ کہ علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل کی تعبیر اور مشارکت معنوی یوں بھی ہو سکتی ہے۔ کہ سیدنا و مولانا کی روح پاک کہہ رہی ہوگی۔ وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنْتُ (پروردگار عالم کا مجھ پر یہ مخصوص احسان و امتنان ہے۔ کہ اس نے میرے وجود کو شہر لاہور میں بھی طالبان حق کے مشامِ جان کو معطر کرنے کے لئے سامان فرحت بنایا تھا۔ اور اب بھی میانی صاحب کے مرکز میں سالکان راہ ہدایت کے لئے یقین و اطمینان قلبی کی دولت بنایا ہے۔ سیدنا عیسیٰ

علیہ السلام کی زبان سے ارشادِ خداوندی سُنئے کہ وَالسَّلَامُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا○

اب ارشادِ نبوی کی روشنی میں حضور پر نور شافع یوم النشور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اُمّت کے عُلمارِ خیر کے کمالات و صفات اور حیات و ممات کے حالات بنی اسرائیل کے انبیاء کرام کے لگ بھگ ہونگے۔ تو اب ظاہر ہے کہ اُمّتِ مرحومہ کے علمائے ربّانی جو کہ ولایت کُبریٰ کے منصبِ جلیلہ پر فائز المرام ہوتے ہیں۔ مِنْ جانب اللہ اُن سعادتوں اور رحمتوں سے نوازے جاتے ہیں۔ جو انبیاء سابقین پر رب العزّت نے نچھاور فرمائی تھیں۔

دُعا ہے کہ خدائے کون و مکان حضرت قدس اللہ سرہٗ کی رُوح پاک کو وَلَلْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلیٰ کا مژدہ سُنائے۔ اور اس نعمتِ نبویؐ کا سہیم و شریک بنائے۔

حضرتؒ کے ایک خلیفہ مجاز کا مراقبہ

اب ہم حضرت امام العارفین رحمۃ اللہ علیہ کے ایک برگزیدہ خلیفہ مجاز کے اس مراقبہ مکاشفہ کا ذکر کرتے ہیں۔ جو انہوں نے حضرتؒ کی وفات کے تیسرے دن بعد آپ کی قبر مبارک کے پاس بیٹھ کر کیا۔ سبحان اللہ! اللہ والوں کی صحبت میں طالبانِ حق کو کتنے مقاماتِ رفیع عطا کئے جاتے ہیں۔ اور یہی وہ عطائے رحمانی ہے جس کو فضلِ ربّی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے

قوّتِ جبریل از مطبخ نبود
بود از درگاہِ خلّاقِ ودود

حضرت مولانا صاحب مراقبہ کا ارشاد ہے۔ کہ مَیں حضرت آقائی و سیّدی کے مزار مبارک کے قریب آپ کے ارشاد کردہ طریق کے مطابق مراقبہ میں بیٹھ گیا۔ عین استغراق و انہماک کے عالم میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت نصیب ہوئی۔ آپ کے چہرۂ اقدس پر انبساط و مسرّت کے انوار برس رہے تھے۔ مَیں نے سلام کے بعد عرض کیا۔ کہ آپ کی پروردگارِ عالم

سے کیسے ملاقات ہوئی۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ ! مولانا میں نے پروردگارِ عالم کو بہت بڑا شفیق ورحیم پایا۔ اللہ تعالےٰ نے مجھ پر سوال کیا۔ کہ تم ہمارے لئے کیوں اس قدر مجاہدات وریاضات میں مشغول رہے۔

حضرت مرحوم: اے پروردگارِ عالم ! مجھ کو آپ سے خوف آتا تھا۔

پروردگارِ عالم:۔ اگر ہم نے تم کو نہ بخشنا ہوتا۔ تو تم پر ظاہری اور باطنی اس قدر زیادہ ذمہ داریاں نہ ڈالی جاتیں۔

صاحبِ مراقبہ:۔ میرے آقا ! اس کے علاوہ بھی کوئی چیز قابلِ ارشاد ہے ؟

حضرت مرحوم:۔ اس کے علاوہ یہ ہے۔ کہ پروردگارِ عالم کی یہ مخصوص عنایت ہوئی۔ کہ مجھ کو کہا گیا ہے۔ کہ ہم نے تمہاری مہمانی کے طور پر میانی صاحب کے تمام (گناہگار صاحبِ ایمان) اہلِ قبور سے اپنا عذاب اُٹھا لیا ہے۔

سیّدنا شیخ التفسیرؒ کے اہل وعیال

شفقت پدری کا ظہور

اولاد کا وجود والدین کے لئے اُمیدوں کا سہارا ہوتا ہے نبوّت سے لے کر ولایت تک۔ اور ولایت سے عام انسانوں کے گروہ تک کسی شخص کا دل بھی اولاد کی طلب سے خالی نہیں ہے۔ چونکہ یہ ایک فطری جذبہ ہے۔ لہٰذا اس کی حفاظت وصیانت کا کام ایک اہم فریضہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اولاد کی تمنّا لے کر جینا اور خدا تعالےٰ سے اس ثمرِ روح کی خواہش کرنا کوئی سفلہ وحقیر عمل نہیں ہے۔ کیونکہ قرآنی شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت زکریّا علیہ السّلام نے پروردگار کے حضور میں اپنی ضعیفی ونقاہت اور دین حقّہ کی وراثت کی حفاظت کا مسئلہ یوں پیش کیا تھا۔

فَهَبْ لِي مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا ۙ يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ۝

(اے پروردگار مجھ کو اپنی رحمت سے ایک لڑکا عطا فرما۔ جو میرے دین اور آلِ یعقوب کے دین کا سچا جانشین و محافظ ہو۔ اے پروردگار! وہ بچہ تیرا مقبول و محبوب بندہ ہو۔)

اللہ تعالیٰ نے آپ کی دُعا کو شرفِ قبولیت بخشا۔ فرزند ارجمند کی بشارت دی۔ نام بھی رکھا۔ اور احسان و امتنان کے انداز میں ارشاد ہُوا کہ اے زکریاؑ تیرے بیٹے کی انفرادیت و امتیاز کا ایک پہلو یہ بھی ہے۔ کہ ہم نے اولادِ آدم میں آج تک اس نام کا کوئی پیدا نہیں کیا۔ دُعا کا پہلا حصّہ پُورا ہُوا۔ تو دوسرے حصّے میں بچّے کی پیغمبرانہ اہلیت کا سوال تھا۔ لہٰذا خدائے برتر نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی نبوّت کی دستار بندی کا اعلان ان الفاظ میں پیش کیا۔

وَآتَيْنَاهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ۙ وَحَنَانًا مِّن لَّدُنَّا وَزَكَاةً ۖ وَكَانَ تَقِيًّا ۙ وَبَرًّا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُن جَبَّارًا عَصِيًّا ۝

(ہم نے اس کو کمسنی میں حکم کا مرتبہ عطا کیا۔ اور اپنی طرف سے شوق اور پاکیزگیٔ فطرت مرحمت فرمائی۔ وہ پرہیزگار تھا۔ والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا اور ان کے حق میں سرکش اور نافرمان نہیں تھا۔)

قرآن حکیم کا مطالعہ کرنے والوں پر یہ امر روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ سیّدنا ابراہیم علیہ السلام بھی اپنے فرزندِ عزیز کو اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا چین سمجھتے تھے۔ اور یہی حقیقت سیّدنا یعقوب علیہ السلام کی مبارک زندگی کا نچوڑ تھی۔ حضرت نوح علیہ السلام کی پدرانہ شفقت کی داستان بھی پیغمبرِ وقت کے باپ ہونے کے منصب کو اُجاگر کرتی ہے۔ اور ادھر سیّد الاوّلین والآخرین صلّی اللہ علیہ وسلّم کے مبارک زانو پر جب آپ کے نورِ بصر سیّدنا ابراہیم علیہ السلام پر موت کی غشی طاری ہُوئی تھی۔ تو آپ کی نبوّت افروز آنکھیں حزن و ملال سے سرشک آلود ہو گئی تھیں۔ یہ اور باقی سینکڑوں واقعات انبیاء کرام کے پدرانہ مناصب شفقت

رافت کے جذبات اور تعلیم و تربیت کے اسلوب پہ روشنی ڈالتے ہیں۔

حضرتؒ کا مُبارک گھرانا

ایں خانہ ہمہ آفتاب است

ولایت کا ہر سانس نبوّت و رسالت کی مکمل زندگی کے بڑی حد تک تابع ہوتا ہے۔ انبیاء کرام کے معجزات کا ذکر اور اولیاء کرام کے کشف و کرامات کا بیان سامعین اور قارئین کو ضرور ورطۂ حیرت میں ڈالتا ہے۔ اور خدائے عزّوجل کی قدرتِ واسعہ کا معترف بننے میں ممد و معاون ثابت ہوتا ہے۔ مگر ان حضرات کی زندگی کے وہ پہلو جن کا تعلق عباداتؔ معاملات سے ہو۔ ان کا تذکرہ عام خلقِ خُدا کی ہدایت کا موجب بنتا ہے۔ لہٰذا آج ہم حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے افراد خانہ میں راعی اور فرد اکبر کی حیثیت سے دیکھنا چاہتے ہیں۔

اس گئے گزرے زمانے میں جب تہذیبِ مغرب نے اکثر مسلمانوں کو کتاب و سُنّت کی تعلیم سے بے بہرہ اور عمل سے محروم کر دیا ہے۔ خدائے ذو المنن نے حضرت قطب الاقطاب رحمۃ اللہ علیہ کے گھرانے کو وہ مجددانہ شرف بخشا ہے۔ کہ اس جگہ اسلام بڑی حد تک اپنے عملی رنگ میں نظر آتا ہے۔ اس نمایاں امتیاز و فوق کی اصل حضرت رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کی اہلیہ مکرمہ کے بزرگ والدین تھے۔ جن کی حُسن نیّت کا نتیجہ رحمت خداوندی بن کر ظہور پذیر ہُوا۔ اور یہ خاندان نورِ اسلام سے جگمگا اُٹھا۔ حضرت اقدس کے والدین ماجدین نے آپ کی پیدائش سے پہلے ہی آپ کو دین کی خدمت کے سلئے (محرّر) وقف کرنے کی نذر مان رکھی تھی۔ اور ادھر ہماری عفیفہ و صدیقہ امّاں جان رحمۃ اللہ علیہا کے ماں باپ نے آپ کی تربیت میں حضرت زکریّا علیہ السلام کے نقشِ قدم پر چل کر آپ کو مریم زمانی بنانے کا فریضہ ادا کرنے کا تہیّہ کیا ہُوا تھا۔ لہٰذا جب قدرتِ خداوندی کے فیصلے سے بہ مطابق ازدواجی زندگی کا یہ مقدس امتزاج ظہور میں آیا۔

تو پروردگارِ عالم کی فیاّضیوں نے اس گھر کو اپنی رحمتوں کا نشیمن بنا لیا۔

ننھے میاں جنابِ حسن کی پیدائش اور وفات

حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ ابتدا سے تا زندگی حضرت شیخ التفسیر مرحوم کے سرپرست رہے۔ حضرت سندھی مرحوم نے جہاں ہمارے آقائے رُوحانی کو علوم ظاہری کا تاجدار اور حریت آزادیِ فکر کا علمبردار بنایا۔ وہاں اپنی صاحبزادی کو بھی آپ کے عقد میں مرحمت فرمایا۔ تقریباً ایک سال کے بعد حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں بفضلِ ایزدی بچہ پیدا ہُوا۔ "حسن" نام رکھا گیا۔ مگر گلشن شباب کا یہ پہلا غنچہ ابھی مُسکرانے بھی نہ پایا تھا۔ کہ بادِ اجل نے سپچے کو اور شاخِ غنچہ کو نخلِ حیات سے جُدا کر دیا۔ صاحبزادہ حسن صرف سات دن تک جیا۔ اور اپنی والدہ ماجدہ کی اُنگلی پکڑ کر فردوس کو سدھارا اور زمرۂ غلمان میں داخل ہو گیا۔ انّا للہ و انّا الیہ راجعون۔ بچے نے اپنی ماں اور ماں نے بچے کا ساتھ نہ چھوڑا۔ مگر جانے والوں اور روٹھنے والوں کی دائمی جدائی نے حضرت والاجاہ کے دل کو ضرور مجروح کیا۔

محترمہ و مکرمہ عائشہ بی بی کی ولادت

اس سانحہ ارتحال کے ایک سال بعد آپ کا نکاح ثانی ہُوا۔ اور اس وقت بھی فطرت کی داد و دہش نے آپ کے سر پر رحمت کے پھُول برساتے۔ حضرت ابو محمد احمد جو اپنے وقت کے جیّد عالم دین اور پاکباز صوفی منش بزرگ تھے۔ آگے بڑھے۔ اور حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ کو ہزار شفقت سے اپنی دامادی میں لے لیا۔ قدرت الٰہی کے اقتضا کے مطابق حضرتؒ کے گھر لڑکی پیدا ہُوئی۔ جس کا نام عائشہ بی بی رکھا گیا۔ عائشہ بی بی نے اپنی مریم صفت والدہ ماجدہ کا دودھ پیا۔ اور جنیدِ وقت باپ کی شفقت بھری نگاہوں میں رہ کر پرورش پائی۔ اور وہ اب تک زندہ ہے۔ راقم الحروف کو ان کی دامادی کا شرف حاصل ہے۔ کمترین کو حضرت شیخ التفسیرؒ

کی بارگاہ ولایت میں تقریباً پندرہ سال حاضر ہونے کا موقعہ ملتا رہا۔ اب جس وقت اختر اپنی عصمت مآب نسبتی والدہ (ساس) کے حضور مادرانہ میں حاضر ہوتا ہے۔ تو اس بتول ولایت کی سیرت میں قطب الاقطاب باپ کے فردوسی کردار اور مشفقانہ تربیت کے نمایاں نقوش نظر آتے ہیں۔ القصّہ! یہ حیا و پاکدامنی کا مرقع اور نسوانیت کے شرف کی جیتی جاگتی تصویر اپنے ہر خدوخال اور اسلوب و اطوار میں اپنے باپ کے انوار کا عکس لئے ہوئے ہے۔ اور جب حضرت والا تبارؒ نے اپنی اس لختِ جگر کا نکاح حضرت مولانا نور اللہ دام اقبالہٗ سے کیا تھا تو سنا ہے کہ فقط اتنا ہی فرمایا تھا۔ کہ "بیٹا! علماء کرام کی اس جماعت میں آپ اوّل نمبر پر آئے ہیں۔ لہٰذا میں اپنی دختر نیک اختر آپ کے عقد میں دیتا ہوں۔" اللہ اللہ! ایک درویش صورت، سادہ پوش طالب علم کو اپنی دامادی میں قبول کیا جا رہا ہے۔ مگر اس کے نسب و حسب۔ جاہ و ثروت۔ ذریعہ معاش اور رہائشی مکان کا ذکر تک بھی نہیں کیا جاتا ہے۔ احیائے سُنّت کا یہ زرّیں نقشہ اور کتاب اللہ کی تعلیم کا یہ احترام کتنے لوگ ہیں جن کو فی زماننا ہذا حاصل ہے؟ ع

ان کی قسمت میں ہے جو لوگ ہیں قسمت والے

حضرت حافظ حبیب اللہ مہاجر مدنی کی ولادت باسعادت

حضرت عائشہ بی بی کی ولادت کے بعد پروردگار عالم نے حضرت اقدسؒ کے گھر ایک بچہ پیدا کیا جس کو کسی حد تک عصر حاضر میں وَلِنَجْعَلَهٗ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا کا مصداق مانا جائے۔ تو مبالغہ نہ ہوگا۔ ان مبارک گھڑیوں کی قدسی برکات کا کیونکر ذکر کیا جا سکے۔ ہاں قرآن حکیم نے سیّدنا عیسےٰ علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کے درجات کو یوں بیان فرمایا ہے:۔

وَالسَّلَامُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا

ترجمہ: "سلام ہے مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا۔ اور جس دن مروں گا اور جس دن مجھ کو دوبارہ زندہ اٹھایا جائے گا"

یہ انبیاء کرام کا ذکر ہے۔ لیکن اولیاء کرام کو بھی اس کا کوئی نہ کوئی حصہ ضرور ملتا ہے

ع یدِ بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

ہمارے مرحوم و مغفور والدِ روحانی نے جس طرح اپنی بیٹی کی تعلیم و تربیت میں اسلامی اقدار کو نگاہ میں رکھا تھا۔ اسی طرح اور عین اسی طرح چمنستانِ ولایت کے اس نونہال کی بھی پرورش شروع ہو گئی۔ یہ بچہ ماں باپ کی دعاؤں کا نچوڑ تھا۔ لہٰذا اس کے وجود سے والدین کی ہزاروں مسرتیں وابستہ تھیں۔ اب پہلی دعائیں خدائے ذوالمنن کی اس نعمتِ عظمیٰ کے شکریہ میں بدل گئیں۔ نعمتوں کی مسلسل بارش نے اس مقدس جوڑے کو خالقِ اکبر کی عبادت سے غافل نہیں کیا۔ بلکہ پہلے سے کئی گنا زیادہ توفیق عجز و نیاز عطا فرمائی۔ ہماری اماں جان جو پیرانہ سالی میں ہر روز ایک منزل قرآن مجید کی پڑھ کر دوسرا کام کرتی تھیں (آپ کے فرزند ارجمند حضرت عبیداللہ انور صاحب نے ایک دن درسِ قرآن مجید میں فرمایا تھا۔ کہ اماں جان کے تلاوت کے والہانہ شغف نے ہم کو ہمیشہ ناشتے سے محروم رکھا) ان کے آج سے چالیس سال پہلے کے ذوقِ عبادت۔ تلاوتِ قرآنِ حمید اور باقی امورِ دینی کے انہماک کا اندازہ خود کر لیجئے کہ کہاں تک ہوگا۔ وہ ذاکرہ و شاغلہ جس کی نمازِ تہجد ساری عمر شاید ہی قضا ہوئی ہو۔ جس کے فرائض کی ادائیگی میں فکرِ عبودیت اور نوافل گزاری میں عارفانہ جذب و سوز ہو جس کو فطرت کی بے پایاں عنایتوں نے عابدانہ صلاحیتوں سے نوازا ہو۔ جس کے گھر میں ساری زندگی قرآنی نغمات اور شام و سحر اللہ اللہ کی صدا آتی رہی ہوں۔ جس کا آقا سرپرست صدقِ مقال اور رزقِ حلال کا فطری طور پر خوگر ہو۔ اس کی آغوشِ رحمت میں جو بچہ پرورش پائے گا۔ اور اس کے سینے سے چمٹ کر اپنی معصومانہ خوراک حاصل کرے گا۔ وہ یقیناً ایک دن اسلافِ کرام کا مثیل ہوگا۔ دینِ حقہ

کے لئے اس کا وجودِ مسعود حجّت و برہان ہو گا۔ وہ الہامی سعادتوں کا نقیب اور اسلامی اقدار کا محافظ بنے گا۔ علمی رفعتیں اور صابرانہ توکل و غنا کے انوار اس کی جبین نیاز کو تابندہ و درخشاں رکھیں گے۔ ؎

جواں مردے کہ خود را فاش بیند
جہانِ کہنہ را باز آفریند
ہزاراں انجمن اندر طوافش
کہ او با خویشتن خلوت گزیند
(اقبال مرحوم)

والدین کی سعید روحوں نے اس خوش نصیب بچّے کی اسلامی تربیت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ سب سے پہلے قرآنِ عزیز کے حفظ کا اہتمام کیا گیا۔ قدرت نے حافظ حبیب اللہ صاحب کو جو کتاب و سُنّت کی فہم و ادراک کے لئے ذہنِ رسا عطا فرمایا تھا۔ اس کو والدین کی دُعاؤں نے اور بھی جِلا بخشی۔ لہٰذا ذہانت و فطانت کا یہ پیکر علوم متداولہ میں خوب مہارت پیدا کرنے لگا۔ باپ کی عارفانہ صحبت نے دین کا ذوق عطا کیا۔ اور اب ضروری کتب کی تحصیل کے بعد آپ کو مرکزِ اخیار و ابرار اور مرجع علماء و مشائخ دار العلوم دیوبند میں بھیجا گیا۔ وہاں کی علمی و رُوحانی فضا نے اس جوہرِ قابل کو فردوسی تابانی عطا کی۔ اور ہم اس حقیقت کو بکمال عرض کرنے میں باک نہیں رکھتے ہیں۔ کہ بزرگ والدین کی پاکیزہ دُعاؤں نے کندن بننے میں اس کی خوب دستگیری کی۔ دار العلوم میں ہزاروں طلباء تھے۔ مگر حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ کا نورِ نظر اپنے اساتذہ کرام (اولیاء کرام) کی آنکھوں کا تارا تھا۔ کیونکہ قطب دوراں حضرت مولانا مرحوم ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ کہ بیٹا! پچاس فیصد حصولِ علم اور پچاس فیصد اساتذہ کرام کا ادب ملحوظِ خاطر رہے۔ مدرسہ میں اس وقت حضرت سید محمد انور شاہ رحمہ اللہ قدس اللہ سرہٗ جیسے یکتائے روزگار علّامہ حضرت مدنی رح جیسے مجاہد کبیر اور شارحِ حدیث مردِ حق آگاہ اور مولانا شبیر احمد عثمانی رح جیسے دانائے رموز قرآنی موجود تھے۔ لہٰذا ہمارے آقا۔

ہمارے مکرم حافظ موصوف نے ان ہادیان دین متین سے خوب دل کھول کر کسب ضیا کیا۔ اور آخر کار جامعیت کی خلعت فاخرہ در بر کئے دارالعلوم سے لاہور واپس آئے محنت پژوہی اور سینہ کاویوں کا طالب علمانہ دور ختم ہوا۔ مگر ؎

دام ہر موج میں ہے حلقۂ صد کام نہنگ
دیکھیں کیا گزرے ہے قطرہ پہ گہر ہونے تک
(مرزا غالب)

قیام لاہور میں ابھی ہزاروں منزلیں باقی تھیں جن میں کسی مرد کامل کی رہنمائی کی ضرورت تھی۔ گھر میں حضرت والا تبار کے علاوہ حضرت مولانا سندھی رحمۃ اللہ علیہ کی آمد و رفت جذبۂ حریت کو تیز کرنے۔ تہذیب مغرب سے تنفر۔ سید العارفین امام روحانیاں حضرت شاہ ولی اللہؒ کے فلسفۂ اسلام کی ترویج و اشاعت کو لائحہ عمل بنانے اور ظاہری اسباب و علل سے مستغنی ہو کر زندگی بسر کرنے کا درس دینے کے لئے کافی و شافی تھی۔ کیونکہ مولانا موصوف ایک انقلابی قلب و نظر کے حامل تھے۔ ان کے کردار میں آسمانوں کی رفعت تھی۔ ان کے عزائم میں کوہساروں کی پختگی تھی۔ ان کے سینے میں شیروں کی بے خوفی تھی۔ وہ کسی کی رہنمائی قبول کرنے کو تیار نہ تھے۔ ان کے سامنے شمس العارفین حضرت شیخ الہندؒ کی مجاہدانہ زندگی کے ابواب کھلے ہوئے تھے۔ اور ان کی اپنی ضمیر ان کو پکار پکار کر کہتی رہتی تھی ؎

عصر حاضر با تو مے جوید ستیز
نقش حق بر لوح ایں کافر بریز
نقش حق داری؟ جہاں نخچیر تست
ہم عناں تقدیر با تدبیر تست

ہم نشینوں سے پوچھئے کہ حضرت مولانا سندھیؒ کیا تھے؟ اور ان کے ذوق پرواز کی فلک پیمائیاں کیا تھیں؟ وہ ان تھک ہمتوں کے مالک تھے۔ وہ ماحول کی تاریکیوں سے خائف ہونے کی بجائے ان میں بپھرتے تھے۔ وہ جوانمردانہ اقدام کے عادی تھے۔ وہ سنتے

تھے اور کوئی ان کو ہر وقت کہتا رہتا تھا ؎

شاہیں کبھی پرواز سے تھک کر نہیں گرتا

پُردم ہے اگر تُو تو نہیں خطرۂ افتاد

یہ حضرت سندھی رحمۃ اللہ علیہ کی مجذوبانہ۔ متوکلانہ اور سرفروشانہ داستانِ حیات تھی جو کسی نہ کسی حد تک اپنے حلقہ بگوشوں کو متاثر کیے بغیر نہیں رہ سکتی تھی۔ حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ آپ کی بڑی عزت و توقیر کرتے تھے۔ اور آپ کی اولاد بھی اسی طرح فرزندانہ تعظیم سے پیش آتی تھی۔

حافظ حبیب اللہ صاحب اب اپنے والدِ بزرگوار کی تجویز کردہ راہوں پر چل رہے تھے۔ اور درس و تدریس کا کام بڑے انہماک سے ہو رہا تھا۔ جب کہ آپ ۱۹۴۷ء میں حج بیت اللہ کے لئے مکہ معظمہ میں تشریف لے گئے۔ اور اس سے پیشتر بھی ایک دفعہ حج کیا تھا۔ لیکن ۱۹۴۷ء کے بعد اب تک تن تنہا مدینۃ الرسول میں مقیم ہیں۔ تقریباً ۱۷ سال سے حجازِ مقدس کی مبارک فضائیں آپ کی پرورش کر رہی ہیں۔ روضۂ رسولِ انس و جاں صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پرور بہاریں اور یزداں افروز محفلیں آپ کی طمانیتِ خاطر کا سامان مہیا کرتی ہیں۔ حج کے ایام میں آپ مکہ مکرمہ تشریف لاتے ہیں اور اُردو زبان میں ہند و پاک کے حجاج کرام کو درسِ قرآنِ مجید دیتے ہیں۔ اور حج کے فوراً بعد مدینہ منورہ واپس تشریف لے جاتے ہیں۔ اور مسجدِ نبوی کے بابِ صدیق رضی اللہ عنہ میں بیٹھ کر عربی زبان میں مدینہ والوں کو درس دیتے ہیں۔ حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ متعدد دفعہ حج و عمرہ کے لئے اُن کے پاس تشریف لے جاتے رہے ہیں۔ اور آپ کے ہمراہ ہماری محسنہ و صدیقہ اماں جان اور صاحبزادہ مولانا عبید اللہ انور یا حافظ حمید اللہ صاحب جاتے رہے ہیں۔ اب حضرتِ والا شان کے عالمِ جاودانی کو سدھارنے کے بعد اور پہلے بھی بے شمار احباب اور عقیدتمندوں نے بہ ہزار اخلاص عرض کیا ہے کہ آپ (حافظ حبیب اللہ صاحب) لاہور واپس تشریف لے آئیں۔ مگر آپ مدینہ منورہ کی فردوسی ملکوتی فضاؤں کو چھوڑنے کے لئے ہرگز ہرگز تیار نہیں ہیں۔ راقم الحروف نے بھی ایک طویل

عریضہ محترم حافظ صاحب کی خدمتِ اقدس میں بھیجا تھا جس کے جواب سے واضح ہوتا تھا کہ آپ رضائے الٰہی کے مطابق مدینہ منوّرہ میں مقیم ہیں۔ محترمہ و مکرمہ امّاں جان کی طرف سے بھی مادرانہ تقاضے پیش کیے گئے تھے۔ مگر ان کی طرف سے صبر کی تلقین۔ آخرت کی ملاقات کے وعدے۔ مدینہ منوّرہ کی مشکبار فضاؤں کے تذکرے کے سوا کوئی جواب نہیں ہوتا تھا۔ اور حقیقت ہے کہ اس مقام کی سعادات کا کیا کہنا۔ مسجدِ نبویؐ کا مقدس ماحول فرشتگانِ عرش و سما کی منزل۔ رحمتوں کا مہبط۔ انوارِ الٰہی کی دُنیا۔ تاجدارِ رسالتؐ کی آخری آرامگاہ۔ ذرّوں میں آفتاب پنہاں۔ چپّہ چپّہ پر صحابہ کرامؓ اور شہدائے عظام کے خون کی آمیزش۔ اصفیاءُ اتقیا کا مکتب۔ خسروی و درویشی کا مرکز۔ اسلامیان ادوار کا ملجا و ماویٰ اور ایک صاحبِ دل مقبولِ خدا کی زبان سے ؎

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ مے آید جنیدؒ و بایزیدؒ ایں جا

برکتوں اور رحمتوں کی بستی کو چھوڑ کر محروم دنیا میں کون قدم رکھے۔ طالبانِ صادق کے لئے تو علّامہ اقبال مرحوم فرما گئے ہیں ؎

مثلِ کلیم ہو اگر معرکہ آزما کوئی
اب بھی درختِ طور سے آتی ہے بانگ لاتخف

زہے نصیب! ایک ہندی نژاد۔ ان فضاؤں میں پلا ہُوا۔ والدین کی مادری زبان پنجابی۔ مگر فضلِ ایزدی کی سیلِ پایانی پر غور کیجیے کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی طرح مسجدِ نبویؐ میں بیٹھ کر کتاب و سنّت کی خدمت کے لئے اپنا ہر لمحہ حیات وقف کیے ہوئے ہے ؎

صحبتِ پیرِ رومؒ سے مجھ پہ ہُوا یہ راز فاش
لاکھ حکیم سر بجیب۔ ایک کلیم سر بکف

یہ چیزیں عقل و خرد کے پیمانوں سے نہیں ماپی جا سکتیں۔ ان کا تعلق وجدان صحیح اور رُوح مطمئنہ سے ہے۔ ہم تو اندھوں کی سی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ بقول حضرت شیخ التفسیرؒ "یہ پاگلوں کا جہان ہے" ہاں قیامت کے دن اولاد آدم کے اجتماع میں چودھویں صدی کے اس لادینی کے دور کے جب تمام افراد اکٹھے کئے جائیں گے۔ اور ہم کو بفضل ایزد متعال ہمارے آقا حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے فرزند جلیل حضرت حافظ حبیب اللہ مہاجر مدنی کا دیدار نصیب ہوگا اور اُن کے چہروں پر نَضْرَةَ النَّعِيمِ کے انوار ہوں گے۔ تو ہم کور باطنوں۔ ہوس پرستوں اور تہذیب حاضرہ کے متوالوں کو یقین آجائیگا کہ ہم نے اپنی اولاد کو امریکہ اور لنڈن بھیج کر ان کو اور اپنے آپ کو قعر جہنم میں دے مارا ہے۔ اور حضرت شیخ التفسیر قطب دوراں نے تمام دُنیا کی خرافات سے مُنہ موڑ کر دین حنیف پر گامزن ہوتے ہُوئے مرسلانہ استقامت سے اپنے نورِ بصر کو دیارِ رسول اللہ ؐ میں خدمت دین کے لئے بھیجا۔ اور آج آپ کو اور اپنے فرزند ارجمند کو جنّت فردوس کا وارث بنا لیا ہے۔ ؎

ایں راز ہے مردانِ حُر کی درویشی
کہ جبرئیل سے ہے اس کو نسبت خویشی (اقبال مرحوم)

حضرت حافظ حبیب اللہ صاحب کے بعد اس مبارک گھر میں اور بچوں نے بھی جنم لیا۔ جن میں صاحبزادہ حفیظ اللہؒ اور صاحبزادہ عبید اللہؒ بھی تھے جو ابتدائے بہار میں ہی مُرجھا گئے۔ اور اسی طرح دو بچیاں بلوغت کے قریب پہنچ کر اللہ کو پیاری ہوئیں اور ایک صاحبزادی مرحومہ جو کہ حضرت مولانا عبد المجید مرحوم کے عقد میں تھیں۔ دو لڑکیاں اور ایک لڑکا عبد الوحید ناحی چھوڑ کر ملک عدم کو سدھاریں۔ اس موقعہ پر یہ واقعہ قابل ذکر ہے کہ حضرت والا جاہ اپنے مغموم دل سے ان بچوں میں سے بعض کی قبور پر تشریف لے جاتے تھے اور حالت کشف میں جو گفتگو ہوتی تھی۔ اس کو حضرت اماں جان سے آکر پیش کرتے تھے۔

جانشین حضرت شیخ التفسیرؒ مولانا عبید اللہ انور صاحب

اب حضرت مولانا عبید اللہ انور صاحب کا ذکرِ خیر نہایت اختصار سے پیش کیا جاتا ہے آپ اپنے برادرِ عزیز حافظ حمید اللہ صاحب سے بڑے ہیں۔ اور اپنے قطب الاقطاب والدِ محترم کے جانشین ہیں۔ آپ کو فرشتہ سیرت والدین نے ابتدائی کتب متداولہ کی تحصیل کے بعد دار العلوم دیوبند بھیجا۔ وہاں آپ نے اکابرِ دین کی سرپرستی میں دورۂ حدیث کے علاوہ باقی ضروری علوم کی سندات حاصل کیں۔ اور واپس آکر اکثر وقت اپنے والدین کی خدمتِ عالیہ میں حاضر رہے۔ اور تھوڑا سا عرصہ کراچی میں بھی قیام پذیر رہے۔ اب حضرتِ اقدس کے ارشاداتِ گرامی کے مطابق آپ مسندِ خلافت پر رونق افروز ہیں۔ وُہ فرائض جن کی ذمہ داری حضرت کی ذاتِ والا صفات پر تھی۔ وُہ اب آپ کے ذمہ ہیں۔ جن کو حسبِ توفیق بطریقِ احسن سرانجام دے رہے ہیں۔ للّٰہیت اس خاندان کا فطری جوہر ہے۔ وَاِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہ ان کا آبائی ورثہ ہے۔ صبح کا عام درس۔ علمائے کرام کی جماعت کو یکم رمضان سے ذیقعدہ کے اخیر تک تفسیر پڑھانا جمعہ کا خطبہ۔ ذکرِ جہر کی حاضری۔ عقیدت کیشوں سے ملاقات اور اندرونِ شہر اور بیرونِ شہر پاکستان کے مختلف مقامات پر رضائے الٰہی کے لئے تبلیغی مشن پر تشریف لے جانا۔ یہ اور باقی دینی امور جو ایسی بابرکت ہستیوں سے وابستہ ہوتے ہیں، کو پُورا کرنا آپ کے لائحہ عمل میں شامل ہے۔ آپ کی سیرت تمام اخلاقِ حمیدہ کی آئینہ دار ہے۔ شباب کے باوجود زبان میں بزرگانہ شیریں مقالی۔ اطوار و کردار میں مربیانہ مروّت۔ بشرہ پر ذہانت کے انوار۔ آنکھوں میں پاکیزگی فطرت کی جھلک۔ حلم و حیا میں عثمانی صفت۔ اقربا و اعزّہ میں ہردلعزیز۔ اغیار میں ممدوح و موصوف اور اس پر طُرّہ یہ کہ لاکھوں مہجوروں کے والدِ مشفق حضرت شیخ التفسیر مرحوم کی جیتی جاگتی نشانی۔ ع

الحاج مولانا سیف الدین صاحب بہاری

آپ فارغ التحصیل عالم ہیں صوبہ بہار کے باشندے ہیں۔ تقریباً عرصہ تیس سال سے مسجد میں درویشانہ زندگی بسر کر رہے ہیں۔ درس و تدریس کا شغل رکھتے ہیں حجۃ اللہ البالغہ کے درس میں ہمیشہ شامل رہے ہیں۔ درویشی۔ استغناء للّٰہیت اور ذوقِ عبادت آپ کا زیور ہے۔ پروردگار عالم نے آپکو حج بیت اللہ کا شرف بھی بخشا ہے۔ ان پر حضرت ابوہریرہؓ کی سیرت کے انوار غالب نظر آتے ہیں۔

بابا قاسم دین صاحب حاجی

سیالکوٹ کے قصبہ چندر کے راجپوتاں کے باشندے ہیں مسجد میں برسوں سے مجذوبانہ زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اگرچہ قوتِ گویائی اور شنوائی شروع سے ہی کمزور ہے لیکن اس کے باوجود قرآن مجید کا ترجمہ جانتے ہیں۔ ہم نے برسوں سے ان کو باجماعت نمازوں میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے دائیں جانب کھڑے دیکھا ہے۔ اللہ تعالےٰ کے لطف و کرم سے بذریعہ ہوائی جہاز حج بھی کر آئے ہیں۔

حاجی تاج دین مرحوم مؤذّن

اگر یہ کہا جائے کہ حضرت کی ساری زندگی میں مسجد لائن سبحان خاں میں آپ نے نہایت اہتمام سے پنجوقتہ نمازوں میں مؤذّن کا فریضہ ادا کیا ہے۔ تو مبالغہ نہ ہوگا۔ نہایت متقی پرہیزگار اور سادہ پوش بزرگ تھے۔ حضرت کی فوتیدگی سے تقریباً ایک سال بعد آپ کی جدائی کا صدمہ برداشت نہ کرتے ہوئے راہیٔ ملک بقا ہو گئے۔

قاری محمد ابراہیم صاحب

ابتداً حضرت دین پوری رحمۃ اللہ علیہ کی عارفانہ صحبت سے فیضیاب ہوتے رہے۔ بعد ازاں لاہور میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسجد کا پیش امام مقرر فرمایا۔ آپ مدت تا مدید تک حضرتؒ کی زندگی میں امامت کے فرائض ادا کرتے رہے۔ ان دنوں

اپنے حالات کے پیش نظر گکھڑ میں سکونت پذیر ہیں۔ اب اُن کی جگہ قاری غلام فرید صاحب حضرت کے مقرر کردہ امام ہیں۔ آپ نہایت خوش الحانی سے حُسینی لہجہ میں قرآن پڑھتے ہیں۔

مولوی مُحمّد صابر صاحب

ابتدا میں ٹھٹھہ میاں علی کے عربی مدرسہ میں طالب علم رہے۔ حضرت مولانا محمد شعیب صاحبؒ خلیفہ مجاز حضرت شیخ التفسیرؒ سے ابتدائی متداولہ کتابیں پڑھیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی والہانہ محبت سے سرشار ہوکر آپ کی خدمت میں لاہور حاضر ہوئے۔ سُنا گیا ہے۔ تقریباً ایک سال تک آپ پر دیوانگی کی حالت طاری رہی۔ بعض اوقات حضرتؒ کے دروازہ کے سامنے زمین پر لیٹے رہتے تھے۔ بعد ازاں یہ حالت دُور ہوئی تو حضرتؒ کی شفقت سے علماء کی جماعت میں پڑھ کر سندِ فراغت بھی حاصل کی۔ انہوں نے اپنی زندگی کو حضرت کی خدمت کے لئے وقف کیا ہُوا تھا۔ ان کی طبیعت میں انکساری تواضع تسلیم و رضا اور خدمت کے جوہر کوٹ کوٹ کر بھرے ہُوتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی خدمت کے علاوہ اُن کو مہمانوں کی خاطرداری پر بھی مامور فرما رکھا تھا جس کو وہ برسوں تک بطریق احسن سرانجام دیتے رہے۔ حضرتؒ ان کو اپنے بیٹوں کی طرح عزیز سمجھتے تھے۔ اور اپنی زندگی میں ان کے تقاضے کے باوجود بھی اُن کو اپنی صحبت سے دُور نہ ہونے دیا۔ حضرتؒ نے ان کی شادی کا انتظام بھی خود ہی فرمایا اور ان کے خورد و نوش کے مصارف بھی حضرتؒ کے ذمہ ہی تھے۔ حضرتؒ کی وفات کے بعد آپ کراچی تشریف لے گئے ہیں۔ اور وہاں مسجد و مدرسہ انجمن خدام الدین کے خطیب و مدرس ہیں۔ گزشتہ سال آپ نے حج کا فریضہ بھی بفضلہٖ تعالےٰ ادا کر لیا ہے۔

منشی سلطان احمد صاحب (گجراتی)

انجمن خُدام الدین کے نہایت دیرینہ محرّر ہیں۔ جوانی کے تمام ایّام آپ نے اسی

خدمت میں گزارے۔ اب آپ اپنے حالات کے پیش نظر انجمن کی ملازمت چھوڑ چکے ہیں۔ تاہم مسجد میں نمازوں کے وقت ہمیشہ دیکھے جاتے ہیں۔ آپ نہایت تجربہ کار خوش خلق اور کامیاب شخصیت کے مالک ہیں۔

بابو عبدالرحیم صاحب

نہایت بزرگ صورت اور نیک سیرت انسان ہیں۔ حضرتؒ کی خدمت میں رہ کر عبادت کا ذوق حاصل کیا۔ جس کو اللہ تعالےٰ استقامت کے ساتھ نبھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ حضرتؒ سے محبّت کی بنا پر ہمیشہ حضرتؒ کے سادہ اور بزرگانہ لباس میں نظر آتے ہیں۔ خوش اطواری، ملنساری اور شیریں مقالی میں اپنی نظیر آپ ہیں۔ ہر کہ و مہ سے شفقت سے پیش آتے ہیں۔ آپ انجمن خُدّام الدین کے اعزازی لائبریرین بھی ہیں۔

بابو کرم دین مرحوم

محکمہ ریلوے سے ریٹائر ہونے کے بعد بلا معاوضہ مسجد لائن سبحان خاں کی خدمت کرتے رہے۔ صبح سے شام تک مسجد کے تمام امور کی دیکھ بھال احسن طریق سے فرماتے تھے۔ مخلصانہ خدمات کے سرانجام دینے میں مثالی حیثیت رکھتے تھے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اُن کے کام پر دل و جان سے خوش تھے۔

قاضی مُرید حسین مرحوم

ریٹائرڈ پوسٹ ماسٹر تھے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت نے بے لوث خدمات کا بفضلِ خُدا ذوق عطا فرما رکھا تھا۔ روزانہ تین چار گھنٹے انجمن کے حسابات کی پڑتال آپ کا دلی مشغلہ تھا۔ حضرتؒ نے آپ کی دیانت کے پیش نظر آپ کو انجمن کا ناظم مقرر کیا ہوا تھا۔

جہاں تک انجمن کی حاضری کا تعلق تھا۔ آپ پابندیِ وقت کی زندہ جاوید مثال تھے۔ اب آپ کی جگہ ہمارے محترم میاں غلام حسین صاحب ناظم انجمن کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔

الحاج چوہدری عبدالرحمٰن مرحوم

(ایم۔ اے۔ ایل ایل بی ریٹائرڈ اسسٹنٹ سکریٹری سابق پنجاب)

مرحوم علومِ حاضرہ سے مزیّن ہونے کے علاوہ دینی واقفیّت میں بھی بڑی مہارت رکھتے تھے۔ آپ نے حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ کے درسِ قرآن مجید میں برسوں بیٹھ کر قرآن فہمی کی دولت حاصل کی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ جب سفر پر تشریف لے جاتے تھے۔ تو چوہدری مرحوم و مغفور آپ کی جگہ درس قرآن مجید کا اہم فریضہ ادا فرمایا کرتے تھے۔

ملازمت کے باوجود آپ کے دل میں انجمن خدّام الدین کو فروغ دینے کا بے پناہ جذبہ تھا۔ آپ جب تک لوکل باڈیز کے انسپکٹر رہے۔ انجمن کے اغراض و مقاصد کی نشر و اشاعت میں نہایت قابلِ ذکر حصّہ لیتے رہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ آپ پر پورا اعتماد اور اکثر امور میں آپ سے مشورہ فرماتے تھے۔

احقر الانام کو وہ وقت یاد ہے۔ جب حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مربّیانہ انداز میں بار بار فرمایا تھا۔ کہ "چوہدری صاحب آپ ہی ہفت روزہ خدّام الدین کے بانی ہیں۔ آپ نے جو بے لاگ خدمات سر انجام دی ہیں اللہ تعالےٰ اُن کو شرفِ قبولیت عطا فرماتے" ہفت روزہ کی آفرینش سے لے کر شباب تک تمام مراحل میں آپ نے بلا اُجرت مخلصانہ اقدامات کی امتیازی شان حاصل کی۔ آپ نقاہت اور پیرانہ سالی کے باوجود مسجد میں باجماعت نماز پڑھا کرتے تھے۔ آپ اپنی کوتاہیوں پر نادم اور اپنی حسنات کو فراموش کرنے والے مسلمان تھے۔

آخری عمر میں آپ نے مسلسل بیماری اور نقاہت کی وجہ سے انجمن کے کام سے دستبرداری کی۔ مگر انجمن کی ترقی اور کامیابی کے جنون کی حد تک خواہاں رہے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سے تقریباً ڈیڑھ سال بعد آپ نے داعیِ اجل کو لبیک کہا ہم اپنے محترم چوہدری مرحوم کی رُوح پُر فتوح کو لاکھوں بار مبارک باد کا مستحق سمجھتے ہیں کہ اُن کو میانی صاحب کے بابرکت قبرستان میں سیّد العارفین امام الاتقیاء حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ کی ہمسائگی میں جگہ ملی ہے۔ ہم تو اس رفاقت کو سعادتِ دارین سے ہی تعبیر کریں گے۔ آپ کی قبر کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے اس قدر قریب دیکھ کر یاد آتا ہے۔ ؎

مکتبِ عشق کا دیکھا ہے نرالا دستور
اُس کو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا

حضرت رحؒ کے معمولات

اس موقعہ پر حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ کے معمولات کو نہایت اختصار سے پیش کیا جاتا ہے۔ تاکہ قارئین کرام کو اُس ربّانی شخصیّت کی عملی زندگی سمجھنے میں آسانی ہو۔ آپ کے منجھلے صاحبزادہ حضرت مولانا قاری عبیداللہ انور صاحب۔ آپ کی بڑی صاحبزادی صاحبہ اور آپ کے نواسہ حافظ عبدالوحید صاحب نے اندرونِ خانہ معمولات کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

حضرت کے جانشین مولانا قاری عبیداللہ انور صاحب کا بیان

"ہم نے اپنی والدہ ماجدہ رحمۃ اللہ علیہا سے متعدد دفعہ سُنا تھا۔ کہ جب ہم ابھی بچے ہی تھے۔ تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ بازار سے سودا سلف خرید کر لایا کرتے تھے۔ والدہ محترمہ کے بیمار ہونے کی صورت میں اپنے ہاتھوں سے آٹا گوندھتے۔ سالن تیار کرتے اور بیمار کے خاص کھانے کی تیاری بھی خود ہی فرماتے تھے۔ ساری زندگی گھر میں کوئی خادم یا خادمہ

رکھنے کی نوبت نہیں آئی۔ کیونکہ والدہ محترمہ تندرستی کی حالت میں گھر کا تمام کام کاج خود ہی کرلیتی تھیں۔ اور ہماری بہنیں آپ کا ہاتھ بٹاتی تھیں۔ جب ہم قدرے بڑے ہو گئے تو سودا سلف کی خرید ہماری ذمہ داری پر چھوڑ دی گئی۔

ہمارے بچپن کے زمانے میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ مکان کے نچلے حصے سے تیسری منزل تک پانی خود لے جایا کرتے تھے۔ اور والدہ محترمہ کا بیان ہے کہ قیام سندھ کے ایام میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ دونوں وقت باہر کنواں سے پانی اُٹھا کر لاتے تھے۔ اور کنواں گھر سے تقریباً ڈیڑھ فرلانگ کے فاصلے پر تھا۔ ہفتے میں دو تین دفعہ نماز عصر کے بعد جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتے تھے۔ جو جلانے کے کام آتی تھیں۔ اور اسی طرح طالب علمی کے دنوں میں جب آپ امروٹ شریف اور پیر جھنڈا میں حضرت سندھی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس رہتے تھے تو حضرت سندھیؒ کے گھر کے لئے پانی بھرنا۔ جنگل سے لکڑیاں لانا۔ حضرت سندھیؒ اور اپنے چھوٹے بھائیوں (محمد علی صاحب عزیز احمد صاحب اور رشید احمد صاحب) کے کپڑے دھونا آپ کا عام معمول تھا۔

احقر کی اہلیہ اور ان کی والدہ محترمہ نے کمترین سے بیان فرمایا ہے کہ حضرت باہر کا دروازہ بند کرلیتے اور جمعہ کی صبح ہمیشہ اپنے کپڑے اپنے ہاتھوں سے صاف کرتے تھے۔

گھر میں چھوٹے بچوں کے کپڑے اماں جی مرحومہ دھویا کرتی تھیں۔ اور جوں جوں بچے اپنی عمر کو پہنچتے گئے۔ اپنا کام اپنے ہاتھوں سے کرتے رہے۔

حضرت مولانا عبید اللہ انور صاحب کا ارشاد ہے کہ کبر سنی میں جب آپ کو فالج اور وجع المفاصل جیسی موذی امراض نے پریشان کیا۔ اور کثرتِ مشاغل۔ نقاہت اور ملاقاتیوں کے انبوہ دراز وہ آنے لگے۔ تو آپ نے مجبوراً کپڑے دھونے کے معمول کو ترک فرمادیا۔ لیکن آپ ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ دھوبی کپڑے صاف کرلیتے ہیں۔ مگر پاک نہیں

کرتے ہیں۔

ایک نیک طبیعت دھوبی نے آپ کے کپڑے صاف کرنے کا وعدہ کیا ہوا تھا مگر پھر بھی دھوبی کے دُھلے ہُوئے اور استری کئے ہُوئے کپڑے گھر پہ پانی میں تین دفعہ ضرور پاک کئے جاتے تھے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ابتدائے عمر سے سفید کھدّر کا لباس زیبِ تن فرمایا۔ تو زندگی کے آخری دن تک وُہی لباس رہا۔ بلکہ اپنے کفن کی چادریں بھی سفید کھدر سے تیار کروائیں حج اور عمرہ سے واپس تشریف لاتے تو احرام کی چادروں کا کفن سلا کر رکھ لیتے۔ اور اُن پہ اپنے دست مبارک سے تحریر فرمایا کرتے تھے۔ "یہ احمد علی کا کفن ہے۔"

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۴ دفعہ حج و عمرہ کی سعادت حاصل کی اور زندگی کے آخری دنوں میں مع اہل و عیال سفرِ حجاز پر تشریف لے جایا کرتے تھے۔ آپ نے ساری زندگی حتی الامکان اس بات کی پُوری احتیاط فرمائی ہے۔ کہ بے نماز کے ہاتھوں کا پکا ہُوا کھانا نہ کھایا جائے۔ اس سلسلے میں بے شمار واقعات موجود ہیں۔ جن سے آپ کی اس عادت مبارکہ کی تائید ہوتی ہے۔ مگر اس جگہ صرف ایک دو واقعات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

۱۹۲۶ء میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ مع اہل و عیال بحری جہاز پر حج کے لئے تشریف لے گئے۔ جہاز میں کھانا پکانے والا عملہ بے نماز تھا۔ حضرت ہر روز پون گھنٹہ درس قرآن مجید دیا کرتے تھے۔ جہاز میں سندھی حجّاج کرام بھی تھے۔ اُن کی استدعا پر آپ سندھی میں بھی تقریر فرمایا کرتے تھے۔ اکثر و بیشتر آپ کو فارسی زبان میں بھی مسائل بیان کرنے ہوتے تھے۔ کیونکہ افغانستان کے لوگ بھی آپ کے ہمسفر تھے۔ علاوہ ازیں آپ اپنے اوراد و وظائف میں مستغرق رہتے تھے۔ آپ کو یہ سُن کر بڑی حیرت ہوگی کہ حضرت نے جہاز میں آٹھ دن تک کھانا نہیں کھایا۔ آپ کھانا پکانے والوں کو نماز پڑھنے کی ہدایت کرتے رہے۔ اور وُہ نماز پڑھنے کا وعدہ کرتے رہے۔ مگر آخری دن تک اُنھوں نے نماز نہیں پڑھی اور نہ ہی حضرت نے اُن کا

پکا ہُوا کھانا کھایا جب یہ جہاز جس کا نام ایس ایس انگلستان تھا۔ جدّہ شریف میں پہنچا۔ تو حضرت بھوک سے نڈھال ہو رہے تھے۔ ساحل پر اُترتے ہی آپ نے ایک بھُنی ہُوئی مچھلی کھائی۔ جس کے نتیجے میں آپ کو پیچش کا عارضہ لاحق ہو گیا۔ اور تقریباً ایک ماہ تک آپ اس تکلیف میں مبتلا رہے۔ لیکن حضرتؒ اس بات پر خوش تھے۔ کہ ہم اس سفر میں کچھ حاصل کرنے کے لئے آئے ہیں۔ کھانے کے لئے نہیں آئے ہیں۔ الحمدللہ! بے نمازوں کا پکا ہُوا کھانا نہ کھانے سے دل سیاہ ہونے سے بچ گیا۔ اور عبادتِ الٰہی میں خشوع و خضوع بھی محفوظ رہا۔

ایک اور واقعہ ہدیۂ قارئین کیا جاتا ہے۔ جو کہ آپ کی مُبارک زندگی کا معمول بن چکا تھا۔ جب کبھی آپ تبلیغی دورے پر تشریف لے جاتے تھے تو دعوت دینے والے سے مشروط وعدہ فرماتے تھے۔ "خُدا تعالیٰ نے توفیق دی۔ کرایہ ہُوا۔ تو آؤں گا۔ ورنہ نہیں آؤں گا۔" قابلِ ذکر یہ بات ہے۔ کہ دوسروں سے کرایہ نہیں لیتے تھے۔ بعض خاندانوں سے آپ کے تعلقات برسوں سے چلے آتے تھے۔ اور آپ اُن کی دعوت پر اُن کے ہاں متعدد دفعہ تشریف بھی لے جا چکے تھے۔ مگر اُن کے گھر کا پانی تک بھی نہیں پیتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ نواب محمد حیات خاں صاحب قریشی (ذاکر قریشی کے والد بزرگوار) حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہُوئے۔ اس سے پہلے بھی آپ کے پاس آتے جاتے تھے۔ اس دفعہ انھوں نے عرض کیا کہ آپ پانچ چھ دن تک ہمارے ہاں قیام فرمائیں۔ کیونکہ ہمارا علاقہ دینی لحاظ سے بہت ہی پسماندہ ہے۔ حضرتؒ نے فرمایا مَیں جانے کے لئے تیار ہوں۔ لیکن شرط یہ ہے۔ کہ مُجھ کو آمدورفت کے کرایہ اور کھانا کھانے پر مجبور نہ کیا جائے۔ نواب صاحب نے جواب دیا۔ کہ حضُور! آپ فکر نہ کریں۔ ہم گناہگار آپ کے کھانے کا انتظام اپنے گھر پر نہیں کریں گے۔ بلکہ کسی پابندِ صوم و صلوٰۃ آدمی کے گھر کروا دیں گے۔ لیکن حضرت نے فرمایا۔ کہ آپ مجھ کو میرے حال پر چھوڑ دیں۔ مَیں خود ہی بندوبست کر لوں گا۔ اُن دنوں حضرتؒ سفر میں اپنے ہمراہ چمڑے کا ایک مصلّٰہ اور ایک بہاولپوری کوزہ رکھا کرتے تھے۔ باقی کوئی سامان آپ کے پاس نہیں ہوتا

تھا۔ اس سفر پر آپ نے چنے بھنوا لیے۔ اور مصلّے کے اندر باندھ لیے۔ اور نواب محمد حیات کے ہاں تشریف لے گئے۔ دن بھر درس و تدریس اور اللہ اللہ کرنے کرانے میں گزرتا۔ رات کو آپ اُن چنوں میں سے کچھ چبا لیتے۔ اور پانی پی لیتے۔ لہٰذا آپ نے وہاں کے قیام میں چنوں پر ہی گزارہ کیا۔ حضرتؒ فرمایا کرتے تھے۔ کہ دُنیا دار کی غرور کی گردن کو کاٹنے کے لئے مَیں نے استغنا سے تیز دھار آلہ نہیں دیکھا۔ اکثر فرمایا کرتے تھے۔ کہ اگر مَیں دُنیا داروں سے تحفے تحائف لیتا۔ اور مُرغ پلاؤ کھاتا۔ تو شیطان اُن کو سکھاتا۔ کہ حضرت صاحب خاطر مدارات بھی کروا گئے۔ کرایہ کے نام سے پیسے بھی لے گئے۔ اور ہمیں وعظ بھی سُنا گئے بعوض معاوضہ گلہ ندارد! اس طرح سے میرے یہ سارے اوقات رائگاں جاتے۔ نہ اُن کی آخرت سنورتی اور نہ مَیں ہی عند اللہ ماجور ہوتا۔"

المختصر! حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا یہ طریق تبلیغ ہر جگہ کامیاب رہا۔ اور آپ کے ایک دفعہ تشریف لے جانے سے اصلاحِ حال کا کام شروع ہو جاتا تھا۔ فرمایا کرتے تھے! لاہوریو! اللہ تعالیٰ نے آپ لوگوں کو قرآن سُنانے کے لئے مجھ کو دہلی سے ہنسفکڑی لگوا کر یہاں بھجوا دیا ہے۔ کوئی دہلی والا یا افغان نہیں بھیجا ہے۔ مَیں پنجابی ہوں۔ آپ کی فطرت اور عادات و اطوار کو خوب جانتا ہوں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ مجھ سے اصلاح حال کا کام لے رہا ہے۔

اگرچہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی عباداتِ شبانہ روز کا ذکر بفضلہ تعالیٰ حصّہ دوم میں شرح و بسط سے کیا جائے گا۔ مگر معمولات میں اُن کی طرف اشارہ کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ آپ تمام زندگی نمازِ تہجد کی پابندی فرماتے رہے۔ اکثر آٹھ رکعت نماز پڑھی جاتی۔ اور بعد ازاں حفظ کردہ آیات قدرے بالجہر پڑھی جاتیں۔ باجماعت نماز پڑھنے کی بڑی سختی سے پابندی کی جاتی تھی۔ اور اکثر اقامت سے پہلے صفِ اوّل میں تشریف لے آتے تھے۔ اور جلدی جلدی اپنی جگہ پر پہنچ جاتے تھے۔ منشی سلطان احمد صاحب کا بیان ہے کہ ایک دفعہ جناب مولا بخش سمرو وزیر اعظم سندھ حضرتؒ کی ملاقات کے لئے حاضرِ خدمت ہوئے۔ تو

آپ نے رستے میں چلتے چلتے اُن سے بات چیت کی۔ کیونکہ جماعت کا وقت ہو رہا تھا۔ رانا شیر جنگ جیسے معزز خدام آتے۔ لیکن نماز کی پابندی میں ہرگز فرق نہ آتا تھا۔

نمازِ فجر کے بعد اپنے خاص حجرے میں تشریف لے جاتے تھے۔ تفسیر خازن یا اور ضروری عبارات پر نظر ڈالتے تھے۔ کچھ مخصوص خدام ساتھ اندر چلے جاتے تھے۔ آخری عمر میں اگر اُس وقت چند منٹ آرام فرماتے۔ تو خدام میں سے اپنی گھڑی کسی کے حوالے کر دیتے تھے۔ زیادہ سے زیادہ دس پندرہ منٹ آرام کیا جاتا۔ اور پھر تازہ وضو فرما کر سیدھے درس گاہ کی مسند پر تشریف لے جاتے تھے۔ قرآن مجید کا ایک رکوع تلاوت فرماتے۔ سلیس ترجمہ کرتے۔ اور پھر نزولِ آیات کے ماحول کے پیشِ نظر سابقہ مفسرین کی تشریح و توضیح کی روشنی میں بیان فرماتے۔ فرمایا کرتے تھے۔ کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عہدِ مبارک میں ان آیات کا یہ مطلب سمجھا گیا ہے بعد ازاں الاعتبار و التاویل کے طور پر اُن آیات کی زمانہ حاضرہ کے حالات پر تطبیق فرماتے تھے۔ پروردگار عالم نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو نصوصِ قرآنی سے معانی کے استخراج مطالب و مفاہیم کے استنباط اور پھر عصرِ حاضر کے ساتھ اُن کی تطبیق کا وہ ملکہ عطا فرما رکھا تھا۔ کہ جس کی مثال شاید و باید ہی مل سکتی ہے۔ احقر تو اُن دنوں کہا کرتا تھا۔ کہ شہد کی مکھی کی طرح پروردگار دو جہاں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی جبلت میں وہ استعداد رکھی ہے۔ کہ قرآن مجید کے الفاظ سے صحیح معانی نکالنے میں آپ کو یدِ طولیٰ حاصل ہے۔

درس قرآن مجید کے بعد تمام حاضرین حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے مصافحہ کرتے۔ حضرتؒ نہایت متانت اور شفقت سے لوگوں کے چہروں پر نظریں ڈال کر مصافحے کا جواب دیتے۔ چند ضروری امور کی تکمیل کے لئے تھوڑے وقت تک آپ مسند پر ہی تشریف فرما رہتے۔ بعد ازاں اُٹھ کر حجرے میں تشریف لے جاتے۔ اہلِ حاجت مرد و زن حضرات کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ آپ سب لوگوں کو نہایت شفقت سے ملاقات کا موقعہ مرحمت فرماتے تھے۔

گھر کو تشریف لے جاتے تھے۔ تو بعض خدام ساتھ ہو لیتے تھے۔ اگر کسی نے کچھ عرض کرنا ہوتا تو وہ قدرے قریب ہو جاتا۔ رستے میں چھوٹے چھوٹے بچے ابا جی کہہ کر سلام کرتے اور آپ نہایت محبت سے اُن کو جواب دیتے تھے۔

نمازِ عشاء کے بعد گھر تشریف لاتے تھے۔ چند خوش نصیب خدام آپ کی معیت میں دہ ولایت تک آتے تھے۔ اُن کو رخصت کرنے کے بعد دروازہ کھولا جاتا۔ تقریباً تمام افرادِ خانہ آپ کے استقبال کے لئے نیچے دروازے تک آتے تھے۔ حضرتؒ چھوٹے بچوں کو اپنا بٹوا پکڑوا دیتے تھے۔ اُوپر جا کر اُن کو انعام دیتے تھے۔ گھر میں اکثر ایک بلّی ہوتی تھی۔ وہ بھی افرادِ خانہ کے ساتھ دوڑ کر دروازے تک آتی تھی۔ کھڑکی میں بیٹھ کر بار بار تکتی رہتی تھی۔ حضرتؒ اُس سے پیار کیا کرتے تھے۔ اگر حافظ حمید اللہ صاحب یا قاری عبید اللہ انور صاحب کے گھروں میں کسی کو کوئی تکلیف ہوتی۔ تو آپ اُن کی پہلے عیادت فرماتے تھے۔ اور پھر اُوپر کی منزل میں تشریف لے جاتے تھے۔ کھانا آ جاتا۔ تو اپنے دونوں صاحبزادوں کے ساتھ بیٹھ کر عشائیہ تناول فرماتے تھے۔ اس موقعہ پر بعض ضروری باتیں بھی ہوتی تھیں۔ اگر کوئی تحفہ وغیرہ موجود ہوتا۔ تو اُس کو تین برابر حصّوں میں تقسیم فرماتے تھے۔ اور دو حصے اپنے صاحبزادوں کے گھروں میں بھیج دیتے تھے۔ اور ایک حصّہ اپنے گھر رکھتے تھے۔ روٹی کے بعد ہاتھ دھونے کا وقت آتا تھا۔ تو گھر کا ہر فرد کوشش کرتا تھا کہ یہ سعادت مجھ کو نصیب ہو۔ بچوں اور بڑوں کو بھی جمعہ کے دن پیسے دیا کرتے تھے۔ اپنے صاحبزادوں اور اپنے گھر میں بھی ماہوار روپے مرحمت فرمایا کرتے تھے۔

جمعہ کے دن چند روپوں کی ریزگاری بازار سے لائی جاتی۔ اور اماں جان کے حوالے کی جاتی تھی۔ تاکہ کوئی سائلہ محروم نہ جائے۔

مندرجہ بالا معمولات کے علاوہ چند اور قابلِ ذکر چیزیں بھی ہیں۔ جو انشاء اللہ تعالیٰ کسی مناسب موقعہ پر جلد دوم میں پیش کی جائیں گی۔

حضرتؒ کے ملفوظات

حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ کی تقاریر میں بار بار دُھرائے جانے والے حکیمانہ ملفوظات میں سے چند ایک اس کتاب کے اختتام پر ہدیہ قارئین کئے جاتے ہیں۔

(۱) اللہ والوں کی جُوتیوں میں وہ موتی ملتے ہیں۔ جو بادشاہوں کے تاجوں میں نہیں ہوتے۔ نہیں ہوتے۔

(۲) لاہوریو! مَیں اتمام حجّت کر رہا ہوں۔ مَیں اپنے خُدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو بری الذمہ کر رہا ہوں۔ تاکہ آپ لوگ قیامت کو یہ نہ کہیں۔ کہ ہمیں کوئی ڈرانے والا اور سُنانے والا نہیں آیا تھا۔ رَبَّنَا مَا جَعَلْنَا من نَذِیر!

(۳) مَیں آپ کو بیدار کر رہا ہوں۔ پٹواری سے گورنر تک آپ کا کوئی بھی خیر خواہ نہیں ہے۔ اگر آپ کا کوئی خیر خواہ ہے۔ تو وُہ اللہ والا ہے۔ جو آپ سے کھانے کو نہ مانگے۔ دروازہ محمّدیؐ کا غلام ہو۔ اُس کے ایک ہاتھ میں قرآنِ حکیم ہو اور دُوسرے ہاتھ میں مشعل حدیث خیر الانامؐ ہو۔ اور وُہ ان دونوں نوروں کی روشنی میں آپ کی رہنمائی کرے۔

(۴) اللہ والوں کی صحبت میں استغنا عن الخلق اور احتیاج الی اللہ کے صفات پیدا ہوتے ہیں۔

(۵) جو نماز نہ پڑھے۔ وُہ بدمعاش۔ جو روزے نہ رکھے وُہ بدمعاش۔ مَیں فتوے دیتا۔ جاؤ علماء سے جا کر کہہ دو۔ کہ احمد علی اس طرح کہتا ہے۔ عربی میں دو لفظ ہیں۔ فاسق و فاجر۔ ہماری زبان میں اُن کا ترجمہ ہے۔ بدمعاش۔ بدمعاش وُہ ہے۔ جس کی زندگی اسلامی قوانین کے خلاف ہو۔

(۶) جب لال قلعے کے سامنے عصمتیں لُٹنے لگیں۔ تو اللہ تعالےٰ کو غیرت آئی۔ وُہ لاکھوں میل دُور سے چوہڑے لایا۔ اور تم پر مسلّط کر دیئے۔

(۷) اللہ تعالیٰ نہایت ہی نازک مزاج محبوب ہے۔ اگر تم لینے نہیں آوٴ گے تو وہ دینے نہیں جائے گا۔

(۸) ہر کام میں حصولِ رضائے الٰہی مطلوب ہونا چاہیئے۔

(۹) قرآنِ حکیم اور احادیثِ نبویؐ کی تشریح دو جملوں میں کی جا سکتی ہے۔ خُدا تعالیٰ کو عبادت، اور خلقِ خُدا کو خدمت سے راضی رکھو۔

(۱۰) رشتہ داروں اور دوستوں کو راضی رکھنے کا یہ طریقہ ہے۔ کہ اُن سے اپنا حق نہ مانگو۔ اور اُن کا حق بغیر مانگے ادا کرتے رہو۔

(۱۱) حقوق اللہ اور حقوق العباد پر قرآن مجید سے بہتر کوئی کتاب نہیں بولتی ہے۔

(۱۲) تُم کو مسجد کی چٹائیوں پر بیٹھ کر قرآن مجید سُننے میں عار آتی ہے۔ تو تمہاری کوٹھیوں میں چل کر جانا ہمارے جُوتے کی بھی توہین ہے۔

(۱۳) جو تُم سے روٹی مانگے۔ وُہ تُم کو حق بات نہیں کہہ سکتا۔ تُم کہتے ہو۔ مُلّا بے ایمان! تُم نے انگریزوں کے سامنے اپنی لڑکیاں پیش کیں۔ تُمہارا مُنہ کالا۔ چکلے تمہارے دم سے آباد۔ سینماوٴں میں تمہارا اتفاق۔ وہاں وہابی۔ سُنّی اور شیعہ تمام متفق۔ وہاں تُم بیویاں اور بیٹیاں لے کر جاتے ہو۔ یا مولوی جاتے ہیں؟ اگر مولوی سوکھے ٹکڑے کھا کر قرآن کو سینے سے نہ لگاتا۔ تو ہندوستان میں اسلام ختم ہو جاتا۔ سرکاری سکول کا پرائمری پاس ملازم ہو جاتا تھا۔ مگر علماء کرام دیوبند اور سہارن پور سے فارغ التحصیل ہو کر آتے۔ تو اُن کو دفاتر میں کوئی پوچھتا بھی نہیں تھا۔ تمام علوم متداولہ کے فارغ مُلّا ملونٹے اور کالج میں عربی کے چند لفظ پڑھ کر تم لوگ علّامہ بن جاتے ہو۔

(۱۴) جو ہنڈیا میں ہوتا ہے وُہی رکابی میں آتا ہے۔ پیٹ میں حرام ہو۔ تو نیک عمل نہیں ہوتا۔

(۱۵) عالمِ دین ہو۔ حافظِ قرآن ہو۔ حج بھی کر آیا ہو۔ زکوٰۃ کی پائی پائی ادا کرے اور مر جائے۔ اور ضعیف والدین ہاتھ اُٹھا کر بددُعا کریں۔ کہ الٰہی ہم تو اُس پر راضی نہیں ہیں۔ تو اُس پہ

جنّت کے آٹھوں دروازے بند اور اُس کو جہنّم میں دھکیل دیا جائے گا۔

(۱۶) جن لوگوں نے لارڈ کارنوالس کے عہد میں قرآن مجید کی بجائے رواج پر عمل کرنے کا اعلان کیا تھا۔ مَیں فتویٰ دیتا ہوں۔ کہ وہ لوگ کافر ہیں۔ اور اگر وہ بغیر توبہ کے مرے ہیں۔ تو اُن کی قبریں جہنّم کا گڑھا بنی ہُوئی ہیں۔ اگر دیکھنا چاہو تو فسٹ کلاس کا کرایہ خرچ کرو۔ اور ہندوستان سے ایسے بزرگ لاؤ۔ جو قبر پر کھڑے ہو کر تم کو بتا دیں کہ یہ جنّت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ یا جہنّم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔ تُم نے سمجھ رکھا ہے۔ کہ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ساری اُمّت اندھی ہے۔ قرآن مجید کے پُورے ڈیڑھ صفحے کا انکار ہے۔ حالانکہ ایک لفظ کا انکار بھی کفر ہے۔

(۱۷) تُم ایک دانہ زاید نہیں کھا کر مروگے۔ اور نہ ہی ایک دانہ چھوڑ کر مروگے۔ رات دن روٹی روٹی کی پکار ہے۔

(۱۸) مَیں نے اپنے تینوں بیٹوں کو تین وصیّتیں کی ہیں۔ (ا) کیمیاگری میں مبتلا نہ ہونا۔ (ب) عملیات کے پیچھے نہ پڑنا (ج) کسی کی ضمانت نہ دینا۔ کیونکہ خواہ مخواہ کسی نہ کسی مصیبت میں گرفتار ہو جاؤ گے۔ اور اس طرح سے دین کی خدمت میں رکاوٹ پیدا ہوگی۔

(۱۹) آج کل مسلمانوں کی اخلاقی گراوٹ اور معاملات میں بد دیانتی کی شکایت کرتے ہوئے اکثر فرمایا کرتے تھے۔ کہ آج کا مسلمان وہ ہے جو لے کر نہ دے۔ اگر لے کر دیدے۔ تو صورت وسیرت سے اُس کو مسلمان سمجھے۔ مجھ سے اکثر لوگوں نے کم و بیش رقم مستعار لی۔ اور لینے کے موقعہ پر کہتے رہے کہ جاتے ہی بذریعہ منی آرڈر بھیج دیں گے۔ مگر آج تک شاید ہی کسی نے کچھ واپس کیا ہے۔ آپ خیال فرما سکتے ہیں۔ کہ مجھ کو ملنے والے بھی علماء وطلباء ہی میری برادری ہے۔ میرے پاس شرابی اور کبابی تو آنے سے رہے۔ جب مَیں اُن کی جگہوں میں اتفاق سے جاتا ہوں۔ وہ لوگ مجھ کو ملتے بھی ہیں لیکن دیتے کچھ نہیں۔ اور مَیں بھی شرم کی وجہ سے نہیں مانگتا۔

(۲۰) مَیں ہمیشہ دُعا کرتا ہوں۔ کہ اللہ تعالےٰ میری کوئی نماز قضا نہ کرے۔ اور صبح کا درس قرآن مجید

بھی نہ چھوٹے۔ اللہ تعالیٰ مجھ کو چلتا پھرتا لے جائے۔ اپنے فضل سے سوء الکبر سے بچائے۔ مجھ کو چارپائی پر نہ لٹائے۔ تاکہ میرے لئے اور میرے تیمارداروں کے لئے تکلیف کا باعث بنے۔ صبح کی نماز پڑھ کر درسِ قرآن مجید کے بعد اللہ تعالیٰ مجھ کو دُنیا سے اُٹھا لے۔ لوگ مجھ کو میانی صاحب میں پہنچا کر ظہر کی نماز واپس آ کر باجماعت پڑھیں۔

(۲۱) آخری دنوں میں کبھی کبھی آواز سے فرمایا کرتے تھے۔ اے اللہ! مَیں تجھ سے راضی ہوں۔ تُو جب چاہے مجھ کو بُلا لے۔

حضرت مولانا محمد شعیب صاحب جو آپ کے ممتاز خلفاء میں سے ہیں۔ اُنہوں نے حضرت کے چند ملفوظات نقل کروائے ہیں۔

(۱) میرا اپنا سلسلہ قادری ہے۔ مگر مَیں سلاسلِ اربعہ کے بزرگوں کا ادب کرتا ہوں۔

(۲) حضرت مدنی مرحوم میرے شیخ نہیں ہیں۔ لیکن مَیں اپنے مشائخ کی طرح ان کا ادب کرتا ہوں۔

(۳) طالب تین تاروں کے ساتھ اپنے شیخ سے کنکشن پیدا کرے۔ تو کامیاب ہوتا ہے۔ عقیدت۔ ادب اور اطاعت۔

(۴) لوگ کہتے ہیں۔ بینا سارے اندھا کوئی کوئی۔ مَیں کہتا ہوں۔ اندھے سارے بینا کوئی کوئی۔

(۵) مجھے جو موتی اپنے حضرات سے ملے ہیں۔ وُہ اتنے قیمتی ہیں۔ کہ اگر اللہ تعالیٰ دُنیا کے تمام خزانے میرے ہاتھ پر رکھ کر فرمائے۔ کہ یہ تمام خزانے لے لو۔ اور ایک موتی دے دو۔ تو مَیں یہی عرض کروں گا۔ کہ اے اللہ! مجھ کو دُنیا کے خزانوں کی طلب نہیں۔ جن کو ان کی طلب ہے۔ یہ اُن کو دے دے۔ اور میرے پاس یہ موتی رہنے دے۔

(۶) نعم الامیر علی باب الفقراء۔ و بئس الفقیر علی باب الامرا۔

(۷) اطلبوا الاستقامۃ ولا تطلبوا الکرامۃ فان الاستقامۃ فوق الکرامۃ۔

(۸) اگر کوئی ہوا میں اُڑتا آئے۔ اور لاکھوں مُرید پیچھے لائے۔ مگر سُنّتِ نبویؐ کا مخالف ہو تو اُس کی طرف نگاہ اُٹھا کر دیکھنا ناجائز۔ اُس کی بیعت کرنا حرام اور اگر کوئی کر چکا ہو تو توڑنا فرضِ عین ہے۔

(۹) دل کتنا ہی سخت ہو۔ ذکر الٰہی کی متواتر ضربوں سے نرم ہو جاتا ہے۔ جس طرح سخت پتھر میں پانی کے ٹپکنے سے نشیب پڑ جاتا ہے۔

الحمد للہ تعالےٰ! کہ حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت پاک کا پہلا حصّہ بخیر و خوبی اختتام پذیر ہُوا۔

۲۸ دسمبر ۱۹۶۳ء بوقت ۹ بجے رات

مُصنّف

نہ پُوچھ ان خرقہ پوشوں کی۔ ارادت ہو۔ تو دیکھ ان کو
یدِ بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

مُصنّف — ماسٹر لال دین اخگر

کتابت — حاجی نور احمد (سابق صدر انجمن خوشنویساں پاکستان)

مطبع — پنجاب پریس لاہور

قیمت — ۳ روپیہ ۵۰ پیسہ

دفتر انجمن خدّام الدین دروازہ شیرانوالہ لاہور

الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون

انوار ولایت

یعنی

سوانح شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی نور اللہ مرقدہ

حصہ اول

از ولادت تا وفات

مؤلف

احقر